ماہنامہ
کرن
فروری 2021
www.pklibrary.com

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

بانی ——— محمود بابر فیصل

نگران ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون

مدیر اعلیٰ ——— عامر محمود

نائب مدیرہ ——— شعاع عمیر

مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور

اشتہارات ——— خالدہ جیلانی

قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی

ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

کرن کتاب

مستقل سلسلے

فروری 2021
جلد 42 شمارہ 11
قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔
پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مُدیرہ

ادارہ
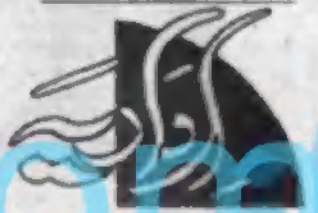
گرانی کا ایک اور طوفان..... پچھلے دو ماہ میں پانچ بار پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ پٹرول کی قیمت میں اضافہ کا مطلب ہے اشیائے ضرورت کی ہر چیز کی قیمت میں اضافہ۔

روزمرہ ضرورت کی چیزوں کی قیمت میں روز افزوں اضافہ نے مہنگائی کے ایسے طوفان کو جنم دیا ہے، جس نے عوام کے لیے روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنا بھی مشکل بنا دیا ہے۔ صورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے سر ڈھانپیں تو پیر کھلتے ہیں اور پیر ڈھانپیں تو سر ننگا ہوتا ہے۔

ہر نیا دن ایک نیا بحران لیے طلوع ہوتا ہے۔ آٹا اور چینی کے بحران کے بعد اب گیس کا بحران سر پر کھڑا ہے۔ گیس کی کمی کے باعث صنعتیں بند ہوگئی ہیں جس سے بے روزگاری میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ غربت اور افلاس پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ حکومتی دعووں کے باوجود آٹے اور چینی کی قیمتیں بھی کم نہیں ہوسکی ہیں۔ قیمتوں کو کنٹرول کرنے اور حالات پر قابو پانے کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ جو فی الحال کسی بھی شعبہ میں نظر نہیں آ رہی ہے۔

خالدہ جیلانی...... بھول نہ پائیں گے

خالدہ جیلانی اس دار فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

کسی ادارے کی کامیابی میں اس میں کام کرنے والوں کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ کسی ادارے کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہوتی ہے کہ اسے محنتی، باصلاحیت اور مخلص کارکن مل جائیں۔

خالدہ جیلانی میں یہ تمام خوبیاں تھیں۔ وہ اپنے کام پہ پوری دسترس رکھتی تھیں اور بہت کامیاب تھیں۔ خالدہ جیلانی نے شعبہ اشتہارات سنبھال رکھا تھا۔ اس شعبہ میں آج بھی بہت کم لڑکیاں نظر آتی ہیں۔ خالدہ نے بڑی نیک نامی اور وقار کے ساتھ اس شعبہ میں کام کیا، ان کا روشن چہرہ ان کے کردار کا گواہ تھا۔

دیانت داری، مخلصی کے علاوہ ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بہت سادہ دل اور محبت کرنے والی شخصیت تھیں۔ ادارے کے ہر فرد کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی مشفقانہ تھا۔ کسی کا بھی کوئی کام ہوتا، وہ خالدہ سے کہتا اور خالدہ بنا کسی پس و پیش کے مدد کے لیے حاضر ہوتیں۔

بابر صاحب اور خاور صاحب سے تو ان کا رویہ بہت ہی شفیق اور محبت آمیز تھا۔ وہ بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ طویل رفاقت نے بے تکلفی کی ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ خالدہ جیلانی گھر کا ایک فرد محسوس ہوتیں۔ بابر صاحب کے شگفتہ جملوں پر وہ بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ مسکراتی رہتیں۔

خالدہ جیسی ہستی کا دنیا سے رخصت ہو جانا بڑا صدمہ ہے۔ ادارے کا ہر فرد سوگوار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کے متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ خالدہ جیلانی کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔

اس شمارے میں

☆ اداکار "اسامہ اعظم خان" سے ملاقات۔ ☆ اداکارہ "سحر خان" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"۔
☆ اس ماہ "ثانیہ مرید" کے "مقابل ہے آئینہ"۔ ☆ "دامن سحاب" مہوش افتخار کا سلسلہ وار ناول۔
☆ آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" ☆ "انتقام" نادیہ امین کا ناولٹ۔
☆ "کنار خواب جو" فرح بخاری کا ناول ☆ شائلہ دلعباد کا مکمل ناول "محبت فروری کی دھوپ"۔
☆ "جنہیں راستے میں خبر ہوئی" نازیہ کنول نازی کا ناولٹ ☆ انعم خان کا ناولٹ "مجھے تیری ضرورت ہے"۔

حمد

دوسرا کون ہے، جہاں تُو ہے
کون جانے تجھے، کہاں تُو ہے

لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ
سو نشانوں میں بے نشاں تُو ہے

تُو ہے خلوت میں، تُو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تُو ہے

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تُو ہے مہماں تُو ہے

نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تُو ہے

رنگ تیرا چمن میں، بو تیری
خوب دیکھا تو باغباں تُو ہے

محرم راز تو بہت ہیں امیرؔ
جن کو کہتے ہیں راز داں تُو ہے

امیر مینائی

نعت

باوضو ہو کر، باادب ہو کر
لفظوں کو لفظوں سے جوڑ کر
آپؐ کی تعریف لکھوں
آپؐ کو یاسینؐ لکھوں، مُرسلینؐ لکھوں
رحمت العالمینؐ لکھوں
آپؐ سراپا نور ہیں، آپؐ سا کوئی نہیں
آپؐ کو نورِ خدا لکھوں، پیکرِ حسن جمال لکھوں
مسکینوں، یتیموں کا سہارا بنے
آپؐ سا سخی کوئی نہیں
آپؐ کو بشیرؐ لکھوں، نذیرؐ لکھوں، سراجِ منیرؐ
لکھوں
پستیوں میں جو تھے گرے ہوئے، انہیں
اُٹھایا آپؐ نے
آپؐ کو حبیبؐ لکھوں، خلیلؐ لکھوں، مبینؐ
لکھوں
سب نام میرے آقاؐ کے ہیں حسین
آپؐ کو مصطفیٰؐ لکھوں، مجتبیٰؐ لکھوں،
مرتضیٰ لکھوں

زرتاشیہ نعمان

اسامہ اعظم خان سے ملاقات

شاہین رشید

اس فیلڈ میں بہت سے نوجوان آنا چاہتے ہیں اور آ بھی رہے ہیں۔ مگر کامیاب وہی ہوتے ہیں جن میں فنکارانہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اسامہ اعظم خان نے اپنی پہچان "سانوری" کے ذریعے کروائی اور...... اب یہ معروف فنکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آج کل آپ انہیں نہ صرف کمرشلز میں بلکہ ڈرامہ سیریل "چھلاوا" میں بھی دیکھ رہے ہیں۔

◆ "کیا حال ہیں اسامہ؟"

☆ "الحمدللہ...... آپ ٹھیک ہیں۔"

◆ "جی بالکل...... آپ کو کمرشلز اور ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں، تفصیلی انٹرویو سے پہلے اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

☆ "جی...... میرا نام کچھ عرصہ پہلے تک اسامہ خان تھا مگر اب اسامہ اعظم خان ہے...... اور میں......"

◆ "ایک منٹ...... پہلے اسامہ خان تھا اب اسامہ اعظم خان...... مطلب؟"

☆ ہنستے ہوئے "جی...... جی میں آپ کو بتاتا ہوں۔ دیکھیں، میرا پورا نام اسامہ اعظم خان ہے۔ اور میں نے یہ سوچا ہوا تھا کہ جب تک میں اپنے والد کا نام روشن نہیں کرلوں گا اپنے نام کے ساتھ ان کا نام نہیں لگاؤں گا اور اب الحمدللہ لوگ مجھے جاننے لگے ہیں، پہچاننے لگے ہیں...... تو میں نے اپنے والد کا نام لگایا ہے کہ میں فخر یہ کہہ سکوں کہ میں اعظم خان کا بیٹا ہوں۔"

◆ "او...... اچھا...... چلیں اب مزید بتائیں؟"

☆ "جی...... میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوا 1989ء میں۔ پیار سے سب اسامہ ہی کہتے ہیں۔ کسی نے میرا نام نہیں بگاڑا...... اور مجھے اچھا بھی نہیں

لگتا کہ کوئی میرا نام بگاڑے۔ 2 نومبر میری پیدائش کا دن ہے اور میرا استارہ اسکارپیو ہے۔ قد ماشاءاللہ پانچ فٹ گیارہ انچ ہے اور مادری زبان اردو ہے۔ بس یا کچھ اور......"

◆ "تعلیم اور شادی کے بارے میں بھی بتائیں؟"

☆ "شادی میری ہوئی نہیں اور تعلیم میری "اے سی سی ہے" جو کہ میں نے لاہور سے کیا ہے......اور ہاں ہم دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔"

◆ "آج کل کیا مصروفیات ہیں؟ کیا آن ایئر ہے اور کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

☆ "اللہ کا شکر ہے کہ مصروفیات تو ٹھیک ٹھاک ہیں اور میں آج کل تین ڈرامے کر رہا ہوں جن میں ایک جیو کا "مہلت" ہم ٹی وی کا "ستم" اور اے آر وائی کا "میرے اپنے" ہے۔ مہلت کی رائیٹر سمیرا افضل ہیں اور ڈائریکٹر صائمہ وسیم ہیں اور ان تینوں سیریلز میں فنکار بھی بہت اچھے ہیں اور جو آن ایئر ہیں وہ "چھلاوہ" ہے جو کہ ہم ٹی وی سے چل رہا ہے اور "نور" کے نام سے ایک سیریل اے پلس سے آن ایئر ہے۔"

◆ "ٹی وی پہ آمد کیسے ہوئی؟ آسانی سے یا پاپڑ بیلنے پڑے؟"

☆ "سچ پوچھیں تو مجھے بچپن سے ہی شوق تھا اس فیلڈ میں آنے کا......ایک بار میں نے جاوید شیخ کا انٹرویو پڑھا تھا جس میں انہوں نے کہا کہ وہ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل جایا کرتے تھے کہ کسی طرح وہاں کسی ڈائریکٹر سے ملاقات ہو جائے، کیونکہ وہاں اکثر ڈائریکٹرز آیا کرتے تھے اور......میری خواہش تھی کہ میں ان سے اپنی خواہش کا اظہار کروں اور وہ مجھے کسی ڈرامے یا فلم میں بک کر لیں...... اور پھر ان کی خواہش پوری ہوئی اور وہ اس فیلڈ میں آ گئے......تو میں نے بھی انہی کے فارمولے کو فالو کرتے ہوئے پی سی جا کر وہ جم جوائن کیا جہاں پر فنکار اور ڈائریکٹرز آیا کرتے تھے......سو مجھ پر بھی کسی کی نظر پڑ گئی اور

میں اس فیلڈ میں آ گیا۔ اب آپ نے پوچھا کہ آسانی سے آ گئے تو ایسا نہیں ہے 2017ء میں انجلین ملک نے مجھے کافی سپورٹ کیا تھا...... اور کراچی میں کسی کو اپنا ریفرنس دیا میرے لیے......پھر "ایم ڈی" میں سائرہ غلام نبی نے مجھے کافی لوگوں سے ملوایا......شروع شروع میں میں ریجیکٹ بھی ہوا ڈرامہ ایک عام سی لڑکی کیا پھر چار پانچ مہینے کچھ بھی نہیں ملا۔ اس کے بعد ایم ڈی میں ہی شرجیل بھائی نے کامران بھائی جو سانوری کے ڈائریکٹر تھے ان سے بات کی۔ اور پھر انہوں نے مجھے سپورٹ کیا۔ سانوری میں میں نے "تبریز" کا کردار کیا جو کافی مقبول ہوا اور اب کامران اکبر کے ساتھ میں دوبارہ کام کر رہا ہوں تو ان لوگوں نے مجھے زیادہ سپورٹ کیا
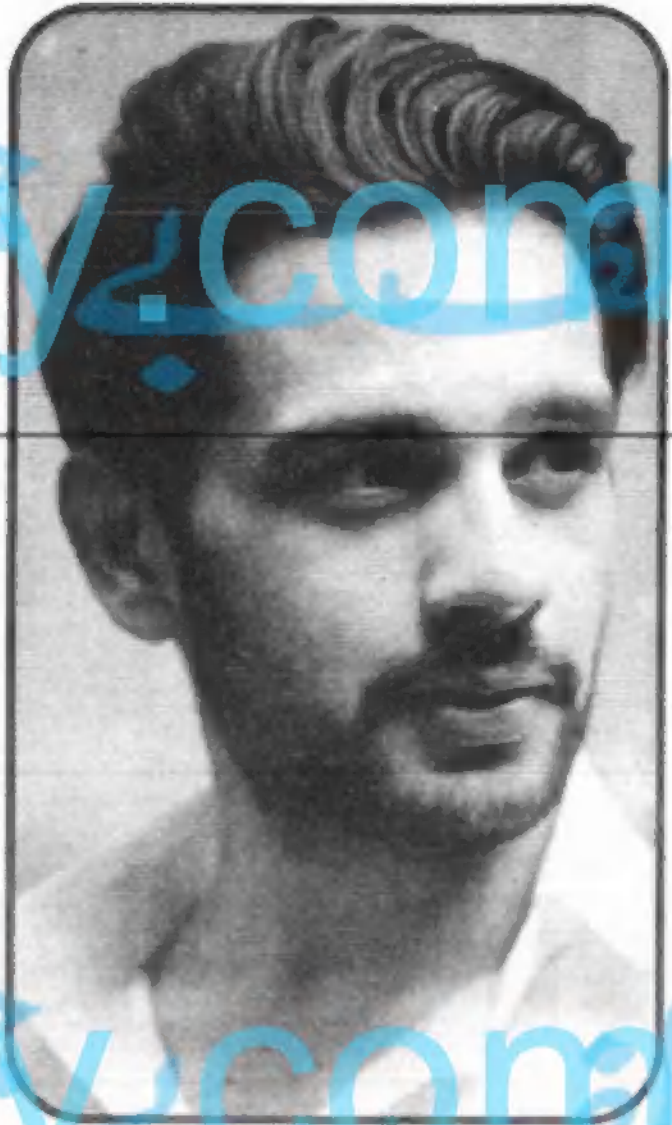
ہے۔"

◆"تو سب سے پہلے انجلین ملک نے آپ کو بک کیا تھا؟"

☆"جی انجلین ملک کے ساتھ ایک چھوٹا سا ڈرامہ کیا تھا مطلب چھوٹا سا کردار کیا تھا۔ ایک دوست کا کردار تھا۔ پی ٹی وی کے لیے ایک ڈرامہ کیا تھا جس میں تھوڑے دنوں کا ہی کام تھا...... پھر کراچی آ گیا یہاں بس ایسا کوئی کام نہیں تھا مگر میں بیکار نہیں بیٹھا بلکہ مختلف پروڈکشن ہاؤسز میں آنا جانا لگا رہتا تھا...... اور حادثاتی طور پر کام ملتے گئے اور اللہ کا شکر ہے کہ اب کام کی کمی نہیں ہے۔"

◆"کہتے ہیں کہ پروڈکشن ہاؤسز میں بغیر اپوائنٹمنٹ کے جانے کی اجازت نہیں ہوتی؟"

☆"جی...... مگر اب پروڈکشن ہاؤسز میں جانا اتنا آسان نہیں رہا...... آپ کو جانے سے پہلے سو دفعہ پوچھنا پڑتا ہے...... تھوڑا عرصہ پہلے

آسان تھیں مگر اب نہیں ہیں۔"

◆"گویا کراچی آنا بہتر ثابت ہوا؟"

☆"جی بالکل...... لیکن ایسا نہیں ہے کہ مجھے آتے ہی کام مل گیا ہو...... چھ سات ماہ فارغ بیٹھا رہا۔ سب کہتے تھے کہ ہاں...... کام مل جائے گا۔ اب ان چھ سات ماہ میں میں گھر والوں سے باتیں کرتا تھا اور جم جاتا تھا اور چونکہ مجھے کسی کے ساتھ شیئرنگ کی عادت نہیں ہے تو میں اپارٹمنٹ میں بھی اکیلا ہی رہتا تھا۔"

◆"شوبز میں آ کر کیا دیکھا کہ کس طرح جگہ بنائی جا سکتی ہے؟"

☆"میرے خیال میں جگہ بنانے کے لیے ٹیلنٹ کا ہونا بہت ضروری ہے پہلی بار تو شکل دیکھ کر بھی کام مل جاتا ہے مگر اس کے بعد ٹیلنٹ پر ہی کام ملتا ہے۔"

◆"اب ماشاء اللہ جبکہ آپ نے اپنی جگہ بنالی ہے تو کیا خواہش ہے کہ کس طرح کے رول کریں؟"

☆"مجھے لگتا ہے کہ نیگیٹو رول میں زیادہ اداکاری کا مارجن ہوتا ہے...... اس لیے میں نیگیٹو رول کرنا چاہوں گا پوزیٹو رول میں آپ کو سیدھا سیدھا ہی چلنا پڑتا ہے جبکہ نیگیٹو میں اچھا خاصا مارجن مل جاتا ہے۔"

◆"کبھی ینگ ٹو اولڈ کردار کیا؟"

☆"ینگ ٹو اولڈ میں کردار ڈرامے میں تو نہیں کیا۔ البتہ ایک کمرشل میں مجھے ایک چھوٹے بچے کا والد دکھانا تھا...... اور اس میں انہیں بہت مسئلہ ہوا۔ میرے بال سفید کرنے پڑے اور پھر بھی کہا کہ آپ تو بچے کے بڑے بھائی لگ رہے ہیں...... تو مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا البتہ کلائنٹ کو مسئلہ ہو رہا تھا تو اس طرح ڈرامے میں مجھے تو مسئلہ نہیں ہوگا لیکن ہو سکتا ہے کہ پروڈکشن ہاؤس کو یا کلائنٹ کو ہوگا۔"

◆"کمرشل میں کیا زیادہ معاوضہ ملتا ہے...... اور کیا کچھ پابندیاں بھی ہوتی ہیں؟"

☆"کمرشل میں پیسے تو ملتے ہیں لیکن بہت
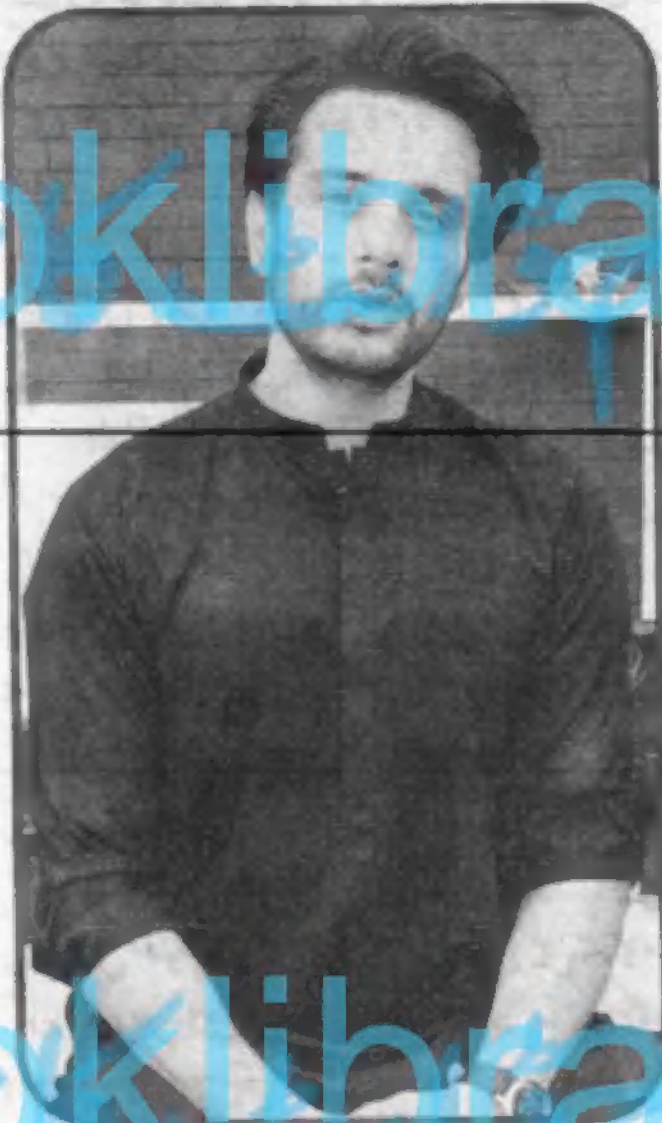
ڈھیر سارے نہیں، مگر ملتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جتنے ہمیں پورے سیریل سے ملتے ہیں۔ یا اس سے تھوڑے کم ملتے ہوں، لیکن کمرشل میں پابندی یہ ہے کہ اگر آپ ایک برانڈ کا کر رہے ہیں تو اس سے مقابلے والے دوسرے برانڈ کا نہیں کر سکتے۔ مثلاً جیسے میں نے Jazz کا کیا ہے تو کسی دوسرے ٹیلی کام کا نہیں کر سکتا یا اگر بسکٹ کا کیا ہے تو دوسرے میں کام نہیں کر سکتے، جبکہ ڈراموں میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے آپ ہر چینل کے ڈراموں میں کام کر سکتے ہیں اور ایک بات اور...... کہ جب مجھے زیادہ ڈرامے ملتے ہیں تو کمرشل بھی زیادہ ملتے ہیں۔ گزشتہ سال میں نے ماشاءاللہ سات کمرشلز کیے ہیں۔ جو کہ میرا سب سے زیادہ ٹارگٹ تھا...... اور ابھی بھی مجھے کمرشلز کی بہت زیادہ آفرز ہیں۔"

◆ "کمرشلز ڈرامے...... فلم سے آفر آئی؟"

☆ "فلموں سے ڈائریکٹ آفر نہیں آئی...... لیکن مہرین جبار کا "میرے دوست میرے یار" وہ ہم نے شوٹ ایز آ فلم shoot as a film کیا ہے...... اور مجھے سن گن ہے کہ آنے والے ٹائم میں مجھے فلم کی آفر ہونے والی ہے...... اور پاکستان کے ایک دو ڈائریکٹرز نے جن کا بڑا نام ہے مجھے آفر دی ہے...... مطلب مجھ سے پوچھا ہے کہ 2021ء میں تم کیا کر رہے ہو...... اور ڈسکشن چل رہی ہے۔ ہاں اسکرپٹ ہاتھ میں نہیں آیا...... وہ بھی ان شاء اللہ آجائے گا۔"

◆ "یہ بتاؤ کہ سوپ زیادہ دیکھے جاتے ہیں یا جو پرائم ٹائم میں ڈرامے ہوتے ہیں وہ زیادہ دیکھے جاتے ہیں؟"

☆ "میرے خیال میں تو سوپ زیادہ دیکھے جاتے ہیں...... کیونکہ وہ روزانہ دکھائے جاتے ہیں...... پرائم ٹائم کی بھی ویورشپ ہوتی ہے...... اور اب میں کوشش کرتا ہوں کہ پرائم ٹائم کے ڈراموں کا انتخاب کروں...... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ...... مجھے لگتا ہے کہ شاید روزانہ آنے سے ایکٹر کی ورتھ تھوڑی کم

ہو جاتی ہے...... پرائم ٹائم میں آنے سے ویلیو بڑھ جاتی ہے...... اور ڈائریکٹرز بھی اچھے ملتے ہیں...... ویسے میری پہلی ترجیح اچھا ڈائریکٹر ہوتا ہے۔"

◆ "ہمارے ڈراموں کے سوسائٹی پہ کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟"

☆ "بالکل...... سوسائٹی پہ اس کے اثرات ہوتے ہیں اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ کچھ چیزیں بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو دکھا کر بہت کامن کر دی گئی ہیں۔ ان میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو فیملی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھی جاسکتیں تو وہ مجھے خود بھی کرتے ہوئے عجیب سا لگ رہا ہوتا ہے...... اور میں کوشش کرتا ہوں کہ ایسا کوئی کردار نہ کروں جس کے نگیٹو اثرات ہوں...... اور جو غلط امپیکٹ (اثر) ڈالے اسے جسٹیفائی (صحیح ثابت) نہ کیا جائے بلکہ جو غلط ہے اسے غلط ہی کہا جائے...... اور جو صحیح ہے

اسے صحیح کہا جائے کیونکہ سوسائٹی ٹی وی ڈراموں کو دیکھ کر بہت سی چیزیں ایڈاپٹ کرتی ہے اور یہ چیزیں ہمیں ہی ٹھیک کرنی ہے غلط کام کا انجام بھی غلط ہی دکھانا چاہیے۔"

◆"دیکھا گیا ہے کہ اگر ایک موضوع ہٹ ہوا ہے تو بس دوسرا بھی اس موضوع پر ڈرامہ بناتا ہے......ایسا ہے؟ آپ اتفاق کرتے ہیں؟"

☆"بالکل......لیکن آپ ایک بات نوٹ کریں کہ جو پرائم ٹائم کے ڈرامے ہوتے ہیں ان کے موضوعات مختلف ہوتے ہیں جبکہ ان کے علاوہ جو ڈرامے ہوتے ہیں ان کے موضوعات اکثر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اور ویسے بھی اتنے زیادہ ڈرامے بننے لگ گئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں تو موضوعات ٹکرائیں گے ہی۔"

◆"عموماً ناظرین ہوں یا آرٹسٹ......انہیں یہ ہی نہیں معلوم ہوتا کہ جن کے ڈراموں میں ہم کام کر رہے ہیں اس کے رائٹر کون ہیں......آپ بھی انہی میں شامل ہیں کیا؟"

☆"میں تو اسکرپٹ سائن کرنے سے پہلے، پہلے یہی پوچھتا ہوں کہ رائٹر کون ہے......اب جیسے نگہت افتخار، صائمہ وسیم، سمیرا افضل......عمیرہ احمد......فائزہ افتخار، جہاں زیب قمر، خلیل الرحمٰن قمر......یہ تو بہت زیادہ سینئر ہیں۔ ان سب کے بارے میں پتا ہوتا ہے کہ ان کا کانٹینٹ کیا ہوگا اور آپ کو بتاؤں کہ میری امی اور میری بہن آپ کے ڈائجسٹ شعاع، خواتین اور کرن بہت شوق سے پڑھتی ہیں اور ان ڈائجسٹوں کی کوئی بھی رائٹر جب کوئی اسکرپٹ آتا ہے تو میں امی سے ضرور پوچھتا ہوں کہ یہ کیسی رائٹر ہیں تو اس طرح ان کی رائے سے بھی مجھے بہت مدد ملتی ہے اور جو نئے رائٹرز ہوتے ہیں ان کے بارے میں تھوڑی سی کنفیوژن ہوتی ہے کہ پتا نہیں کیسے ہوں گے۔ کیونکہ وہ میگزین میں نہیں لکھ رہے ہوتے تو ان کا آئیڈیا بھی نہیں ہوتا کہ کیسے ہوں گے۔"

◆"اب تو لوگ پہچان لیتے ہوں گے تو شہرت پریشان تو نہیں کرتی؟"

☆"شہرت تکلیف تو کبھی نہیں دیتی......شروع شروع میں بہت عجیب سا لگتا تھا۔ مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ جب سے مجھے پہچان ملی ہے میں زیادہ ڈاؤن ٹو ارتھ ہو گیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ اب مجھ پر زیادہ ذمہ داریاں ہوگئی ہیں۔ پہلے میں کسی سے نہیں بھی ملتا تھا تو......اب ضرور ملتا ہوں میں سب سے بنا کر رکھتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ سب چیزیں وقتی ہوتی ہیں......کوئی چیز مستقل نہیں ہوتی، میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ میں خاندان میں اور خاندان سے باہر......دوستوں میں ......سوسائٹی میں سے اچھا رہوں، اگر کوئی مجھے فالو کر رہا ہے تو میری شخصیت، میرا کردار سب کو ایک پوزیٹو میسج دے۔"

◆"سوشل ہیں؟"

☆"سوشل ہوں......مگر آپ مجھے کبھی ایسی سوسائٹی میں نہیں دیکھیں گے۔ ایسی گیدرنگ میں نہیں دیکھیں گے جو ہمارے معاشرے میں قابل قبول نہ ہوں۔ پھر ہماری فیملیز کے کچھ اصول بھی کافی سخت ہیں جو مجھے فالو کرنے ہوتے ہیں اور میں سب کو بتاتا ہوں۔"

◆"خوش خوراک ہیں؟ اور کیا پسند ہے کھانے میں؟"

☆"نہیں......خوش خوراک نہیں ہوں۔ کافی کم کھاتا ہوں۔ ویسے مجھے بریانی، نہاری اور مغز بہت پسند ہے۔ ان کو کھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

◆"ٹی وی میں کیا دیکھنا پسند کرتے ہیں؟"

☆"دل تو چاہتا ہے کہ مووی دیکھوں، ڈرامے دیکھوں مگر جب مختلف چینلز دیکھتا ہوں تو ٹاک شو کو ضرور دیکھتا ہوں کیونکہ نیوز اور تبصرے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ اور انسان حالات سے باخبر رہتا ہے۔"

☆☆

میری بھی سنیئے

سحر خان

شاہین رشید

1 ''پورا نام؟''

''سحر خان۔''

2 ''پیار سے پکارتے ہیں؟''

''سحری، ہاہاہا۔''

3 ''کس تاریخ کو جنم ہوا؟''

''29 مئی کو اس لحاظ سے ستارہ ہے Gemini۔''

4 ''بہن بھائی؟''

''میرے دو بھائی ہیں اور ہم تین بہنیں ہیں۔ میرا نمبر دوسرا ہے۔''

5 ''بڑے ہو کر کیا بننا چاہتی تھیں؟''

''ہاہاہا...... بننا تو لائر چاہتی تھی مگر بن گئی آرٹسٹ اور یہ حادثہ گریجویشن کے بعد پیش آیا۔''

6 ''جو کام ابھی ممکن نہیں؟''

''وہ ہے شادی کرنا...... ابھی مجھے بہت کام کرنا ہے اس لیے شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔''

7 ''شوبز میں آنے کے لیے پاپڑ بیلے؟''

''نہ...... نہ...... مومنہ درید کی پروڈکشن ہاؤس میں گئی اور کہا کہ مجھے اداکاری کا شوق ہے۔ آڈیشن کے لیے آئی ہوں...... میرا آڈیشن ہوا اور ایک ہفتے بعد کال آ گئی کہ آپ کا سلیکشن ہو گیا ہے اور بس قسمت مہربان تھی۔''

8 ''ڈرامہ ملا؟''

''سانوری'' کامران اکبر اس کے ڈائریکٹر تھے۔ سوپ تھا جو کہ بہت ہٹ ہوا...... اور مزید راستے ہموار ہوئے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔''

9 ''معاوضہ ملا؟''

''جی پہلا چیک دس ہزار کا ملا جو کہ فیملی کے ساتھ مل کر خرچ کر دیا۔''

10 ''شوبز میں آ کر محسوس کیا......؟''

''کہ یہ ایک فل ٹائم جاب ہے کام کا شیڈول خاصا ٹائٹ ہوتا ہے اور اپنوں کے لیے ٹائم نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

11 ''پچھتاوا ہے کہ......؟''

''کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ شوبز میں آ کر بہت خوش ہوں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اس فیلڈ میں کامیاب کیا۔''

12 ''صبح اٹھتے ہی پہلی بات جو لبوں پر آتی ہے؟''

''شکر ادا کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کا کہ صحت کے ساتھ جگایا ہے۔''

13 ''آڈیشن کے وقت میری کیفیت؟''

''تھوڑی سی نروس ہوئی تھی۔ مگر ایم ڈی پروڈکشن کے لوگ اتنے اچھے تھے کہ انہوں نے مجھے بھرپور طریقے سے سپورٹ کیا۔''

14 ''سیاست میں میری پسندیدہ شخصیت؟''
''بےنظیر بھٹو۔''

15 ''تنہائی میں بیٹھ کر اکثر سوچتی ہوں کہ؟''
''کہ اللہ مجھے اتنی ترقی دے کہ بین الاقوامی سطح پر جانی پہچانی جاسکوں۔ میں بین الاقوامی پلیٹ فارم پر بھی پرفارم کرنا چاہتی ہوں۔''

16 ''فیلڈ میں آنے کے لیے حسین ہونا ضروری ہے؟''
''حسین بھی ہونا چاہیے اور ذہین بھی...... دونوں چیزیں مل کر انسان کو مکمل کرتی ہیں اور محنت کا جذبہ بھی ہونا چاہیے۔''

17 ''کھانے میں پسندیدہ کھانا جو ہر وقت کھانے کو تیار رہتی ہوں؟''
''نوڈلز...... جب دل چاہے کھلا دیں۔ نوڈلز کے بغیر تو کھانا نامکمل ہے۔''

18 ''رول لیتے وقت کس بات کا خیال رکھتی ہوں؟''
''کہ ضرورت سے زیادہ رومانٹک نہ ہوں۔ کیونکہ میرا ڈرامہ میری پوری فیملی دیکھ رہی ہوتی ہے۔ تو میں نہیں چاہتی کہ مجھے کس کے آگے شرمندہ ہونا پڑے۔''

19 ''کھانا شوق سے کھاتی ہوں؟''
''گھر میں امی کے ہاتھ کے پکے کھانے، گھر سے باہر ''بوٹ بیسن'' کے کھانے اور چائنا ٹاؤن کا چائنیز بہت پسند ہے۔''

20 ''میں کیا اچھا پکا لیتی ہوں؟''
''نوڈلز بنا لیتی ہوں اور انڈا فرائی کر لیتی ہوں۔''

21 ''کب منہ پھٹ ہو جاتی ہوں؟''
''غصے میں ......سامنے کوئی بھی ہو فوراً کہہ دیتی ہوں اپنی شکل مت دکھانا ورنہ بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ۔''

22 ''قسمت پر یقین ہے یا محنت پر؟''
''قسمت میں کیا لکھا ہے کچھ پتا نہیں اس لیے جدوجہد کرتی ہوں۔ سخت محنت کرتی ہوں تب کہیں جا کر ہاتھ گرم ہوتے ہیں۔ مطلب پیسہ ملتا ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اسی طرح پیسہ ملنا قسمت میں لکھا ہو۔''

23 ''بہت اداس ہو جاتی ہوں جب؟''
''جب اپنے بھائی کو یاد کرتی ہوں۔ وہ تو اللہ کے پاس خوش ہوگا مگر میں بہت اداس رہتی ہوں۔ اس کے لیے بہت روتی بھی ہوں۔''

24 ''کیا چیزیں بیگ میں لازمی رکھتی ہوں؟''
''[illegible] میک اپ کٹ۔''

25 ''پہچان مسئلہ بنتی ہے؟''
''اب بنتی ہے پہلے نہیں بنتی تھی ......اب کافی ڈرامے کرلیے ہیں ماشاء اللہ سے، تو اب ایسا ہے کہ سوشل لائف تو ختم ہی ہو گئی ہے اور پرائیویسی بھی......لیکن خیر میں بہت خوش ہوں کہ اللہ مجھے شہرت عزت اور پیسہ دے رہا ہے۔''
26 ''اکثر خوف زدہ ہو جاتی ہوں کہ......؟''
''کہ اپنوں سے میں یا میرے اپنے مجھ سے دور نہ ہو جائیں بہت خوف آتا ہے ایسی سوچ سے۔''
27 ''کب بہت فخر ہوتا ہے؟''
''جب اپنی فیملی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت، اعتماد اور بھروسا دیکھتی ہوں۔''
28 ''میری ایک اچھی عادت؟''
''پنکچوائلٹی...... لوگوں کی نظر میں یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ وقت کی پابندی کرنے والے کے لیے یہ سوچ ہے کہ شاید یہ فارغ ہیں۔''
29 ''ضدی ہوں؟''
''ہرگز نہیں، سمجھوتا کرلیتی ہوں۔ تنگ نہیں کرتی کسی کو۔''
30 ''میرے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ......؟''
''کہ میں ایتھلیٹ ہوں۔ مجھے کھیلوں سے بہت لگاؤ ہے۔ کرکٹ میرا پسندیدہ کھیل ہے۔''
31 ''میں بڑی ہونا چاہتی ہوں؟''
''نہیں، اللہ تعالیٰ زندگی رکھے میرے ماں باپ کی جب تک وہ حیات ہیں مجھے ان کی سپورٹ چاہیے۔ میرے والدین مجھے گڑیا کہتے ہیں اور میں ہمیشہ ان کی گڑیا رہنا چاہتی ہوں۔''
32 ''مجھے عشق ہے؟''
''خدا سے......اپنی پیاری فیملی سے جن کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔''
33 ''میں کس قسم کے شوز کرنا چاہتی ہوں؟''
''سوسائٹی کی بہتری اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے شوز کرنا چاہتی ہوں۔ تاکہ لوگوں کی زندگی میں بہتر اثرات پیدا ہوں۔''
34 ''جب اپنے آپ کو اسکرین پہ دیکھتی ہوں تو......؟''
''تو دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے...... پھر ادھر ادھر کن انکھیوں سے دیکھتی ہوں کہ سب کے کیا تاثرات ہیں۔''
35 ''بہت پریشان ہو جاتی ہوں؟''
''جب بیمار ہو جاتی ہوں۔ تو اپنی بیماری سے بہت پریشان ہو جاتی ہوں۔''
36 ''جب بھوک لگتی ہے تو؟''
''تو امی بہت یاد آتی ہیں اس وقت جب میں شوٹ پہ ہوتی ہوں کہ اگر اس وقت گھر پر ہوتی تو امی سے جو فرمائش کرتی پوری ہو جاتی...... میں اپنی امی کی بہت زیادہ لاڈلی اور نخریلی بیٹی ہوں۔''
37 ''کس ملک میں گھومنا چاہتی ہوں؟''
''یو ایس اے جانا چاہتی ہوں۔''
38 ''کسی کی تعریف کرنا پڑے تو؟''
''تو یہی کہتی ہوں کہ گڈ ورک یا پھر پرفیکٹ۔''
39 ''جب تک اے ٹی ایم استعمال نہ کروں تو؟''
''ہاہاہا......تو پیسہ محفوظ اور جمع رہتا ہے۔''
40 ''میں اپ ٹو ڈیٹ رہتی ہوں؟''
''سوشل میڈیا سے میرا خیال ہے کہ ہمیں اس میں دلچسپی لینی چاہیے تاکہ دنیا سے باخبر رہ سکیں۔''
41 ''ایک تاریخ جو بھول نہیں سکتی؟''
''جب آڈیشن ہوا اور جب ڈرامے کے لیے منتخب ہوئی تو دو تاریخیں ہیں جو بھول نہیں سکتی۔''
42 ''انتقام لیتی ہوں؟''
''ہرگز نہیں خاموشی اختیار کرتی ہوں اور میری نظر میں یہ بہترین انتقام ہے، اور زیادتی کرنے والے کو بھولتی نہیں ہوں۔''
43 ''شوبز میں میری منزل؟''
''شوبز کی ہر فیلڈ میں کام کرنا چاہتی ہوں۔ ویسے ڈرامے اور ماڈلنگ تو کرچکی ہوں۔ اب فلم کرنا

چاہتی ہوں۔ مگر کوئی بہت ہی اچھا اسکرپٹ آیا تو تب کام کروں گی ورنہ نہیں۔"

44 "غلطی ہو جائے تو؟"

"اعتراف کر لیتی ہوں۔ اسی میں نجات ہے اور پھر میں تو اپنی غلطیوں سے بہت سیکھتی ہوں۔"

45 "کس اینکر کا پروگرام شوق سے دیکھتی ہوں؟"

"جاوید چوہدری صاحب کا اور پارس جہاں زیب کا جو سماٹی وی پہ پروگرام کرتی ہیں۔"

46 "اس فیلڈ میں میری خواہش؟"

"میں ایک ورسٹائل فنکارہ بننا چاہتی ہوں۔ بہت اچھے اچھے رول کرنا چاہتی ہوں۔ چیلنجنگ رول کرنا چاہتی ہوں۔"

47 "میں شکر ادا کرتی ہوں؟"

"جب اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فیزیکلی، جسمانی طور پر ایک مکمل انسان بنایا ہے۔"

48 "بچپن میں کون سا کھلونا پسند تھا؟"

"ٹیڈی بیئر...... اور یہ میرے پاس ابھی تک محفوظ ہے۔ جب دیکھتی ہوں اپنا بچپن یاد آ جاتا ہے۔"

49 "میری کامیابی میں کس کا ہاتھ ہے؟"

"میرے پاپا کا انہوں نے میرا ہمیشہ ساتھ دیا اور مجھے بہت زیادہ سپورٹ کیا اور بہت زیادہ پیار دیا پاپا نے اور مما نے۔"

50 "میرے لیے اللہ کا بہترین تحفہ؟"

"میرے ماں باپ ...... اللہ ہمیشہ انہیں سلامت رکھے۔ (آمین)"

☆☆

مقابل ہے آئینہ

ثانیہ مرید

ادارہ

س "اصلی نام کیا ہے؟ گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟"

ج "اصلی نام "ثانیہ مرید راجہ" ہے۔ پیار کے نام بہت ہیں ہمارے، جیسے، نانو، ثانی، دانی، ڈبو، سمبلو وغیرہ وغیرہ...... ہاہاہا۔"

س "آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟"

ج "غور نہ کرو ثانیہ، نظر لگ جائے گی۔"

س "حسین صورتیں دیکھ کر دل میں کیا خیال آتا ہے؟"

ج "منہ سے خود بخود ماشاءاللہ نکل جاتا ہے اور دل میں خیال آتا ہے کہ اس کا نصیب بھی اس کی طرح حسین ہو۔"

س "اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے گی؟"

ج "پرس کو اٹھانا میں بوجھ سمجھتی ہوں اس لیے اٹھاتی ہی نہیں ہوں۔ اگر کوئی چیز ضروری اٹھانی ہو تو ساتھ والے بندے کو دے دیتی ہوں۔ اچھا کرتی ہوں نا میں؟ (ہاہاہا)۔"

س "بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟"

ج "نہیں، بھوتوں کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یقین نہیں آتا کہ اس دنیا میں بھوت بھی ہیں، ہاں بھوتوں جیسے بندوں سے ڈرتی ہوں۔"

س "مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟"

ج "اگر میرے موڈ کا مہمان ہو تو، یعنی میری کوئی فرینڈ اور نئے مہمان بھی اچھے لگتے ہیں۔ یہ روز روز کی آنٹیاں جو مہمان بن جاتی ہیں وہ موڈ خراب کر دیتی ہیں۔"

س "کھانے میں کیا پسند ہے؟"

ج "ہائے، کتنی مزے کی بات ہے۔ مجھے، پلاؤ، بریانی، پیزا، برگر، مچھلی، پائے وغیرہ وغیرہ۔ کیا کیا یاد دلا دیا ہے آپ نے، منہ میں مرچیاں آ رہی ہیں۔ (ہاہاہا)"

س "پسندیدہ مشاعر؟"

ج "پروین شاکر، ناصر کاظمی اور سجاد حسین کشور۔"

س "مزاجاً لڑاکا ہیں؟"

ج "نہیں، لیکن بہن بھائی تو کہتے ہیں لڑاکا ہو جو میں نہیں مانتی۔ میرے اندر غصے نام کی کوئی حس ہی نہیں۔"

س "اگر لوڈشیڈنگ نہ ہوتی تو......؟"

ج "تو بل زیادہ آ جاتا جو پاکستانیوں کے لیے بہت آفت ہے۔ لوڈشیڈنگ کے دوران ہی عوام بل زیادہ ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔"

س "اگر آپ کو حکومت مل جائے تو؟"

ج "تو عمران خان کی طرح حکومت کروں گی اور کشمیر کو آزاد کراؤں گی۔"

س "اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟"

ج "رات کا وقت، کیونکہ اس وقت آپ کے ساتھ کوئی نہیں ہوتا بس اللہ ہی یاد ہوتا ہے۔"

س "آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟"

ج "اگر اماں ابا کے پیسے ہوں تو فضول خرچ اور اگر اپنی کمائی کے پیسے ہوں تو کفایت شعار بن

جاتی ہوں۔"

س "ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟"

ج "نہیں۔"

س "کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟"

ج "نہیں، میرا نام میری شخصیت کا عکس نہیں، اس لیے باقیوں کا بھی نہیں لگتا۔"

س "سنسان راستہ ہو اور کتا آپ کے پیچھے لگ جائے؟"

ج "کتنا مزا آتا ہے جب کتا پیچھے لگ جاتا ہے۔ میں تو اس منظر کو انجوائے کرتی ہوں۔"

س "آپ کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟"

ج "اپنے والدین، اپنے اساتذہ اور اپنی پوری فیملی کی۔"

س "ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

ج "ہاں، بڑے شوق سے، پاکستانی ڈرامے ہوں اور میں ہوں بس۔ خلیل الرحمن اور عمیرا احمد کے ڈرامے خاص دیکھتی ہوں۔"

س "پچھلے سال کی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا؟"

ج "کوئی بھی نہیں۔"

س "حقیقی خوشی کس وقت حاصل ہوتی ہے؟"

ج "جب دوسرے میری وجہ سے خوش ہو۔ جب میرے والدین خوش ہو۔ اور جب پاکستان کا کوئی بندا دنیا بھر میں پاکستان کا نام روشن کرے۔"

س "اگر دوست ناراض ہو جائے تو کیسے مناتی ہیں؟"

ج "انہیں اتنی مزاحیہ باتیں سناتی ہوں کہ ہنستے ہنستے مجھ سے بولنے لگ جاتی ہیں۔ [illegible] ویسے میں اتنی بری نہیں ہوں [illegible] دن مجھ سے ناراض ہو۔"

س "آپ کی قیمتی ملکیت؟"

ج "میری عزت، میرے خواب اور میرے والدین۔"

س "اپنی زندگی دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج "جب اپنوں کو تکلیف میں دیکھا۔"

س "کون سا کام کرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ دنیا کیا کہے گی؟"

ج "بعض اوقات ہم دنیا کی باتوں کے ڈر سے بہت سے بڑے کاموں سے بچ رہے ہوتے ہیں۔"

س "آپ کی نظر میں محبت؟"

ج "جو جذبہ آپ کی انا کو مار دے۔ میری نظر میں وہ محبت ہے۔"

س "اپنی تعریف سن کے خوشی ہوتی ہے؟"

ج "نہیں۔"

س "مستقبل کی منصوبہ بندی؟"

ج "منصوبے تو بہت بنائے لیکن ایک بھی پورا نہیں ہوا۔ منصوبے بنانے والا تو اللہ ہے۔ اس کے منصوبے کامیاب ہوتے ہیں۔ جو ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا بلکہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔"

س "کوئی ایسی بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہے؟"

ج "اللہ کا ڈر [illegible] موت۔"

س "زندگی سے کیا سبق سیکھا؟"

ج "ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔"

س "کوئی ایسی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟"

ج "پائلٹ بننا، ڈاکٹر بننا، پاکستان کے لیے کچھ کرنا۔ میں رونے لگ جاؤں گی۔ میرے لیے دعا کریں کہ میں پاکستان کے لیے کچھ کر جاؤں ورنہ مجھے ایسا لگے گا کہ میں حرام موت مری ہوں۔"

س "کوئی آخری با[illegible]؟"

ج "خوش رہیے، دوسروں کو بھی خوش رکھیں۔ زندگی کا ایک مقصد بنائیے۔ بے مقصد زندگی گزارنے سے بہتر ہے خودکشی کر لیں، اپنے راستوں کو صاف رکھیں۔ دل کو شفاف اور نیت کو بلند......"

☆☆

انتباہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے تنبیہ کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر "آفیشل پیج" کی اصطلاح استعمال کررہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، افسانے اورکہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر اَپ لوڈ کرکے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کررہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کردیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

Prevention of Electronic Crimes Act 2016

اور

Copyright Ordinance 1962 / 2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/ اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

خواتین ڈائجسٹ | ماہنامہ شعاع

ماہنامہ کرن | عمران ڈائجسٹ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

طلیبہ کو آٹھ سال، دو ماہ اور تین دن بعد اس وقت اپنا گھر چھوڑنا پڑا جب ان کے ساتھ ان کا ہم سفر نہ رہا۔ نام نہاد اپنوں نے ان کی کم عمری کو بہانہ بنا کر ان کا مشترکہ سسرال میں رہنا غیر مناسب قرار دیا۔ ان کے بھائی خلیل غوری اپنی بہن اور بھانجی حیا کو اپنے گھر لے آئے۔

گردیزی ہاؤس میں شاہ مخدوم گردیزی اپنے دو بیٹوں حاتم گردیزی اور سبحان گردیزی اور بہوئیں زینب اور منیرہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی ''گردیزی کنسٹرکٹرز'' کے نام سے کنسٹرکشن کمپنی ہے۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق ایک بڑے زمین دار گھرانے سے ہے۔

حاتم گردیزی کے دو بیٹے جرار اور ہادی اور ایک بیٹی خولہ ہے جبکہ سبحان گردیزی کی ایک بیٹی سلوی ہے۔

زینب کو اپنے بیٹے جرار کے مغرورانہ انداز سخت ناپسند ہیں۔ وہ اپنے دادا کا بے حد لاڈلا ہے بلکہ عادت و اطوار میں بھی ان ہی کا پرتو ہے۔

عباس چچا کے بیٹے نصر نے جو منیرہ کا بھائی ہے، اپنے سالوں کے ساتھ مل کر شاہ مخدوم گردیزی کے آموں کے باغات پر قبضہ کر لیا ہے۔ شاہ مخدوم گردیزی نے اپنے بیٹوں کو عدالتی کارروائی کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

خلیل غوری کے بے ہوش ہونے پر طلیبہ ان کو ہاسپٹل لے کر گئیں تو ڈاکٹر نے بتایا کہ خلیل غوری کو برین ٹیومر ہے

"حد ہوتی ہے نادانی کی! میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ آقا جان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم مت اٹھایئے گا۔ مگر آپ لوگوں نے میری ایک نہیں سنی۔ اب دیکھ لیا ناں نتیجہ۔ کتنا بڑا وبال کھڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔" اپنے کمرے میں آتے ہی زینب جیسے پھٹ پڑی تھیں۔

"کھڑا ہوتے ہوتے رہ گیا، ہوا تو نہیں ناں۔" حاتم کردیزی بیزاری سے جواب دیتے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے اور کلائی پر بندھی گھڑی اتارنے لگے۔

ان کی بات پر زینب نے خشمگیں نظروں سے شوہر کی پشت کو دیکھا۔

"واہ! کیا کہنے ہیں آپ کے۔ اور جو ٹینشن، جو پریشانی ہم نے پیچھے اٹھائی اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انہوں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔ "جانتے بھی ہیں جب کفیل داد نے آقا جان کو فون پر آپ دونوں کی اپنے علاقے میں موجودگی کے بارے میں بتایا تھا تب ہم پر کیا گزری تھی؟"

"سمجھ سکتا ہوں......" وہ جیب سے والٹ نکال کر رکھتے ہوئے ان کی جانب پلٹے۔ "مگر کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچنے کے لیے ہمارا وہاں جانا بھی ضروری تھا۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے زینی۔"

"بالکل، لیکن کچھ پانے کے لیے۔ جبکہ یہاں آپ لوگوں نے کیا پایا؟ آپ کا وہ کزن تو تاحال اپنے گھٹیاپن سے باز نہیں آیا۔ تصفیے کا کہہ کر دو کروڑ مانگنے کھڑا ہو گیا۔ ارے کوئی اس طرح بھی اپنوں کو لوٹتا ہے؟" ان کا غصہ شدید تھا۔

"کیوں نہیں پایا؟" حاتم صاحب کی پیشانی پر شکنیں در آئیں۔ "اب کم از کم ہمارے ذہن میں کوئی ابہام تو نہیں رہا۔ ہمیں اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ لوگ کس نہج پر چل رہے ہیں اور ان کے ساتھ ہماری کیا حکمت عملی ہونی چاہیے۔"

"اور محض یہ بات جاننے کے لیے آپ لوگوں نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا؟ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ آقا جان نے آپ دونوں کی غلطی معاف کر دی۔ ذرا سوچیں اگر وہ آپ لوگوں کو معاف نہ کرتے تو اس وقت یہاں کیا صورت حال ہوتی؟ یقین جانیں یہ اللہ ہی ہے جس نے آج ہمارے گھر پر اپنا خاص کرم کر دیا۔ ورنہ آپ دونوں بھائیوں نے تو باپ کی مخالفت اور ناراضی مول لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

ان کی بات پر حاتم صاحب ایک پل کو خاموش ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ جو بھی کہہ رہی تھیں ٹھیک کہہ رہی تھیں۔

"صحیح کہہ رہی ہو......" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد گویا ہوئے۔ "لیکن نہ تو ہماری نیت آقا جان کو تکلیف پہنچانے کی تھی اور نہ ہی ارادہ غلط تھا۔ میں تو ان سے یہ بات چھپانے کے بھی حق میں نہیں تھا مگر سبحان کا خیال تھا کہ اگر ان کے علم میں لائے بغیر بات چیت کی ایک کوشش کر کے دیکھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہو گا۔"

"حرج اس کے لیے نہ ہوتا، آپ کے لیے تو مفت کی پریشانی تھی۔ سبحان کو یہ بات آقا جان کے سامنے کہنی چاہیے تھی کہ یہ سب اس کا کیا دھرا تھا آپ کا نہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولیں تو حاتم صاحب نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

"فار گاڈ سیک زینی! ہم کوئی بچے نہیں ہیں جو اپنی غلطی ایک دوسرے کے سر ڈالیں۔ یہ ہم دونوں بھائیوں کا مشترکہ فیصلہ تھا، بات ختم۔" وہ قطعیت سے بولے تو زینب کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔

"بات ختم نہیں ہوئی۔ آپ کو یہ حقیقت سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس سارے معاملے سے جو تعلق سبحان کا بنتا ہے وہ آپ کا نہیں بنتا۔ اس مسئلے نے اس کی ذاتی زندگی کو بھی الجھا کر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا وہ اسے ہر حال اور ہر قیمت پہ سلجھانا چاہتا ہے پھر چاہے اس کے لیے اسے اپنے باپ کے خلاف کیوں نہ جانا پڑ جائے۔ وہ قطعی کسی

کے بارے میں نہیں سوچنے والا۔ اور آپ ایسے خود غرض بھائی کا ساتھ دے کر سوائے اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے اور کچھ نہیں کر رہے۔"

"کتنی غلط سوچ ہے تمہاری۔ بلکہ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب تم نے کہا ہے......" حاتم گردیزی نے حیرت اور تاسف کے ملے جلے تاثرات لیے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ "تم نے تو ہمیشہ سب کے لیے اچھا سوچا ہے زینی پھر آج یہ بدگمانی کیوں؟"

ان کے سوال پر زینب لحظہ بھر کو خاموش ہو گئیں۔ یک لخت انہیں اپنے الفاظ اور انداز دونوں کی سختی کا احساس ہوا تھا مگر وہ اس ساری صورت حال سے اتنی نالاں تھیں کہ چاہ کر بھی معذرت نہ کر پائی تھیں۔

"اس لیے کہ آج آپ نے اپنے بھائی کی محبت میں نہ صرف اپنے بلکہ میرے بچوں کے مستقبل کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔ اور ایک ماں کے لیے اپنی اولاد کی بھلائی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔" سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ پلٹ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئیں تو حاتم صاحب اک گہری سانس لیتے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

یقیناً آج جو کچھ بھی ہوا تھا ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس سارے معاملے میں اکیلے سبحان گردیزی ہی قصوروار تھے، وہ بھی برابر کے شریک تھے۔ مگر شاید آقا جان کے شدید ردعمل نے زینب جیسی بھلی مانس عورت کو بھی اتنا خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی فطرت کے برعکس صرف اپنے شوہر اور بچوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ ان کی سوچ میں در آنے والی یہ تبدیلی آج کے واقعے کی حد تک تو ٹھیک تھی، لیکن آنے والے وقت میں سوچنے کا یہ انداز اس گھر کے مشترکہ خاندانی نظام اور ان دونوں بھائیوں کے بے مثال پیار اور خلوص کے لیے بہت سی مشکلات کھڑی کر سکتا تھا جو کہ حاتم صاحب کو کسی قیمت پر منظور نہ تھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی پریشان ہو گئے تھے۔

☆☆☆

رات کے کچن سے فارغ ہو کر منیرہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔ سلویٰ کو چینج کروانے اور سلانے کے بعد وہ بوجھل قدموں کے ساتھ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا دل عجیب سی شکستہ حالی سے دوچار تھا۔ کتنی دعائیں کی تھیں انہوں نے کہ اس معاملے کا عزت و آبرو سے کوئی حل نکل آئے۔ انہیں یقین نہ سہی لیکن امید ضرور تھی کہ آج کی اس بیٹھک کا کوئی نہ کوئی مثبت نتیجہ ضرور نکلے گا۔ مگر جب اپنا ہی سکہ کھوٹا ہو تو شاید عزت کو بچانا یونہی مشکل ہو جاتا ہے۔ نصر گردیزی کے لالچ اور ذلالت نے انہیں ساکت کر دیا تھا۔ ان کا بھائی اس حد تک اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان کی امید کیا ٹوٹی تھی وہ جیسے خود بھی اندر تک ٹوٹ گئی تھیں۔ دکھ، ملال اور حالات کی بگڑتی ہوئی صورت حال نے مل کر ان پر ایسے دھاوا بولا تھا کہ وہ گم صم ہو گئی تھیں۔ مایوسی اتنی شدید تھی کہ کب کمرے کا دروازہ کھول کر سبحان صاحب اندر آئے تھے انہیں پتا نہیں چلا تھا۔ وہ تو جب وہ ان کے برابر آ کھڑے ہوئے تھے تب انہیں ان کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"کیا بات ہے...... کیا سوچ رہی ہو؟" سبحان گردیزی نے بغور بیوی کا چہرہ دیکھا جن کے وجود میں انہیں قریب پا کر بھی کوئی جنبش نہ ہوئی تھی۔

"سوچ رہی ہوں کہ اگر بھائی، نصر گردیزی جیسے ہوتے ہیں تو اچھا ہے جو ہماری سلویٰ کا کوئی بھائی نہیں۔" وہ دل گرفتگی سے بولیں تو سبحان صاحب کے اندر ان کے لیے دکھ اور ملال پھیل گیا۔

"پتا ہے سبحان! پہلے میں ہر لمحہ دل میں اللہ سے شکوہ کناں رہتی تھی کہ اس نے میرے ہی ساتھ ایسا کیوں کیا۔ کیوں میری پہلی پریگنینسی میں ایسی پیچیدگی پیدا ہو گئی کہ پھر میں دوبارہ ماں نہیں بن سکی......" وہ دھیرے سے ان کی طرف پلٹیں تو آنکھوں کے گوشوں میں [illegible] گہری اداسی تھی۔ "مگر [illegible] جانتے ہیں آج، اس پل مجھے اس حقیقت

کا احساس بہت اچھی طرح ہوا ہے کہ زندگی کی تکمیل صرف نام نہاد رشتوں سے نہیں ہوتی۔ زندگی مکمل ہوتی ہے جب آپ کے رشتوں میں پیار، خلوص اور نیک نیتی ہو۔ جب آپ کا دکھ سب کا دکھ، اور آپ کا سکھ سب کا سکھ ہو۔ ورنہ آپ بھرے پرے خاندان میں ہو کر بھی تنہا رہ جاتے ہیں اور یہ تنہائی سچ میں بڑی اذیت ناک، بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔"

بات کرتے کرتے ان کی آواز بے اختیار بھر آئی تو سبحان صاحب نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہو۔ میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔"

"یہی تو دکھ ہے کہ صرف آپ ہی میرے ساتھ ہیں۔ میرا بھائی، میرا ماں جایا اس کی محبت میرے لیے کہیں بھی نہیں۔ بلکہ ہم چاروں بہنوں کے لیے ان کے پاس شاید کچھ بھی نہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ نصر بھائی کے آج کے رویے سے مجھے کتنا دکھ پہنچا ہے۔ آج میرا اپنے بھائی پر سے مان ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ تار تار ہو گیا میرا بھروسا۔"

وہ بکھر کر رو پڑیں تو سبحان صاحب نے بے اختیار انہیں خود میں سمیٹ لیا۔

"میں...... میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں سبحان! آج صرف میری وجہ سے آقا جان کا دل اپنے بیٹوں کی طرف سے بدگمان ہوا۔ ان کا آپ پر سے اعتبار ٹوٹا۔ مجھے معاف کر دیں۔ خدارا مجھے معاف کر دیں۔" ان کے سینے سے لگی وہ سسکتے ہوئے بولیں تو انہوں نے نرمی سے انہیں خود سے علیحدہ کیا۔

"خبردار جو تم نے دوبارہ بھی خود کو الزام دیا۔ میں نے اور بھائی جان نے جو بھی فیصلہ کیا تھا باہمی مشورے سے کیا تھا۔ آقا جان سے اس بات کو چھپانے کا خیال بھی میرا ذاتی تھا اس لیے آج جو کچھ بھی ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ یہ ہماری اپنی غلطی تھی جو ہمارے سامنے آئی۔ رہا نصر تو اس نے تم سب کی امیدوں پر پورا اترنا بہت پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے اس کی کسی بھی حرکت کا ملال کرنا بالکل فضول ہے۔ خود کو جلانے کے بجائے تم اپنے ماں باپ کا حوصلہ بڑھاؤ، یہ سوچو کہ ایک اولاد کی وجہ سے وہ کتنے بڑے امتحان سے دوچار ہیں۔"

انہوں نے محبت سے ان کے اشک سمیٹے تو اپنے امی اور ابا جی کے ذکر پر منیرہ نے مارے کرب کے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ سبحان صاحب نے ایک گہری سانس لی اور انہیں بازو کے حلقے میں لیے صوفے پر آ بیٹھے۔ ان کے شانے پر سر رکھے وہ کتنی ہی دیر اپنا غم ہلکا کرتی رہیں اور جب دل قدرے ٹھہرنے لگا تو آنسو صاف کرتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھیں۔

سبحان صاحب نے بھی بنا کچھ کہے پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھایا جو انہوں نے خاموشی سے تھام لیا۔

"اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے دھیرے سے سوال کیا تو سبحان گردیزی سیدھے ہو بیٹھے۔

"دیکھو منیرہ! ہم نے اپنی پوری کوشش کر کے دیکھ لی کہ اس معاملے کو کسی عزت دار طریقے سے نپٹا سکیں۔ یہاں تک کہ تعلقے کی بات پر ہم اپنے باپ کے فیصلے کے خلاف تک چلے گئے۔ مگر نصر اپنے سالوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ اور اس کے سالوں کے جو رنگ ڈھنگ آج ہم نے دیکھے ہیں اس کے بعد ان سے کسی اچھائی کی امید رکھنا بالکل فضول ہے۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا، وہ انتہائی نیچ اور گرے ہوئے لوگ ہیں۔ مگر ہمیں بھی اپنے دشمنوں سے نپٹنا آتا ہے۔ اس لیے بھائی جان اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ان کے ساتھ کسی قسم کی کو[illegible] رعایت نہیں برتنی۔ ہماری کوشش ہوگی کہ نہ صرف ان سے اپنی زمینیں واپس لی جائیں بلکہ انہیں ٹھیک ٹھاک [illegible] دوبارہ کسی کو بلیک میل نہ کر سکیں۔ میں یہ بات تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ کل کو سزا بھی دلوائی جائے [illegible]

جب نصر جیل جائے تو تمہیں کسی قسم کا [illegible] نہ ہو۔"

''ٹھیک ہے، جیسی کرنی ویسی بھرنی۔'' وہ ملول سا مسکرائیں۔
''میری کوشش ہوگی کہ ایک آدھ دن میں، میں اور تم عباس چچا کے پاس گاؤں جائیں۔ میں ان سے سارا معاملہ کھل کر ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں تسلی دینا چاہتا ہوں کہ چاہے نصر کتنا ہی کیوں نہ گر جائے میں اس کی کسی بھی گھٹیا حرکت کا اثر اپنی ازدواجی زندگی پر کبھی نہیں پڑنے دوں گا۔'' ان کی بات پر منیرہ کے مایوس چہرے پر زندگی کی رمق اتر آئی۔
''یہ تو بہت اچھی بات ہوگی۔ آپ کس دن کا پروگرام سوچ ہوئے ہیں؟'' ان کے لہجے میں ایک معصومانہ سی خوشی اور بے قراری تھی۔ سبحان صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
''یہی کوئی دو، تین دن تک۔ لیکن اب کی بار میں آقا جان کو بتا کر جاؤں گا۔''
''اور اگر انہوں نے منع کر دیا تو؟'' منیرہ نے گھبرا کر استفسار کیا۔
سبحان گردیزی کو ان کا چہرہ کسی کھلی کتاب کی طرح لگا۔ جس پر نمودار ہونے والا ہر تاثر ان کی شفاف شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے بے خودی کی سی کیفیت میں ہاتھ بڑھا کر انہیں اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔ یوں جیسے زمانے کے ہر سرد و گرم سے بچا لینا چاہتے ہوں۔
''نہیں۔ اب کی بار انہیں ماننا پڑے گا کیونکہ یہ نہ صرف میری ذاتی زندگی بلکہ میری ذات سے جڑے اہم رشتوں کا بھی سوال ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولے۔
منیرہ نے اک گہری سانس لیتے ہوئے ان کے سینے پر سر رکھ دیا اور اطمینان سے پلکیں موند لیں۔
''آپ بہت اچھے ہیں سبحان! بہت اچھے۔'' ان کے سادہ سے اظہار محبت پر سبحان صاحب کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اگلے ہی پل انہوں نے اپنے لب ان کے نرم، ریشمی بالوں پر رکھ دیے۔

☆☆☆

بچوں کے اسکول چلے جانے کے بعد سارے ماحول پر اک بوجھل سی خاموشی نے اپنا تسلط جما لیا تھا۔ خلیل غوری اس خاموشی کے بوجھ تلے گم صم سے اپنے کمرے میں رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھے تھے۔ لامتناہی سوچوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جس نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ ایسے میں اپنی صبح کی جذباتیت پر طیبہ کو ڈھیروں ندامت نے آن گھیرا تھا۔ وہ بے دلی سے گھر کے کام نپٹاتے ہوئے ان کے کمرے کے کتنے ہی چکر لگا چکی تھیں مگر خود میں اندر جانے کی ہمت نہ پا کر وہ ہر بار باہر سے ہی لوٹ آئی تھیں۔
ان کی یہ بے چینی میمونہ کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی مگر وہ خود بھی اتنی پژمردہ حال تھیں کہ چاہ کر بھی انہیں کچھ کہہ نہ پائی تھیں۔ بس شکستہ نظروں اور ٹھنڈی آہوں کے درمیان کسی ہارے ہوئے تماشائی کی طرح اس سارے منظر کا حصہ تھیں۔
ایسے میں جب طیبہ کی برداشت بالکل ہی جواب دے گئی تو وہ ساری جھجک بالائے طاق رکھتے ہوئے بھائی کے کمرے میں چلی آئیں۔ ان کی آمد پر خلیل غوری نے ایک لمحے کو سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی پل بے نیازی سے اپنا سر واپس کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ ان کی اس خاموشی پہ طیبہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ خلیل صاحب ان سے ناراض تھے۔ کیونکہ وہ ناراضی میں خاموشی اختیار کر لیتے تھے جو کہ طیبہ کو ہمیشہ ہی جان لیوا لگا کرتی تھی۔
وہ کسی نادم بچے کی طرح لب کچلتے ہوئے ان کی طرف بڑھیں اور بنا کچھ کہے ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کی گود میں سر رکھ دیا۔
''آپ کچھ کہیں گے نہیں بھائی؟'' چند بوجھل لمحوں کے توقف کے بعد ان کی بھرائی ہوئی آواز کمرے کی

ساکن فضا میں ابھری تو خلیل صاحب کے اندر سے اک تھکی ہوئی سانس ٹوٹ کر اس ساکت ماحول کا حصہ بن گئی۔
''کیا کہوں؟ تم نے تو میرے کہنے کو الفاظ ہی نہیں چھوڑے۔'' وہ شکستگی سے بولے۔
ان کے لہجے کی تھکن طیبہ کا دل کاٹ کر رکھ گئی۔ انہوں نے بے چینی سے سر اٹھایا اور آنسوؤں بھری نگاہوں سے اپنے جان سے پیارے بھائی کا چہرہ تکنے لگیں۔
''ایسے مت کہیں۔ آپ مجھے ڈانٹ لیں، مار لیں لیکن ایسے مت کہیں۔'' ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے وہ التجائیہ انداز میں بولیں۔
خلیل غوری اک گہری سانس لیتے سیدھے ہو بیٹھے۔
''بات ڈانٹنے یا مارنے کی نہیں ہے بیا۔ بات سمجھنے کی ہے۔ حقیقت کو تسلیم کرنے کی ہے۔ اور مجھے بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔''
''تو کیا اس حقیقت کو قبول کرنا اتنا آسان ہے بھائی!'' ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ساتھ شکایت بھی در آئی۔ ''ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب یہ روح فرسا حقیقت ہم پر آشکار ہوئی ہے اور آج آپ چاہ رہے ہیں کہ ہم سب بالکل نارمل ہو جائیں۔ اپنی زندگیوں میں پہلے کی طرح مگن ہو جائیں۔ ایسا کیسے ممکن ہے بھائی؟''
''یہ تم مجھے بتا رہی ہو...... مجھے؟''
آنکھوں میں بے تحاشا درد اور لبوں پر زخم خوردہ مسکراہٹ لیے انہوں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں استفسار کیا تو طیبہ مارے بے بسی کے کچھ کہنے کے قابل نہ رہیں۔
''تم شاید بھول رہی ہو بیا کہ یہ روح فرسا حقیقت جسے تم سب کے لیے محض قبول کرنا آسان نہیں۔ اسے میں اپنی ذات پر جھیلنے کے لیے مجبور کر دیا گیا ہوں۔ میں اس لمحے، اس پل کتنی ہمت کتنے حوصلے سے اپنے پیروں پر کھڑا ہوں یہ میں جانتا ہوں یا میرا رب! مجھے ایک صرف اپنی جان کا غم نہیں، مجھے دسیوں روگ اور لگ گئے ہیں۔ تمہاری فکر، میمونہ کی فکر، بچوں کا غم۔ میں کس کو سوچوں اور کس کو نظر انداز کروں میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایسے میں مجھے تمہیں اور میمونہ کو بھی سنبھالنا پڑ جائے تو سوچو میرے اعصاب کا کیا حال ہو گا؟ میں کہاں جاؤں گا؟ کس کی طرف دیکھوں گا؟ کبھی سوچا ہے؟'' ان کا گلا بولتے بولتے رندھ گیا۔
طیبہ کو لگا جیسے ان کا دل چھلنی ہو گیا ہو۔ مارے بار کے ان کا سر جھک گیا۔ وہ یہ کیسے بھول گئی تھیں کہ زندگی کے اس تلخ ترین اور اعصاب شکن موڑ پر اگر ان کے بھائی کو کسی چیز کی ضرورت تھی تو وہ تھا ان کا ساتھ، ان کا حوصلہ اور ان کے اعصاب کی مضبوطی۔ پھر بھلا اس نازک وقت میں وہ کیسے اتنی خود غرضی کا مظاہرہ کر گئی تھیں؟ کیسے بھول گئی تھیں کہ اب کی بار طیبہ کو اپنے بھائی کی نہیں بلکہ طیبہ کے بھائی کو طیبہ کی ضرورت تھی۔ اس بھائی حس نے انہیں کبھی تنہا نہ چھوڑا تھا۔ ماں باپ سے بڑھ کر پیار کیا تھا۔ سو اب یہ ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ کسی مضبوط چٹان کی طرح کھڑی ہو جاتیں۔ انہیں ہر لمحہ اپنے ساتھ کا یقین دلاتیں پھر چاہے انہیں اپنے ا کیوں نہ پینے پڑ جاتے، انہیں اب کسی طور کمزور نہیں پڑنا تھا۔
اللہ نہ کرے جو آپ کسی کی طرف دیکھیں۔ میں ہوں ناں، بھابھی ہیں ناں۔ ہم...... ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم کبھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ کبھی اکیلا نہ پڑنے دیں گے۔'' زار و قطار روتے وہ دیوانہ وار ان کا ہاتھ چومتے ہوئے بولیں۔
خلیل صاحب کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو ٹوٹ کر ان کے گریبان میں جا سمائے۔

"میں آپ کی کمزوری نہیں آپ کی طاقت بنوں گی۔ آپ کا بھائی، آپ کا بیٹا بنوں گی۔ آپ کو اب مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی، کبھی نہیں۔" ان کا ہاتھ اپنی برستی آنکھوں پر رکھے وہ سسکتے ہوئے بولیں تو خلیل غوری کا دوسرا ہاتھ ان کے سر پر آٹھہرا۔

تبھی دروازے پر کھٹکے کی آواز پہ خلیل صاحب نے نگاہیں اٹھائیں اور دہلیز پر روتی ہوئی مونا کو کھڑا دیکھ کر وہ اک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ یقیناً وہ ان دونوں کی ساری باتیں سن چکی تھیں۔

شوہر کی نظریں خود پہ مرکوز پا کر میمونہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے ان کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

"آپ بالکل فکر مت کریں۔ اللہ نے چاہا تو آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہم اس شہر کے بہترین ڈاکٹر سے آپ کا علاج کروائیں گے۔ مجھے اپنے اللہ پر پورا بھروسا ہے وہ آپ جیسے نیک دل اور اچھے انسان کو کبھی کچھ نہ ہونے دے گا۔"

ان کے شانے پر ہاتھ رکھے انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تو ان پچیس، چھبیس گھنٹوں میں پہلی بار خلیل غوری کو اپنا آپ ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔

☆☆☆

اگلی صبح گردیزی ہاؤس میں معمول کی مصروفیت اور چہل پہل لے کر آئی تھی۔ آقا جان کا رویہ دونوں بیٹوں کے ساتھ مکمل طور پر نارمل تھا یوں جیسے کبھی کوئی تناؤ بھری بات ان کے درمیان ہوئی ہی نہ ہو۔ زینب کا مزاج بھی رات کے برعکس خاصا پر سکون اور ٹھہرا ہوا تھا۔ انہیں اپنے معمول کے رنگ ڈھنگ میں دیکھ کر حاتم صاحب بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ وگرنہ انہیں رات سے ہی یہ فکر لاحق تھی کہ کہیں زینب، سبحان یا منیرہ سے کوئی تلخ بات نہ کہہ دیں۔

سب کچھ روٹین کے مطابق ہوتا دیکھ کر سبھی کے مزاج پر اچھا اثر پڑا تھا اور غیر ارادی طور پر سب کا موڈ خوش گوار ہو گیا تھا۔ ایسے میں جب وہ دونوں بھائی آفس پہنچے تو سبحان گردیزی کے چہرے پر در آنے والی سنجیدگی نے حاتم صاحب کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا بات ہے؟ یہ تم اچانک سے اتنے خاموش کیوں ہو گئے ہو؟" ان کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے انہوں نے فکرمندی سے سوال کیا۔

سبحان صاحب اپنے بھائی کے خلوص و محبت کے قائل ہو گئے۔

"آپ میرا چہرہ پڑھنے سے باز نہیں آئیں گے ناں؟" بے اختیار اک مان بھری مسکراہٹ ان کے لبوں کا احاطہ کر گئی تو حاتم صاحب قصداً لہجے کو سپاٹ بناتے ہوئے بولے۔

"نہیں۔ اب بتاؤ دماغ میں کون سی کھچڑی پک رہی ہے؟" وہ سید ھا مدعا پر آئے تو سبحان گردیزی اک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

"میں آپ سے معذرت کرنا چاہ رہا تھا مگر سب کے سامنے اس موضوع کو اس لیے نہیں چھیڑا کہ صبح صبح کہیں گھر کا ماحول نہ خراب ہو جائے۔"

"کس بات کی معذرت؟" حاتم صاحب نے الجھ کر ان کی جانب دیکھا۔

"کل جو کچھ بھی ہوا میری وجہ سے ہوا۔ نہ میں آپ کو نصر سے خفیہ طور پہ ملنے کے لیے اصرار کرتا اور نہ آقا جان ہم دونوں سے اس درجہ ناراض ہوتے۔ کل محض میری وجہ سے آپ بھی آقا جان کے اعتاب کا نشانہ بنے اور اس کے لیے میں بے حد شرمندہ ہوں بھائی جان۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔" وہ بنا کسی پس وپیش کے سچے دل سے گویا ہوئے۔

حاتم صاحب مسکرا دیے۔ بے اختیار ہی انہیں زینب کی رات والی بدگمانی یاد آئی تو دل نئے سرے سے متاسف ہو گیا۔ کاش کہ اس پل زینب ان کے آس پاس ہوتیں تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتیں کہ سبحان گردیزی کتنی کھری یا کھوٹی نیت کے مالک تھے۔

"پہلی بات......" وہ سر جھٹکتے سیدھے ہو بیٹھے۔ "میں کوئی بچہ نہیں جو تمہارے کہنے پر بنا سوچے سمجھے تمہاری بات پر عمل کرنے کھڑا ہو جاؤں گا۔ اس دن تمہاری بات میں مجھے وزن محسوس ہوا تھا اسی لیے میں نے تمہاری رائے کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔ ہم دونوں نے جو بھی کیا سوچ سمجھ کر باہمی مشورے سے کیا، اس لیے خود کو قصوروار سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری بات...... بکواس بند کرو اور دوبارہ ایسی فضول گوئی سے پرہیز کرنا۔ مجھے ایسی غیروں والی باتیں شدید ناپسند ہیں۔ سمجھے۔" ٹیبل پر جھکتے ہوئے انہوں نے انہیں گھور کر دیکھا تو سبحان صاحب مسکرا دیے۔

"سمجھ گیا۔"

"کیا؟" وہ خاصے موڈ میں تھے۔

"یہی کہ میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں اور مجھے چھوٹا ہی رہنا چاہیے۔ آپ کا بڑا نہیں بننا چاہیے۔"

"ویری گڈ! اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ، مجھے آج بہت سا کام ہے۔" کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے جانے کا اشارہ کیا۔

سبحان گردیزی ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ جانے کے لیے قدم بڑھاتے ٹیبل کے ایک طرف رکھا فون بج اٹھا۔ حاتم صاحب نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا تو سبحان صاحب بھی ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"ہیلو!" اور جواب میں دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا تھا جو حاتم صاحب کا قہقہہ بے اختیار گونج اٹھا تھا۔ سبحان گردیزی بھی چونک گئے تھے۔

"ارے یار...... او میرے باپ سن تو سہی۔" ہنستے ہوئے انہوں نے بے بس نظروں سے سامنے کھڑے بھائی کو دیکھا۔

سبحان صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے کال کرنے والی ہستی کے بارے میں استفسار کیا۔

"بخت ہے۔ اتنی گالیاں بک رہا ہے ناں کہ مت پوچھو۔" انہوں نے با آواز بلند دہائی دی تو سبحان صاحب بھی ہنستے ہوئے واپس بیٹھ گئے۔

حاتم گردیزی کی ایسی درگت بنانا بھی صرف بخت چوہدری کا کمال تھا۔ وگرنہ ان کے سامنے تو اچھے اچھے بات کرنے سے پہلے دو بار سوچتے تھے۔ سبحان صاحب بھی صورتحال سے حظ اٹھاتے اپنے بھائی جان کو دیکھنے لگے جو اپنے روٹھے ہوئے دوست کو صفائیاں دینے کی بڑی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

"او یار! معاف کر دے ناں۔ کہہ تو رہا ہوں کہ اگلی بار کھانا ضرور کھاؤں گا۔ بلکہ ایک دو دن تیری طرف رکوں گا بھی۔" انہوں نے منانے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر دوسری طرف سے یقیناً کوئی کرارا جواب آیا تھا جب ہی ایک بار پھر ان کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

"کتنا کمینہ ہے ناں تو...... مگر ذرا مجھے نکال کر تو دیکھ۔ میں بھی تیری حویلی کے باہر خیمہ لگا لوں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے تو سبحان صاحب بھی ہنس پڑے۔

"حد ہے یار! آپ لوگ بھی نجانے کب بڑے ہوں گے۔"

حاتم گردیزی نے مسکراتے ہوئے ان کی بات دوسری جانب منتقل کر دی۔

''سن لے، سبحان کیا کہہ رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ آپ لوگ بھی نجانے کب بڑے ہوں گے۔'' اور اگلے ہی لمحے حاتم صاحب کی ہنسی بڑی بے ساختہ تھی۔ پھر سبحان سے مخاطب ہوئے۔ ''تم بھی سن لو، بخت کہہ رہا ہے کبھی نہیں۔''

سبحان صاحب بھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''اچھا اب تھوڑا سا انسان بن جا۔ مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بتا ہمارے جانے کے بعد پیچھے کیا حالات تھے؟'' اور جواب کے لیے خاموشی سے دوسری طرف کی بات سننے لگے تو سبحان صاحب بھی پوری طرح متوجہ ہو گئے۔

''ہونہہ! مجھے پتا تھا ان کے ہاتھ پاؤں پھولنے ہی تھے۔'' استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے سبحان گردیزی کی طرف دیکھا تو ان کے لبوں پر بڑی بھرپور مسکراہٹ در آئی۔

''تو کہا تھا ناں کہ ملک صاحب اتنی پھنے خانی دکھائی تھی جتنی آپ کے حالات اجازت دیتے ہیں۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولے تو سبحان صاحب دھیرے سے ہنس پڑے۔ جبکہ حاتم صاحب بغور اپنے دوست کی بات سننے لگے۔

''کبھی نہیں۔'' وہ یک لخت دوٹوک انداز میں بولے۔ ''ان سے کہہ دینا کہ اب وہ دوبارہ کبھی ملاقات کے بارے میں سوچیں بھی نہیں۔ انہوں نے اپنی جو اوقات ہمیں دکھانی تھی، دکھا چکے۔ ہم جان چکے ہیں کہ وہ کتنے گرے ہوئے لوگ ہیں۔ اور ایسے گرے ہوئے لوگوں سے شاہ مخدوم گردیزی کی اولاد ملنا تو دور، کلام تک کرنا اپنی توہین سمجھتی ہے۔'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔

سبحان صاحب کے چہرے پر بھی سنجیدگی اتر آئی۔

چند لمحے مزید اسی موضوع پر گفتگو کے بعد کال بند ہوئی تو حاتم صاحب نے ریسیور واپس رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''کمینے، بے ایمان...... بخت سے آج صبح فون کر کے کہا ہے کہ کل خواہ مخواہ ہی بات غلط رخ اختیار کر گئی ورنہ ہمارے کہنے کا مقصد وہ نہیں تھا جو ہم لوگوں نے سمجھا تھا۔ اس لیے کیوں نہ ایک بار پھر ملاقات کی جائے اور اس سارے مسئلے پر نئے سرے سے بات کی جائے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ ان کے باپ کے نوکر ہیں ناں ہم۔'' سبحان گردیزی نے غصے سے سر جھٹکا۔ ''میں ابھی جا کر پیرزادہ سے بات کر کے تفصیلی ملاقات کا وقت لیتا ہوں۔ اسے اس کیس پر کام کرنے کا جتنا وقت ملے گا اتنا ہی ہمارے لیے بہتر ہوگا۔''

''ہوں...... ٹھیک ہے۔'' انہوں نے پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا تو سبحان صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اچانک ایک خیال آنے پر حاتم صاحب نے بھائی کی طرف دیکھا۔ ''تم نے ہاسپٹل کے ایم۔ڈی سے بات کی تھی؟''

''اونو۔ مجھے بالکل بھی یاد نہیں رہا کہ آپ نے فون کر کے میٹنگ طے کرنے کے لیے کہا تھا۔'' ان کے انداز میں معذرت تھی۔

''کوئی بات نہیں، مگر آج یہ کام کر لینا۔'' حاتم صاحب کی تاکید پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ابھی کرتا ہوں۔ بعد میں پیرزادہ کو فون کروں گا۔'' وہ قدم بڑھاتے ہوئے بولے۔ حاتم صاحب نے مطمئن انداز میں سامنے رکھی فائل کھول لی۔

☆☆☆

آنے والے دنوں میں طیبہ اور میمونہ نے اپنے حوصلوں کی ایک نئی داستان رقم کی تھی۔ جو آزمائش ان پر آ پڑی تھی اس پر رونے کے بجائے وہ پوری ہمت اور حوصلے سے اس کے سدِ باب کے لیے خلیل غوری کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ خلیل صاحب کے منع کرنے پر فی الحال ان کی بیماری کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا گیا تھا حتیٰ کہ میمونہ نے اپنے میکے میں بھی اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات نہ کی تھی۔ آفس میں بھی خلیل صاحب نے بس خاموشی سے اپنی پینڈنگ میں پڑی چھٹیاں سینکشن کروالی تھیں۔ اس نئے مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لیے انہیں اور ان کے گھر والوں کو تنہائی اور یکسوئی درکار تھی اور وہ انہیں اسی طرح مل سکتی تھی۔

ابھی بھی میمونہ ان کی تھراپی کروا کر اسپتال سے لوٹی تھیں۔ ڈاکٹر رضوی کے بتائے گئے اسپیشلسٹ سے رابطہ کرنے کے بعد خلیل صاحب کا علاج بڑی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اس ساری صورت حال میں خوش آئند بات یہ تھی کہ ڈاکٹر اصغر ان کی کنڈیشن کو لے کر خاصے پرامید تھے اور ان کی اس امید نے جیسے ان سب کے اندر ایک نئی جان ڈال دی تھی۔ اب گھر میں ہنسی مذاق بھی ہونے لگا تھا اور دنیاداری کی باتیں بھی۔ اس ایک امید کی کرن نے گویا زندگی میں پھیلتے اندھیرے کو سمیٹ کر ان سب کو اس لڑائی کے لیے ایک نئی قوت عطا کر دی تھی۔

سچ ہے انسان اور امید کا یہ تعلق بڑا ہی عجیب ہے۔ آس کا ایک ننھا سا دیا نامساعد حالات میں آپ کے لیے لاشعوری طور پہ کتنا بڑا سہارا بن جاتا ہے، آپ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے بھی کسی بھی حال میں امید کا دامن چھوڑنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ناامیدی اندھیروں کو بڑھاتی ہے اور اندھیرے مایوسی اور کفر کو۔

''بھائی سو گئے کیا؟'' طیبہ نے کچن میں داخل ہوتیں بھابھی کو دیکھا۔

''ہاں۔'' میمونہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ تھکاوٹ ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ طیبہ نے بنا کچھ کہے چائے کا گرم کپ اور سموسے ان کے سامنے رکھے تو ان کے لبوں پر اک تشکرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جیتی رہو، خوش رہو۔'' وہ دل کی گہرائیوں سے بولیں تو طیبہ مسکرادیں۔

''آمین۔ اللہ میرے بھائی کو زندگی، صحت اور سلامتی دے، میں خوش ہی خوش ہوں۔''

''خدا تمہارا منہ مبارک کرے۔'' ان کی مسکراہٹ لحظہ بھر کو پھیکی پڑی تو طیبہ چونک سی گئیں۔

''کیا بات ہے بھابھی! آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں مجھے؟'' ان کے سوال پر میمونہ نے اک بوجھل سانس لی۔

''پریشان نہیں ہوں۔ لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے گھبرانے لگی ہوں۔'' کپ سے اٹھتی بھاپ پر نگاہیں جمائے وہ دھیرے سے بولیں تو طیبہ نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ خلیل کا علاج اتنا مہنگا ہوگا مجھے اندازہ نہ تھا۔ ابھی تو محض آغاز ہے اور پیسہ یوں بہہ رہا ہے جیسے پانی۔ چار پانچ ماہ مزید ایسے گزرے تو ساری پس انداز کی ہوئی رقم ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہم کیا کریں گے میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' ان کے پرخلوص چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ پریشانی سے بولیں تو طیبہ دھیرے سے مسکرادیں۔

''بس اتنی سی بات تھی؟ آپ یہ کیوں بھول گئیں بھابھی، کہ جو کچھ میرا ہے وہ بھی تو آپ سب کا ہے۔''

''کبھی نہیں۔ وہ حیا کی امانت ہے۔'' انہوں نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ حیا کی نہیں اس گھر کی امانت ہے۔ جب آپ دونوں نے حیا کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ اس کی ماں کو اس پر بھی ایک روپیہ خرچ نہیں کرنے دیا تو پھر آج آپ ایسی بات کر کے اسے اور مجھے خود

سے، اس گھر سے کیسے الگ کر سکتی ہیں؟''

''مگر طیبہ......'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن طیبہ نے دوٹوک انداز میں ان کی بات کاٹ دی۔

''کوئی اگر مگر نہیں۔ حیا کے نصیب میں جو ہوگا اسے مل جائے گا بھابھی۔ فی الوقت میری پہلی ترجیح میرے بھائی کی زندگی ہے۔ اس بھائی کی زندگی جنہوں نے ہنستے ہنستے اپنا تن من دھن مجھ پہ اور میری اولاد پہ لٹا دیا۔ جو میرے لیے میرے باپ کی جگہ ہیں۔ اور ایک باپ کے لیے اس کی اولاد جو بھی کرتی ہے وہ احسان نہیں بلکہ اولاد کا فرض ہوتا ہے۔ خلیل بھائی نے میرے لیے جو بھی کیا اپنے فرض سے بڑھ کر کیا ہے، اب میری باری ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے میرے اس فرض کی ادائی سے نہیں روکیں گی۔'' ان کا ہاتھ تھامے وہ کچھ اس طرح سے بولیں کہ میمونہ کے بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

''مگر تمہارے بھائی کبھی نہیں مانیں گے۔'' وہ چند لمحوں کی پس و پیش کے بعد بولیں تو لہجے میں عجیب سی شرمندگی تھی یوں جیسے ہتھیار ڈال کر وہ خود بھی نادم ہو گئی ہوں۔

طیبہ ان کی کیفیت سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ اور شکیل بھائی ان لوگوں میں سے تھے جو بہنوں اور بیٹیوں کا مان بڑھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، ان سے کچھ بھی لینا ان کے لیے کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔ جبکہ یہاں تو وہ طیبہ کو مکمل طور پہ اپنی ذمہ داری سمجھے ہوئے تھے، ایسے میں وہ ان کا کوئی بار اٹھائیں یہ بھلا انہیں کہاں منظور ہونا تھا۔

''ان سے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہم مل جل کر ایسے کام چلائیں گے کہ انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔'' وہ قصداً ہلکے پھلکے لہجے میں بولیں تو میمونہ نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

''بڑے بھائی ہیں تمہارے۔ دو دن میں ایسے پکڑیں گے ناں کہ ساری چالاکی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اور پھر شامت میری آ جائے گی۔''

''کوئی شامت نہیں آئے گی۔ ویسے بھی جب وہ اپنے کسی معاملے میں مجھے بولنے نہیں دیتے تو میں بھی انہیں ہر بات کا جواب دینے کی پابند نہیں۔'' ڈھٹائی سے کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

میمونہ انہیں گھور کر رہ گئیں۔

''میں گرم چائے لاتی ہوں، ساری چائے برباد کر دی آپ نے۔'' ان کی نظ... ...روں کی پروا کیے بنا وہ کپ اٹھائے بڑبڑاتے ہوئے چولہے کی طرف بڑھ گئیں۔

میمونہ محبتوں سے گند... ...م و نازک وجود کو دیکھتے ہوئے بے اختیار مسکرا دیں۔ بے غرض اور مہربان رشتے... ...دں کا ساتھ کیسے آپ کے لیے باعثِ رحمت اور آسانی بنتا ہے اس بات کا احساس اس پل میمونہ خلیل کو بہت شدت سے ہوا تھا۔

☆☆☆

شاہ مخدوم گردیزی کے دیرینہ اور عزیز دوست، احمد عباس، ان کے پاس آئے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے قریبی رفقاء میں سے تھے۔ ان کی دوستی آج کی نہیں بلکہ کالج کے زمانے کی تھی جب شاہ صاحب نئے نئے اپنے گاؤں سے شہر پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ ان کے دل میں شہر آ کر رہائش اختیار کرنے اور کاروبار کا خیال ڈالنے والے بھی احمد عباس ہی تھے۔ دونوں کی آپس میں گاڑی چھنتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے یہی وجہ تھی کہ دونوں کی بیگمات اور بچوں کے درمیان بھی بڑا انسیت بھرا رشتہ رہا تھا وہ اور بات تھی کہ شاہ صاحب کی بیوی کی وفات کے بعد یہ رشتہ محض ان دونوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ احمد عباس کی تینوں اولادیں رفتہ رفتہ ملک سے باہر سیٹل ہو گئی تھیں جبکہ ان کی بیگم بڑھتی عمر کے باعث اب اپنا زیادہ وقت گھر میں ہی گزارتی تھیں۔

"ابے اڑیل بڈھے! مان بھی جاؤ کہ آج تمہاری مات یقینی ہے۔"
شطرنج کی بساط بچھائے وہ دونوں کب سے ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش میں مصروف تھے، کیونکہ ہار ماننا دونوں کی ہی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ آج ان دونوں کی ایک ڈیڑھ ماہ بعد ملاقات ہوئی تھی کیونکہ احمد عباس اور ان کی بیگم اپنے بچوں کے پاس امریکا گئے ہوئے تھے اور ابھی پچھلے ہفتے ہی واپس لوٹے تھے۔
"امریکا سے چکر کیا لگا آئے ہو، تم کچھ زیادہ ہی خوش فہم نہیں ہو گئے؟" مہروں پر نگاہیں جمائے شاہ صاحب استہزائیہ انداز میں بولے تو اک پھیکی سی مسکراہٹ احمد صاحب کے لبوں کا احاطہ کر گئی۔
"کون سا امریکا اور کیسی خوش فہمی؟ وہاں جا کر تو ساری خوش فہمی ہوا ہو گئی یار۔" انہوں نے یاسیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔
شاہ صاحب نے چونک کر بساط پر سے نظریں اٹھائیں۔
"کیا مطلب؟ ایسا کیا ہو گیا وہاں؟"
"چھوڑو یار۔ اب کس دکھ کو کہوں اور کسے رہنے دوں۔" وہ ملول سا مسکرائے۔ "میں آج کوئی بھی افسردہ بات نہیں کرنا چاہتا۔ بس پرسکون ہونا چاہتا ہوں۔"
ان کی بات پہ شاہ صاحب نے گہری نظروں سے ان کا تھکا تھکا سا چہرہ دیکھا۔ وہ بھلے منہ سے کچھ بھی نہ کہتے مگر شاہ صاحب پھر بھی ان کی پریشانی کی وجہ جان گئے تھے۔ ان کے درمیان کچھ بھی تو مخفی نہ تھا۔
"نکو نے کیا جواب دیا؟" انہوں نے دھیمے لہجے میں احمد صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے کے بارے میں استفسار کیا تو وہ اک گہری سانس لے کر رہ گئے۔
"اس نے واپس آنے سے انکار کر دیا ہے۔"
"مگر کیوں؟ وہ تو اس وعدے پر گیا تھا کہ پڑھائی مکمل کر کے واپس لوٹے گا۔" وہ پیشانی پر بل لیے گویا ہوئے۔
"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے......" وہ تلخی سے مسکرائے۔ "اسے لگتا ہے کہ پاکستان میں اس کا کوئی مستقبل نہیں۔"
"بہت خوب!" شاہ مخدوم طنزیہ انداز میں ہنس دیے۔ "اور جو یہاں باپ کا کروڑوں کا بزنس نجانے کتنے نوجوانوں کا مستقبل سنوار رہا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے محترم کا؟"
"ان کے نزدیک باپ اور اس کی برسوں کی محنت جائے بھاڑ میں...... ان کی بلا سے۔" انہوں نے غصے سے سر جھٹکا۔
"آفرین ہے تم پر اور تمہاری برداشت پر......" شاہ صاحب نے خفگی سے اپنے دوست کو دیکھا۔ "مجھ جیسا باپ ہوتا ناں تو صرف ایک کا نہیں بلکہ تینوں کا ایسا ناطقہ بند کرتا کہ سر کے بل واپس دوڑے چلے آتے۔ ان خبیثوں کو عاق کرنے کی دھمکی دو، دیکھو کیسے تمہارے فرمانبردار بنتے ہیں۔" ان کی بات پر احمد صاحب دل گرفتہ سا مسکرا دیے۔
"کیا فائدہ ایسی واپسی کا جس میں ان کی رضا اور ان کی خوشی شامل نہ ہو۔ ڈنڈے کے زور پہ میں اگر انہیں بلا بھی لوں تب بھی کب تک انہیں یہاں باندھ کر رکھ سکتا ہوں۔ جس دن میری آنکھیں بند ہوں گی اسی دن سب کچھ بیچ باچ کر اپنے اپنے راستوں پر نکل کھڑے ہوں گے۔ پھر بھلا ایسی زبردستی کی فرماں برداری کا میں نے کیا کرنا ہے؟"
"غلط ہو تم۔ فرماں برداری، فرماں برداری ہوتی ہے۔ پھر چاہے اولاد خود کرے یا ماں باپ کا خوف انہیں

تابعداری پر مجبور کر دے۔" وہ انگلی اٹھائے ناراضی سے بولے۔
"تم یہ کہہ سکتے ہو کیونکہ اللہ نے حقیقتاً تمہیں بہت سلجھی ہوئی اور باادب اولاد دی ہے۔ ورنہ دل سے ماں باپ کی عزت اور تکریم کرنے والے بچوں اور اوپری جی حضوری کرنے والی اولاد میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا کہ سچ اور جھوٹ میں۔" احمد عباس رسان سے بولے تو شاہ صاحب ایک پل کو خاموش ہو گئے۔ ان کی خاموشی پہ احمد صاحب نے اک گہری سانس لی۔
"کبھی کبھی سوچتا ہوں اگر باہر بھیجنے سے پہلے ککو کے پاؤں میں کوئی خوب صورت سی بیڑی ڈال دیتا تو شاید ایک بیٹے کی واپسی کا سامان تو بن ہی جاتا۔"
"تمہارے خیال میں یہ حربہ کارگر ثابت ہوتا؟" شاہ صاحب نے استہزائیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔
"پتا نہیں۔ لیکن ایک قوی امید تو بہر کیف بن جاتی، اب تو اس کے لیے یہاں کوئی کشش نہیں۔" انہوں نے شانوں کو خفیف سی جنبش دی۔ بے بسی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔
"مجھے نہیں لگتا کہ جانے والوں کو ایسا کوئی بھی رشتہ پابند کر سکتا ہے۔" شاہ صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔
"ہو سکتا ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن پیش بندی کے طور پہ ایسا کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اب دیکھو ناں حاتم اور سبحان نے اپنی خوشی سے تمہارے کاروبار کو سنبھالا دیا، اسے آگے بڑھایا لیکن اب جرار اور ہادی اپنے باپ اور چچا کے نقشِ قدم پر چلیں یہ ضروری تو نہیں۔ کل کو ہو سکتا ہے وہ اس کاروبار سے بندھنا پسند نہ کریں۔ یا پھر وہ بھی آزاد فضاؤں کے مسافر بننا چاہیں۔ ایسے میں کوئی ان کا کیا بگاڑ لے گا؟ لیکن اگر یہاں ان کے لیے کوئی جذباتی وابستگی بھی ہو گی تو شاید ان کے لیے اپنوں سے دامن چھڑانا اتنا آسان نہیں ہو گا۔" انہوں نے شاہ صاحب کو ان کے گھر کی مثال دے کر اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنا چاہا تو شاہ مخدوم ایک لمحے کو ساکت ہو گئے۔
"حیرت ہے، میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں کہ میرے پوتے اپنے باپ دادا کے کاروبار میں دلچسپی نہیں لیں گے یا ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہیں گے۔" ان کی بات پر احمد صاحب مسکرا دیے۔
"ایسا اس لیے ہے کہ تمہارے بیٹوں نے کبھی تمہیں شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔ انہوں نے زندگی کے ہر معاملے میں صرف تمہاری سنی اور تمہاری مانی۔ تم ان کی فرماں برداری کے اتنے عادی ہو چکے ہو کہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات کہیں نہیں آئی کہ جرار اور ہادی بھی کبھی من مانی پر اتر سکتے ہیں۔"
"ہادی کی حد تک تو میں من مانی کی اجازت دے سکتا ہوں۔ لیکن جرار میری نظروں سے دور ہو یہ مجھے کبھی گوارہ نہ ہو گا۔" وہ قطعی لہجے میں بولے۔ احمد صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تو بس ٹھیک ہے۔ یہ بات گرہ میں باندھ لو اور جیسے ہی جرار بڑا ہو اس کا رشتہ طے کر دو۔"
"ہوں......" انہوں نے بے دھیانی میں ہنکارا ابھرا۔ ان کا ذہن بڑی تیزی سے کچھ نئے تانے بانے بن رہا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو؟" انہوں نے بغور شاہ صاحب کو دیکھا۔
"یہی کہ نیک کام میں دیر کیسی؟ ضروری تو نہیں کہ اس کے بڑے ہونے کا انتظار کیا جائے۔"
"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
"مطلب یہ کہ رشتہ جتنا پرانا ہو گا اس کی جڑیں بھی اتنی ہی مضبوط ہوں گی۔" ان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مبہم سا مسکرائے تو احمد عباس اپنے دوست کی بات سمجھ کر لحظہ بھر کو خاموش ہو گئے۔
"حاتم اور زینب مان جائیں گے؟"
"ان کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جرار میرا پوتا ہے اور اس کے لیے میں جو بہتر سمجھوں گا

وہی فیصلہ کروں گا۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے اپنے ازلی بے نیاز اور قطعی لہجے میں بولے۔
احمد صاحب انہیں دیکھ کر رہ گئے۔ آج کے دور میں اپنی اولاد کے لیے ایسا حاکمیت بھرا فیصلہ لینے کا اختیار بھی شاہ مخدوم گردیزی ہی رکھ سکتے تھے۔

☆☆☆

"زینب جلدی کرو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اگلی صبح ناشتے سے فراغت کے بعد حاتم صاحب آفس جانے کے لیے تیار کھڑے تھے جب اپنے سوٹ کے ساتھ کی مطلوبہ ٹائی الماری میں نہ پا کر انہوں نے شور مچا دیا تھا۔
"لا رہی ہوں بابا۔" وہ بھاگم بھاگ، ٹائی حارث صاحب کے کمرے سے برآمد کر کے واپس آئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں تھمی ٹائی پر نگاہ پڑتے ہی حاتم صاحب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
"یہ میری ٹائی باہر کیا کر رہی تھی؟"
"اپنے لاڈلے سے پوچھیں۔ آج کل اسے پاپا بننے کا شوق چرایا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے ٹائی انہیں تھمائی تو حاتم گردیزی کے چہرے کی خفگی نرم سے تاثر میں بدل گئی۔
"میں تو سمجھا تھا کہ اسے جب بھی شوق چرائے گا آقا جان بننے کا ہی چرائے گا۔" آئینے میں ٹائی باندھتے ہوئے وہ مسکرا کر بولے تو زینب نے بے بسی سے سر ہلایا۔
"آقا جان اس کا شوق نہیں اس کی فطرت میں شامل ہیں۔ ان کا پرتو ہے وہ۔ رہی سہی کسر ان کی قربت اور پیار نے پوری کر دی ہے۔ میں آپ کو ابھی سے بتا رہی ہوں، وہ دن بہ دن دوسرا آقا جان بنتا جا رہا ہے۔"
ان کی بات پر حاتم صاحب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اپنے دھیان میں وہ بیوی کے لہجے میں چھپی پریشانی کو محسوس ہی نہ کر سکے۔
"پھر تو اللہ میرے حال پر رحم کرے۔" ہلکے پھلکے انداز میں کہتے وہ تیزی سے پلٹ کر ہینگر میں لٹکا کوٹ اتار کر پہننے لگے تو ان کا لاپروا انداز پر زینب اک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔
"یہ آج آپ کو اتنی جلدی کس بات کی ہے؟"
"آج ہماری، اپنے نئے پروجیکٹ کے سلسلے میں اسپتال انتظامیہ کے ساتھ فائنل میٹنگ ہے۔ بس اسی لیے میں اور سبحان ذرا جلدی نکل رہے ہیں۔" انہوں نے بیڈ پر کھلے بریف کیس پر ایک آخری نظر ڈالی اور مطمئن ہو کر اسے بند کر دیا۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اور سبحان صاحب اندر داخل ہوئے۔
"چلیں بھائی جان؟"
"ہاں چلو۔" وہ بریف کیس اٹھائے جانے کے لیے پلٹے۔ "اچھا زینی دعا کرنا۔" ان کی بات پر زینب سر جھٹکتے ہوئے پوری طرح ان کی جانب متوجہ ہو گئیں۔
"خیر سے جائیں اور خیر سے واپس آئیں۔ اللہ پاک آپ لوگوں کو کامیابی سے نوازے۔"
"آمین۔" دونوں بھائی زیرِ لب کہتے باہر کی طرف بڑھ گئے تو زینب اک گہری سانس لیتے ہوئے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگیں۔
اسپتال کے ایم ڈی کے ساتھ تفصیلی میٹنگ اور کنسٹرکشن سائٹ کا مکمل جائزہ لینے کے بعد انتظامیہ کی جانب سے ان کے لیے ایک پُرتکلف چائے کا انتظام کیا گیا تھا جس سے فراغت کے بعد جب وہ اپنے اسٹاف ممبرز کے ساتھ باہر نکلے تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔
"سر! اگر زحمت نہ ہو تو آپ کو کاظمی صاحب چند لمحوں کے لیے اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" ایم ڈی صاحب کا چپراسی حاتم صاحب کے پاس آ کر مؤدبانہ انداز میں بولا تو انہوں نے بھائی کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ آفس کے لیے نکلو میں ان سے مل کر آتا ہوں۔" ان کی بات پر سبحان گردیزی اثبات میں سر ہلاتے باہر کی جانب بڑھ گئے تو وہ تیز قدموں سے ایم ڈی کے آفس کی طرف چل پڑے۔

کاظمی صاحب سے چند ایک نکات پر مزید بات چیت کے بعد وہ جس وقت ان کے آفس سے نکلے گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ لوگوں سے بھری راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے وہ اپنے دھیان میں تھے جب بائیں طرف موجود کمروں میں سے ایک کا دروازہ کھول کر کوئی شخص عجلت میں ان سے آ ٹکرایا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ سو سوری۔" اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتے ٹکرانے والے نے خود ہی شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے نرمی سے ان کے بازو کو چھوا تھا۔ نتیجتاً ان پر طاری ہونے والی بدمزگی کا اثر اپنے آپ زائل ہو گیا تھا۔

"اٹس آل رائٹ۔" دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے جونہی چہرہ موڑ کر مقابل کی طرف دیکھا انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"خلیل...... خلیل غوری۔" ان کی پکار پر خلیل صاحب نے بھی چونک کر نگاہیں اٹھائیں اور اپنے سامنے اپنے بہت پرانے اور بہت عزیز دوست کو دیکھ کر انہیں ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

"حاتم تو...... او میرے خدا......" اگلے ہی لمحے وہ دونوں اس بھرپور طریقے سے بغل گیر ہوئے تھے کہ کتنے ہی لوگوں کو ایک پل کے لیے رک کر اپنا راستہ بدلنا پڑا تھا۔

"مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔ کیا خوب صورت اتفاق ہے۔" حاتم گردیزی ان کا ہاتھ تھامے ایک طرف کو ہوئے تو خلیل صاحب مسکرا دیے۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا کہ اتنے سالوں بعد تو یوں اچانک میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔ جی چاہ رہا ہے خود کو چٹکی کاٹ کر دیکھوں کہ کہیں یہ میرا وہم تو نہیں۔" ان کی بات پر حاتم صاحب بے اختیار ہنس پڑے۔ خلیل صاحب نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"یہ بتا کیسا ہے تو؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟" انہوں نے محبت سے استفسار کیا۔

"اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔ تو اپنی سنا؟ یہاں ہاسپٹل میں کیا کر رہا ہے؟" ان کے سوال پر خلیل صاحب کی مسکراہٹ لحظہ بھر کو پھیکی پڑی لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے سرعت سے خود کو سنبھال لیا۔

"بس یار! میری تھوڑی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے ڈاکٹر کے پاس آیا تھا۔"
"خیر ہے؟ کیا ہوا؟" حاتم صاحب کے مسکراتے لب تیزی سے سکڑے۔
"لمبی تفصیل ہے۔ آرام سے بیٹھیں گے تو بات کریں گے۔ تو سنا شادی وادی ہوئی یا نہیں؟" انہوں نے قصداً بات بدلی تو حاتم صاحب مسکرا دیے۔
"شادی بھی ہو گئی اور تین بچے بھی......"
"بھائی......" اچانک ان کی پشت پر سے ایک آواز آئی تو حاتم صاحب کی بات ان کے منہ میں ہی رہ گئی۔ جبکہ ان کے مقابل کھڑے خلیل غوری کی مسکراہٹ بڑی گہری ہو گئی۔

"ارے بیٹا!" اگلے ہی لمحے وہ ان کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے بہن کی طرف بڑھے تو حاتم گردیزی نے بے اختیار اپنی اتھل پتھل ہوتی سانس کو سنبھالتے ہوئے ایک پل کو اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔
"یہاں آؤ۔ تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔" ان کی آواز کی کھنک اور چہرے پر چمکتی خوشی نے طیبہ کو چونکا دیا۔ انہوں نے الجھ کر اپنے سامنے کھڑے دراز قامت شخص کی پشت کو دیکھا جس کے چوڑے شانے نیوی بلو سوٹنگ میں کچھ اور بھی چوڑے لگ رہے تھے۔
"کون ہے بھائی؟" ان کے انداز میں جھجک در آئی۔ مگر جب خلیل صاحب بنا کوئی جواب دیے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کی جانب چل پڑے تو وہ بھی مزید کچھ کہے ان کے ساتھ ہو لیں۔
"پتا نہیں کون ہے جسے دیکھ کر بھائی اتنا خوش......" جونہی وہ گھوم کر اس اجنبی کے مقابل آئیں ان کی سوچ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ پر اس طرح سے ساکت ہوئیں کہ پلکیں تک جھپکنا بھول گئیں۔
اپنے سامنے خاموشی پا کر حاتم صاحب نے دھیرے سے نگاہیں اٹھائیں۔ اور جونہی ان کی نظر اس چہرے سے ٹکرائی ان کا دل اس تیزی سے سکڑ کر پھیلا کہ وہ بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گئے۔
"حاتم...... حاتم گردیزی...... پہچانا؟" بہن کو بت بنا کھڑا دیکھ کر خلیل صاحب کو لگا جیسے وہ انہیں پہچان نہ پائی ہوں۔
ان کی بات پر حاتم صاحب کے دل میں اک ٹیس سی اٹھی جو اک درد بھری مسکراہٹ بن کر ان کے ضبط سے بھینچے لبوں پر بکھر گئی۔ طیبہ نے گڑبڑا کر خود کو سنبھالا تھا۔
"السلام علیکم۔" ان کی کومل مدھر آواز حاتم صاحب کی سماعتوں سے ٹکرائی تو انہیں لگا جیسے دور کہیں بہت اندر، روح کے سوکھے دھانوں پر کسی نے ایک عرصے کے بعد نرم سی پھوار برسا دی ہو۔
"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں طیبہ آپ؟" ان کے صبیح چہرے پر نگاہیں جمائے وہ دھیرے سے بولے۔
ان کی نظروں کا حصار، آواز کا زیر و بم طیبہ کے اندر اک برق سی دوڑا گیا۔ وہ بے اختیار نگاہیں جھکا گئیں۔
"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟" خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتے وہ شائستگی سے بولیں تو حاتم گردیزی پھیکا سا مسکرا دیے۔
"میں بھی ٹھیک ہوں۔"
جبکہ ان دونوں کی حالت زار پہ بیتا وقت دور کھڑا کفِ افسوس مل رہا تھا۔

یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی کو کسی سے مگر جدا نہ کرے!!

☆☆

فرح ریاض چیمہ
ماہر نفسیات

لہلہاتے کھیتوں پر سردیوں کی حسین شام اتر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے خنکی بڑھ رہی تھی۔ پورے جوبن کا چاند گاؤں کی کچی گلیوں میں اسٹریٹ لائٹ کا کام دے رہا تھا۔

آج صابر عرف صابو کے گھر میں خوب رونق تھی۔ کیونکہ آج اس کے گھر اس کے تایا فیض علی اور ان کا بیٹا حسان جو اس کا ہم عمر تھا آئے ہوئے تھے۔ وہ لوگ شہر میں رہتے تھے اور جب بھی آتے سرسوں کا ساگ پکانے کی فرمائش کرتے۔

سب چٹائی پر بیٹھے مکئی کی روٹی کے ساتھ مکھن میں ڈوبے ساگ کا بھرپور مزا لے رہے تھے۔

''واہ بھابھی، مزا آ گیا۔ گاؤں کے دیسی کھانے کا سواد ہی کچھ اور ہے۔ یہ سب لذتیں ہمیں شہر میں کہاں نصیب ہوتی ہیں۔'' فیض علی نے انگلیاں چاٹتے ہوئے کہا۔

شہر سے آیا ننھا حسان بھی دیسی روٹی سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔ لیکن صابو اپنا من پسند کھانا سامنے ہونے کے باوجود منہ بسورے بیٹھا تھا۔ بھی اس کے پاس بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ماں دور بیٹھی روٹیاں بنا رہی تھی۔ لیکن ماں کے سوا کسی کو بھی ادراک نہ ہوا کہ صابو کھانا نہیں کھا رہا۔

جب ماں فارغ ہو چکی تو پیار سے صابو کے پاس آ بیٹھی۔

''ابھی کھانا شروع نہیں کیا میرے لال نے۔''

حبیبہ نے ساگ اور مکھن سے بھری کٹوری اٹھائی اور مکئی کی لذیذ روٹی پر الٹی دھر دی۔ سارا ساگ روٹی پر بکھر گیا، اور ساتھ ہی صابو کے چہرے پر مسکان بھی۔ اس نے خوشی خوشی کھانا شروع کر دیا۔

''بھئی سچ کہتے ہیں۔ بچے کو ماں سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔'' فیض علی نے کہا۔

عشاء کے فوراً بعد ہی سب گرم بستروں میں گھس گئے۔ ٹھنڈ کافی بڑھ رہی تھی۔ اتنے میں حبیبہ سب کے لیے گرم چائے کی پیالیاں اور ابلے انڈے لے آئی۔ صابو نے چائے پینے سے انکار کر دیا۔ اب وہ گرم بستر سے باہر منہ نہیں نکالنا چاہتا تھا۔ اگلے ہی لمحے ایک خوب صورت معصوم سی آواز آئی۔

''شکور چچا! آپ کو ابا بلا رہے ہیں۔''

شکور اور فیض علی کے ساتھ حسان بھی چلا گیا۔ بھی پلٹنے ہی والی تھی کہ صابو جھٹ سے گرم بستر سے نکل آیا۔

''بھی انڈے کھاؤ گی۔''

صابو کی پیشکش وہ کیسے جھٹلا سکتی تھی۔ فوراً ہی بیٹھ گئی اور حبیبہ حیرت سے اپنے بیٹے کے بدلتے رویے کو دیکھنے لگی جو ابھی کچھ دیر پہلے بستر سے نکلنا نہیں چاہتا تھا اب یخ ٹھنڈ میں چارپائی سے نیچے پاؤں لٹکائے بھی کو انڈے چھیل کر دے رہا تھا۔

صبح کو فیض علی کو واپس شہر جانا تھا۔ انہوں نے چلتے وقت صابو سے کہا۔

''بیٹا! تم پانچویں کا امتحان پاس کر لو پھر میں تمہیں اپنے ساتھ شہر لے جاؤں گا۔ وہاں بہت اچھے اسکول ہیں۔ وسیع پارک ہیں۔ تم بھی اپنے بھائی حسان کے ساتھ اسکول جایا کرنا۔'' پھر حبیبہ سے مخاطب ہوئے۔ ''کیوں بھابھی! آپ کی کیا رائے ہے۔''

صابر تو یہ سن کر خوشی کے مارے قلابازیاں لگانے لگا۔ حبیبہ آخر ماں تھی بچے کو یوں خود سے دور کرنے کی ہمت نہ تھی لیکن اپنے بیٹے کی بہتری کے لیے تردد نہ کیا اور حامی بھر لی۔ بس پھر کیا تھا۔ صابو دن رات محنت میں جت گیا تا کہ اچھے نمبر لے کر شہر کے اسکول میں بھرتی ہو سکے۔

صابو کا پانچویں کا رزلٹ آ گیا اور وہ شاندار نمبروں میں کامیاب ہوا۔ شکور نے سامان باندھا اور صابو کو لے کر ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ گاؤں کے دوستوں کا ایک جم غفیر صابو کو اسٹیشن تک چھوڑنے آیا۔ اس جم غفیر میں ایک سانولا سا پرکشش چہرہ بھی کا بھی تھا۔ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پوٹلی لیے کھڑی تھی۔ جس میں گڑ اور بھنی ہوئی گندم کی میٹھی ڈلیاں تھیں۔

دور سے آتی ہوئی ٹرین کی کوک سنائی دی۔

تمام دوست صابو کے جانے پر اداس تھے۔ لیکن صابو کو اداسی کم اور شہر جانے کی خوشی زیادہ تھی۔

"یہ میں تمہارے لیے لائی ہوں صابو، راستے میں کھالینا۔" چھمی نے بڑے چاؤ سے صابو کو پوٹلی تھمائی لیکن صابو نے لاپروائی سے پکڑی اور ٹرین کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

نیا ماحول، نئی جگہ، نئے لوگ، صابو چکا چوند رونق سے بہت خوش ہوا۔ لیکن وہ محنتی اور مستقل مزاج واقع ہوا تھا۔ اس لیے پڑھائی سے کسی صورت غافل نہ ہوا۔ لڑکوں کے ساتھ ساتھ، شہری لڑکیوں سے بھی اس کی دوستی ہوگئی۔ وہ بہت خوش رہنے لگا۔ اس کے ماں باپ اس سے ملنے شہر آتے جاتے رہتے۔

صابو نے آٹھویں کا امتحان بھی شاندار نمبروں سے پاس کیا۔ اور واپس اپنے گاؤں چند دن رہنے کے لیے آیا۔ تمام پرانے دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ صابو کا اٹھنا بیٹھنا، بول چال، رہن سہن سب بدل گیا تھا۔ لیکن اپنے گاؤں کی مٹی کی خوشبو وہ نہیں بھولا تھا۔ شام کو دوستوں کے ساتھ کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ پاس ہی لڑکیاں پینگیں چڑھا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک چہرہ بے حد جانا پہچانا تھا بلکہ پہلے سے زیادہ پرکشش ہوگیا تھا۔

"ارے تو چھمی ہے!" صابو نے پاس جاکر پوچھا۔

چھمی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے صابو کو مجسمہ حیرت بنے دیکھنے لگی۔ وہ اتنا بدل جو گیا تھا۔ ایک دم شہری لگ رہا تھا۔

"صابو......!" چھمی بمشکل اس کا نام لے پائی اور شرماتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی۔

"ارے اسے کیا ہوا......" صابو کو چھمی کا یوں شرما کر بھاگ جانا سمجھ میں نہ آیا۔

صابو نے چند دن خوشی خوشی گزارے اور شہر واپس چلا گیا۔

☆☆☆

وقت کا پہیہ چلتا رہا اور صابو اور چھمی لڑکپن سے گزر کر جوانی کی دہلیز پر پیر رکھنے لگے۔ شہر میں صابو کی کئی لڑکیاں اور لڑکے دوست تھے جن سے بے حد بے تکلفی تھی۔ میٹرک کے امتحان چل رہے تھے۔ صابو بھی جان سے محنت کررہا تھا۔ تبھی ایک دن اسے گاؤں سے ایک شادی کا کارڈ موصول ہوا۔ اس کے بچپن کے دوست سلیم کی شادی تھی جو عمر میں صابو سے چار پانچ سال بڑا تھا۔ گاؤں میں کم عمری میں ہی شادی کرنے کا رواج عام تھا۔ شاندار امتحانات کے بعد صابو ایک بار پھر گاؤں واپس آیا۔ یاروں نے پرجوش طریقے سے استقبال کیا۔

آج سلیم کی مہندی کی رسم تھی۔ صابو لکھنوی کرتے اور پٹھانی شلوار میں ملبوس قیامت ڈھا رہا تھا۔ پیروں میں کامدار کھسہ اور گلے میں گہرے فیرون اور سبز رنگ کے امتزاج والی مردانہ چادر پہنے وہ خود دولہا لگ رہا تھا۔

سلیم کا گھر چھوٹی چھوٹی جگمگ بتیوں سے آراستہ تھا۔ اندر سے ڈھولک کی تھاپ باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ لڑکیاں بلند آواز میں روایتی گیت گا رہی تھیں۔ شہر میں ایسی رونق کہاں دیکھنے کو ملتی تھی۔ صابو نے شہر میں رہنا شروع کردیا تھا مگر تھا تو گاؤں کا باسی۔ تالیوں کی چھم چھم اور ڈھولک کی تھاپ پر پیر اپنے آپ تھرکنے لگے۔ گھر کے اندر داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ لڑکوں کی مہندی کا انتظام اوپر چھت پر کیا گیا ہے۔

لڑکے چھت پر جا پہنچے۔ وہاں ابھی سجاوٹ کا کام جاری تھا۔ کچھ لڑکے دولہے کے بیٹھنے کی جگہ کو سجا رہے تھے جبکہ صابو کے حصے میں پھولوں کی لڑیاں چھت سے برآمدے تک لٹکانے کا کام آیا۔ جیسے ہی صابو نے پھولوں کی پہلی لڑی چھت سے برآمدے تک لٹکائی وہ خود ہی جھولتا رہ گیا۔ ڈھولکی کی تھاپ اور تالیوں کی موسیقی پر برآمدے میں روایتی گدا ڈالتی

لڑکیاں، زرق برق لباس اور چمک دار گہنوں میں تاروں کا جھرمٹ معلوم ہو رہی تھیں۔ لیکن صابو کی نظر سب سے روشن ستارے چمکی سے الجھ گئی تھی۔ وہ چہرہ تھا ہی اتنا حسین کہ نظر خود بخود پھسل جائے۔

سیاہ رات سی چمک دار لمبی زلفیں، سونے جیسی دمکتی رنگت، گہری سیاہ آنکھیں جن پر سیاہ گھنی پلکوں کا سایا، ہنستے ہوئے گالوں میں پڑتے گڑھے جن میں کوئی بھی گر جائے۔ شاخ سی کلائیاں جو کچی چوڑیوں سے چھن چھن کر رہی تھیں۔ اس کی نازک کمر سب سے الگ محورقص تھی۔ اتنے شور شرابے میں اس کی ہنسی کی کھلکھلاہٹ صابو کو سب سے منفرد سنائی دے رہی تھی۔ صابو کو وہ جلتی ہوئی شمع کی ڈگمگاتی ہوئی نازک سی لو معلوم ہوئی جسے دیکھتے ہی وہ تو پگھل گیا۔

"چمکی...... ارے او چمکی! جلدی کرو ہمیں دلہن کی طرف بھی جانا ہے۔"

چمکی کی ماں نے اسے آواز دی اور اپنی ماں کی آواز سن کر وہ فوراً ماں کے ساتھ ہولی۔

رات ہو چکی، مخلوق خدا سو چکی۔ لیکن آج صابو کی آنکھوں میں نیند نہ اتری۔ اسے تاروں کے جھرمٹ میں بار بار چمکی کا مسکراتا، دلکش چہرہ نظر آتا اور وہ بے اختیار مسکرا دیتا۔ بار بار کروٹ لیتا۔ کھلے آسمان تلے لیٹے ہوئے وہ کتنا سکون محسوس کر رہا تھا۔

حبیبہ کافی دیر سے یہ سب نظارہ دیکھ رہی تھی۔ جب اس کا بیٹا خیال بنتے ہوئے مسکراتا تو حبیبہ بھی مسکرا دیتی۔ آخر اٹھ کر بیٹے کے سرہانے آ بیٹھی۔ صابو کا سر اپنی گود میں رکھا اور اپنے لال کے بال سہلانے لگی۔ ماں تھی سب سمجھتی تھی۔ بیٹے کے آدھی رات کو تاروں کو دیکھ کر بے اختیار مسکرانے کی وجہ سے بھی واقف تھی۔ صابو جو کروٹ پہ کروٹ بدل رہا تھا۔ ماں کی گود میں آتے ہی پر سکون ہو گیا اور نہ جانے کب اسے نیند نے آلیا۔

☆☆☆

صابو نے نئی کلاسز کا آغاز نہایت بددلی سے کیا۔ صبح و شام اسے چمکی سے ملنے کی چاہ لگی رہتی۔ اسے ایک غم یہ بھی کھائے جا رہا تھا کہ اس نے چمکی سے تو اپنے دل کی بات کی نہیں اور نہ ہی اس سے اس کی خواہش جانی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسی کشمکش اور انتظار میں وہ کسی اور کے ساتھ بیاہ دی جائے۔ اس سوچ نے صابو کو مزید پریشان کر دیا۔

لیکن شاید وہ جانتا نہیں تھا کہ چمکی کا حال بھی صابو سے مختلف نہ تھا۔ سہیلیاں تو اسے صابو کے نام سے چڑاتی تھیں اور سلیم کی مہندی میں چمکی کا موجود ہونا اور سب سے منفرد سج سنور کے آنا کوئی اتفاق نہ تھا بلکہ اسے صابو کے آنے کی پیشگی اطلاع دی گئی تھی۔ یہ سب جائز سا اہتمام صابو کے لیے ہی تو تھا۔

لیکن صابو کو چمکی کے دل کی کیا خبر، وہ تو شمع کی طرح گھل گھل جا رہا تھا۔ نہ پڑھائی میں دل لگا پا رہا تھا اور نہ ہی کسی سے اپنا حال دل بیان کرنے کی ہمت تھی۔ اوپر سے غضب یہ کہ صابو بہت خاموش رہنے لگا تھا۔

فیض علی اس سے بہت محبت کرتے تھے، انہوں نے سوچا کہ پہلے سمسٹر کے بعد اسے چند دنوں کے لیے گاؤں بھیج دیا جائے۔ ہو سکتا ہے اس کی طبیعت میں کچھ تبدیلی آ جائے۔

پہلے ہی سمسٹر کا رزلٹ ناقابل یقین حد تک مایوس کن آیا۔ صابو فیل ہو گیا، کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہمیشہ شاندار نمبر حاصل کرنے والا لڑکا آج بری طرح فیل کیسے ہو گیا۔ اب تو معاملہ اور بھی سنجیدہ ہوتا گیا۔

مشکور علی کو بھی تشویش لاحق ہوئی اور وہ فوراً چند دنوں کے لیے اپنے بیٹے صابو کو گھر لے آیا۔ صابو جب اپنے گاؤں کی پرکیف فضا میں پہنچا تو اس کی سانس بحال ہوئی۔ آنکھوں کو سکون ملا۔ گھر تو پہنچ گیا لیکن کسی آن چین نہ مل رہا تھا۔ چمکی کی رضامندی معلوم کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

"صابو! بیٹا۔ باہر آجاؤ تازہ ہوا میں، آکے چائے پی لو۔" حبیبہ نے باہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے آواز دی۔ صابو برآمدے میں چلا آیا۔ چائے کی پیالی کے ساتھ طشتری میں گڑ اور بھنی ہوئی گندم کی ڈلیاں پڑی تھیں۔

"امی! یہ شمی نے بھیجی ہیں؟" صابو کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

حبیبہ چائے کی پیالی منہ تک لے جانے ہی والی تھی کہ بیٹے کے اس طرح پوچھنے پر حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی اور صابو بے چارہ بغلیں جھانکنے لگا۔ چائے وہیں چھوڑی اور گھر سے باہر نکل آیا۔

شام ہوئی تو پڑوس کے گھر میں برقی قمقموں کا احساس ہوا۔ صابو اپنے گھر کے صحن میں لیٹا یہ اندازہ نہ کر پایا کہ یہ جگنو جیسی بتیاں کہاں لگی ہیں۔ اپنی ماں کو اتنا بنے سنورتے دیکھا تو پوچھا۔

"ماں پڑوس میں کسی کی شادی ہے کیا؟"

"نہیں، بیٹا شادی نہیں ہے۔ آج شمی کو لڑکے والے دیکھنے آرہے ہیں۔ سب محلے کی عورتیں ڈھولکی بجانے جارہی ہیں۔"

صابو پر تو جیسے آسمان گر پڑا۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ مشکل سے اپنا توازن برقرار رکھ پایا۔

"کیا ہوا صابو! تو ٹھیک تو ہے میرا بچہ؟" حبیبہ نے بیٹے کو لاڈ سے پوچھا۔

"جی امی! ٹھیک ہوں...... بس میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی شمی کی بات پکی بھی نہیں ہوئی اور ڈھولکی بھی رکھ لی، کیا پتا لڑکے والوں کو پسند بھی آئے یا نہیں۔" صابو نے جھنجلاتے ہوئے رک رک کر جواب دیا۔

"ارے میرے لال۔ تو کیوں پریشان ہوتا ہے۔ لڑکے والے بھی آس پڑوس کے ہی ہیں۔ سب معاملات طے شدہ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" حبیبہ نے آنکھوں میں کاجل کی دھار کھینچتے ہوئے کہا۔

اب تو صابر کے غم کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا جس کی خاطر وہ دیوانہ ہوئے جاتا تھا وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔ یہ خبر کسی قیامت سے کم نہ تھی۔

صابو کو یوں پریشان حال دیکھا تو حبیبہ اپنے لخت جگر کے پاس آبیٹھی اور پیار سے سر پر ہاتھ رکھ کے بولی۔

"تو کیوں ایسے بجھ رہا ہے میرے لال، تیرے لیے چاند سی لڑکی دیکھی ہے۔ شبنم نام ہے اس کا۔"

"مجھے نہیں کرنی کسی شبنم سے شادی۔ میں کل ہی شہر واپس جارہا ہوں۔" صابو اپنی آنکھوں میں غم کے دریا کو چھپاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور اگر تمہاری بات شمی سے پکی کردوں تو بھی کل واپس چلے جاؤ گے۔"

ماں کی اس بات پر صابو چونک گیا اور ناقابل یقین نگاہوں سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"ارے میرے بھولے پتر، ماں ہوں تمہاری۔ ماں نہیں سمجھے گی تو کون سمجھے گا۔ اور شمی کو تمہاری شکایت کروں گی کہ جس صابر کو وہ پسند کرتی ہے وہ تو اس کا اصل نام بھی نہیں جانتا۔"

"شبنم......" صابو کے منہ سے نکلا۔

"ذرا دیکھوں تو میری تیاری میں کوئی کمی تو نہیں، آخر میں لڑکے کی ماں ہوں۔" حبیبہ آنکھوں میں آنسو لیے بیٹے کے سامنے اتراتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

صابو کو اس لمحے کی حقیقت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔

سچ کہتے ہیں "ماں سے بڑا ماہر نفسیات کوئی نہیں ہوتا۔"

☆☆

مکمل ناول

شمائلہ دلعباد

محبت فروری کی دھوپ

رافیہ بل ہاتھ میں پکڑے تقریباً دوڑتے ہوئے کارپورچ میں پہنچی۔

''ریاض آپ بل بک ڈائننگ ٹیبل پر چھوڑ آئے تھے۔'' پھر جیسے یاد آنے پر پوچھنے لگی۔ ''آپ ابھی تک باہر کھڑے ہیں، گاڑی میں بیٹھ نہیں رہے؟''

ریاض احمد نے گاڑی کے وہیل کو ٹھنڈا مارا۔

''آج پھر اسٹارٹ نہیں ہو رہی بیماری پڑی ہوئی ہے اس کو۔''

''میں تو نومبر سے شور مچا رہی ہوں نئے ماڈل کی بکنگ کرا دیں۔ بیگم موتی والا کی نئے ماڈل کی گاڑیاں آ بھی گئی ہیں۔''

''رافیہ! خدا کے لیے صبح صبح یہ مقابلے بازی اور دکھاوے کی باتیں پھر سے نہ شروع کر دینا، تمہارے اس دکھاوے اور ماڈرن بننے کے شوق نے کسی دن اس گھر کو برباد کر دینا ہے۔'' ساتھ ہی وہ فون کان کو لگا چکے تھے۔

''ثاقب یار! ورک شاپ کی طرف تو نہیں نکل گئے، کمبخت کار نہیں اسٹارٹ ہو رہی، ادھر آ جاؤ گھر۔''

''ثاقب اور چچی چاپلوسی کو ہر وقت تیار رہتے ہیں، پلک جھپکتے پہنچ جائے گا، آپ زیادہ بے چین نہ ہوں۔'' رافیہ نے ہمیشہ کی طرح منہ بنا کر جلا کٹا تبصرہ کیا۔

اس کے تبصرے کے عین مطابق دس منٹ بعد ہی بائیک گھسیٹتا ثاقب گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔

وہ سلام لے رہا تھا جب سوہا نے آ کر زوردار گڈ مارننگ کیا۔ ثاقب گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن میں جھک گیا تو ریاض صاحب سوہا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کالج بند ہیں، پھر آج میرا بیٹا صبح کیسے اٹھ گیا۔''

''پاپا! میری آنکھ کھل گئی اس لیے میں نے سوچا ٹک ٹاک پر گڈ مارننگ کی ویڈیو ہی ڈال دوں۔''

''بیٹا! میں نے کتنی بار منع کیا ہے یہ ٹک ٹاک وغیرہ پر ویڈیو ڈالنا مجھے نہیں پسند۔''

''کم آن پاپا! میرے سب فرینڈز ٹک ٹاک پر ہیں میں اگر نہیں ہوں گی تو وہ سارے سوچیں گے میں کسی دقیانوسی فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔''

''ریاض! آپ وہی پرانے کے پرانے ہی رہنا کبھی نہ اس محلے سے نکلنا، بیگم موتی والا کو دیکھا ہے اس کی دونوں بیٹیاں ٹک ٹاک پر ہیں دونوں کے ایک ملین سے زیادہ فالوورز ہو چکے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ ریاض صاحب کوئی جواب دیتے، ثاقب نے انجن سے منہ نکالا۔

''ریاض بھائی سیلف ماریں۔'' ثاقب کی پکار پر انہوں نے رافیہ بیگم کو ان کے حال پر چھوڑا اور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

''تمہارے ہاتھوں میں جادو ہے۔'' انہوں نے شیشے میں سے منہ باہر نکال کر ثاقب کو مخاطب کیا، وہ مسکرا دیا۔

"آپ تو خواہ مخواہ تعریف کرتے رہتے ہیں۔ سب موٹر مکینک یہ کام کر لیتے ہیں۔"

"لیکن تمہارے جتنی صفائی اور ذہانت کسی اور موٹر مکینک میں نہیں ہے، کم سے کم اس شہر میں، اب ناشتا کر کے جانا۔ مجھے ذرا جلدی ہے میں نکلتا ہوں، رافیہ ثاقب کو ناشتا کرائے بغیر نہ بھیجنا۔"

"نہیں بھیجتی۔" رافیہ نے گویا دانت پیسے تھے۔ پھر ثاقب سے مخاطب ہوئی "تم لوگ آملیٹ پراٹھا کھاتے ہو ناں؟ اس سے پھر لنچ ٹائم تک بھوک نہیں لگتی، لنچ میں پھر روٹی سالن جو شام تک بھوک نہیں لگنے دیتا اور رات کو ڈنر کر کے سو جاؤ۔ اگلی صبح پھر سے یہی روٹین۔"

پاس ہی دھند بھری ویڈیو بناتے سوہا اور جمیل ماں کی بات پر یوں ہنسے گویا صبح صبح لطیفہ سن لیا ہو۔

ثاقب نے چونک کر ان دونوں بہن بھائی کو دیکھا تھا جو اپنے ٹک ٹاک اکاؤنٹ کے لیے ویڈیو بنا رہے تھے۔

"جج...... جی...... بھابھی! ایسا ہی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہہ کر ہاتھ آپس میں رگڑ کر لیدر کی جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے۔ "میں چلتا ہوں آصفہ انتظار کر رہی ہوگی۔" جھجکتے ہوئے اس نے بالآخر کہہ دیا۔ رافیہ کے سامنے سب کی بولتی یونہی بند ہو جاتی تھی۔

"ایسے کیسے چلتا ہوں، ریاض رات کو آ کر بھی پوچھ لیں گے ثاقب کو ناشتا کروایا تھا؟"

وہ شرمندہ ہو گیا۔ "وہ بس ریاض بھائی شروع سے ہی......" ثاقب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے وہ شروع سے ماڑے رشتے داروں (غریب رشتے دار) کا بہت خیال کرتے ہیں۔ ایسا کرو ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھ جاؤ میں ادھر ہی گرم گرم ناشتا سرو کرتی ہوں۔"

وہ ڈائننگ ٹیبل کے سامنے آرچ میں لگے بیسن پر ہاتھ دھو کر بھاری بھرکم کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ گھر کی رہائشی عمارت میں ہر قابل ذکر جگہ پر ہیٹر چلنے سے اندر خوشگوار حدت تھی۔ رافیہ کچن میں خانساماں کو ثاقب کے ناشتے کے بارے میں ہدایات دے رہی تھی جب سوہا اور جمیل بھی ڈائننگ میں داخل ہوئے۔ سوہا عین اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھی جبکہ جمیل بہن کے برابر میں بیٹھ گیا۔

خستہ گرما گرم پراٹھے، اچار اور اٹالین آملیٹ جس قدر ناشتا دل آویز تھا اتنا ہی اسے کھانا مشکل ہو رہا تھا۔ سوہا اور جمیل ٹکا ٹک چھری کانٹے چلا کر سلائس، آملیٹ کھا رہے تھے اور پھر ان کی ماں یعنی رافیہ اس کے برابر آ بیٹھی۔ اس کی پلیٹ میں بھی چھری کانٹا تیزی سے ٹکا ٹک کرنے لگے، ایسے میں ثاقب کو کرکری پراٹھا توڑتی اپنی انگلیوں کی آواز بڑی بھدی لگی۔ اسے وحشت ہونے لگی، رافیہ کی دھونس کے آگے اس کا شخصی اعتماد اور وقار دونوں ہوا ہو جاتے تھے۔ ایسے پراٹھے اور ایسا پھولا پھولا شملہ مرچ اور چیز سے بھرا آملیٹ اتنی سردی میں اسے گھر میں ملتا تو وہ بلامبالغہ تین پراٹھے کھاتا یہاں ایک کھا کر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا تھا۔

☆☆☆

ریاض احمد مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے کنسٹرکشن کمپنی میں معمولی سے ملازم تھے لیکن اس رخ پر دماغ خوب چلتا تھا۔ چنانچہ ملازمت کے چار سال اور شادی کے چھ ماہ بعد انہوں نے بیوی رافیہ کے سارے زیور اور اپنی کل جمع پونجی لگا کر بہت چھوٹے پیمانے پر ریاض بلڈرز کی بنیاد رکھ لی۔ جانے رافیہ کی قسمت اچھی تھی یا ریاض کے ستارے عروج پر تھے۔ ریاض بلڈرز بہت کم عرصے میں شہر کی ممتاز کنسٹرکشن کمپنی بن کر ابھری۔ ہن کی طرح پیسہ برسا تو ان کا اسٹیٹس بھی بدلنے لگا اور وہ پرانے محلے سے امراء کی سوسائٹی میں شفٹ ہو گئے۔

رافیہ نے ایسی زندگی خواب خیال میں نہ سوچی تھی اس لیے اس سے یہ مقام کم سے کم غریب رشتے داروں کے سامنے سنبھالا نہ جاتا تھا۔ شہر کی کریم سے میل جول نے اسے بے انتہا ماڈرن بننے کے عجیب و

غریب نفسیاتی عارضے میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ دوسری بیگمات کی تقلید میں اپنا نقصان تک کرنے سے گریز نہ کرتی تھی۔ نمود و نمائش کے ساتھ ساتھ شیخی بگھارنے کا عارضہ بھی رافیہ کو لاحق تھا۔ اسے ہمیشہ یہی فکر ستایا کرتی کہیں اس کے یا اس کے بچوں کے کسی عمل سے کوئی بیگم انہیں نودولتیا نہ سمجھ لے۔

سوہا، بجیل کے ٹک ٹاک پر ہونے کی وجہ بھی باقی بیگمات کے بچے تھے۔ جب سے بیگم موتی والا کی بیٹی منت کے ملین پلس فالورز ہوئے تھے، رافیہ کا بس نہیں چل رہا تھا راہ چلتے لوگوں کو بھی پکڑ پکڑ کر سوہا کا ٹک ٹاک اور انسٹا فالو کروادے۔ ریاض بیٹی سے بہت پیار کرتے تھے لیکن ٹک ٹاک بنانے کے شروع سے خلاف تھے۔ رافیہ کی بے جا طرف داری انہیں سوہا سے سختی سے اکاؤنٹ بند کروانے سے روک لیتی تھی۔ بہرحال موقع ملتے ہی وہ بیٹی کو سمجھانے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

ثاقب اور اس کے گھر سے چڑنے کی وجہ کم حیثیت ہونے کے علاوہ ثاقب کی مرحومہ بہن سے محبت بھی تھی۔ یہ رافیہ کا خیال تھا کہ ریاض پچیس سال گزرنے کے باوجود بھی بچپن کی منگیتر و محبت کو بھلا نہیں سکے، جب ہی تو نثار چچا کی فیملی پر ہمیشہ مہربان رہتے ہیں۔ پچھلے محلے میں باقی رشتے دار بھی تو موجود ہی تھے ان پر تو کبھی عنایت نہ کی۔ ہمیشہ نثار چچا کی فیملی اور خاص طور پر ثاقب نثار پر ہی کیوں مہربان رہتے ہیں۔ رافیہ کو اس کا جواب فاطمہ کی محبت اور اچانک وفات ہی لگتا تھا۔

بیگم موتی والا، بیگم سرے والا اور بیگم مشکوٰۃ کے سامنے ثاقب کی وجہ سے وہ جتنا شرمندہ ہوئی تھی وہی جانتی تھی۔ ہوا کچھ یوں کہ نیا کنٹریکٹ ملنے پر گھر میں تقریب رکھی گئی تھی۔ اسی میں بیگم مشکوٰۃ کی گاڑی خراب ہوئی تو ریاض نے کہہ دیا، ”میں ثاقب کو بلاتا ہوں میرا کزن ہے بڑا باکمال ہنرمند ہے۔“ رافیہ کے آنکھوں کے اشارے نظرانداز کر کے وہ مسلسل ثاقب کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ اس پر ہی بس نہیں کی بلکہ وہاں موجود لوگوں سے بھی کہا کہ اپنی گاڑیوں کے لیے اس کی سروس لیا کریں وہ جلد اپنی ورک شاپ کھولنے والا ہے۔ یہ سب رافیہ کے لیے انتہا درجے کی سبکی تھی۔

ان کے دو دن مسلسل منہ بنانے رونے دھونے اور فساد کے باوجود ریاض نے ثاقب لوگوں سے تعلق توڑنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

”یہ کون سا آپ کے خونی رشتے ہیں۔ موو آن کیوں نہیں کر لیتے آپ؟“ فساد کے بعد رافیہ نے جذباتی بلیک میلنگ کرنے کی کوشش بھی کر کے دیکھ لی تھی۔

”میں نے کبھی خود کو اکلوتا نہیں سمجھا۔ سارا بچپن، جوانی نثار چچا کے بچوں کو اپنے بہن، بھائی سمجھتے گزاری۔“

”خیر یوں جھوٹ نہ بولیں، فاطمہ کو تو اب تک آپ نے بہن نہیں سمجھا۔ جوان اولاد کے ہوتے ہوئے بھی مرحومہ کا عشق آپ کی نس نس میں دوڑتا ہے۔“

”لاحول ولا...... رافیہ! بس کر دو یہ زہر افشانی۔“ انہوں نے رافیہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”تمہیں کتنی بار بتا چکا ہوں اس ساری اپنائیت کے پیچھے فردوس چچی اور نثار چچا کا بے حد محبت بھرا سلوک شامل ہے، حالانکہ وہ ابو کے سگے بھائی نہیں کزن تھے۔ امی کی بیماری میں فردوس چچی نے بیچ کی دیوار سے کھڑکی نکلوالی تھی۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے باوجود ہمارا گھر سنبھالتی تھیں، امی کو سنبھالتی تھیں، یہاں تک کہ اپنی بیٹی فاطمہ کو نثار چچا کے پاس سلا کر مجھے اور رقیہ (فاطمہ سے چھوٹی تھی) کو دائیں بائیں سلاتی تھیں۔ مجھے امی کے بنا نیند نہیں آتی تھی ابو کی لاکھ کوشش کے باوجود میں ان کے ساتھ سو نہیں پاتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ بھلے امی کی طبیعت بہتر ہوتی گئی لیکن فاطمہ اور رقیہ نے ہی ہمارا گھر سنبھالے رکھا۔ ایسے میں انسیت ہونا قدرتی بات ہے۔“

''اس قدر تی بات کو اب آپ بھلا کیوں نہیں دیتے۔ اتنا وقت گزر چکا ہے۔''

''میں اتنا گھٹیا نہیں کہ کسی کے بے لوث احسانات بھول جاؤں۔''

''احسان تو میں نے بھی آپ پر کیا ہے، یہ ریاض بلڈرز میرے زیورات کی وجہ سے بنی ہے۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''اس لیے ہی تو تمہیں برداشت کرتا رہتا ہوں۔'' ریاض نے بھی حساب چکتا کرایا۔

رافیہ بلبلا اٹھی۔ ''ان کا حوالہ ہمارے لیے شرمندگی کا باعث بنتا ہے یہ سمجھ میں کیوں نہیں آرہا آپ کو۔''

''ثاقب بہت محنتی لڑکا ہے۔ آئندہ چند سالوں میں وہ بہت آگے جانے والا ہے۔ پھر ان کا حوالہ تم نے ہی اپنی بیگمات کو دیا کرنا ہے۔''

''مطلب آپ کسی قیمت پر فردوس چچی اور ثاقب سے پیچھا نہیں چھڑانے والے؟''

''نہیں۔'' ریاض نے صاف انکار کیا تھا۔

وہ دن تھا اور آج کا دن رافیہ نے ریاض سے اس موضوع پر بات کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔ البتہ جب بھی نثار فیملی کا کوئی فرد بھتے چڑھ جاتا تھا ان پر طنز کی بارش وہ دل کھول کر برساتی تھی۔ بار بار عزت نفس مجروح کروا کر فردوس چچی اور ان کی چاروں بیٹیاں تو آنا چھوڑ چکی تھیں لیکن ثاقب کو ریاض گاڑی کی وجہ کبھی کبھار گھر بلاتے ہی رہتے تھے۔ بچوں کی گاڑی اور اپنی گاڑی کا کام بھی اسی ورک شاپ سے کراتے تھے جس میں ثاقب ملازم تھا۔

☆☆☆

''سوہا تم نے پھر کسی لڑکے کے ساتھ ٹک ٹاک ویڈیو بنائی ہے؟'' ڈائننگ ٹیبل پر ریاض احمد نے گمبھیر سنجیدگی سے پوچھا تو سوہا جز بز ہو کر ماں کو دیکھنے لگی۔

''آپ سے کس نے کہا سوہا نے ڈوئٹ ٹک ٹاک پر ڈالی ہے۔''

''کھانے کے وقفے میں سائٹ پر گیا تھا۔ سارے مزدور ٹک ٹاک دیکھ رہے تھے وہیں لوگوں کے دبے دبے جملے اور اشارے بازی سے سمجھ میں آگیا تھا۔ میرے بار بار منع کرنے کے باوجود تم ٹک ٹاک نہیں چھوڑ رہی ہو۔ اس سے بھی بڑی غلطی میری اور اپنی مما کی ویڈیو تصویریں سوشل میڈیا پر ڈال کر کی۔''

''پاپا! وہ میں نے مما سے پوچھ کر ہی اپ لوڈ کی تھیں، آپ دونوں کو ویڈنگ اینورسری وش کرنے کے لیے۔''

''کیا ملا اس وش سے؟ ہر طرف بدنام ہو گیا ہوں، مزدور بھی اشارے کرتے معلوم ہوتے ہیں۔''

''ریاض! آپ اپنے اندر کے مڈل کلاسیے کو دفنا کیوں نہیں دیتے؟ کیوں ہماری اور اپنی زندگی عذاب کر رکھی ہے۔ بیگم سرمہ والا اور بیگم موتی والا نے سارے شہر کی خواتین کو شادی کی گولڈن جوبلی پر پارٹی دی۔ ایسی پارٹی جس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ اپنی بیٹیوں نے بھی ٹک ٹاک پر اس کی ویڈیوز ڈالی تھیں۔ انسٹا پر اسٹوری بھی ڈالی، پوسٹ بھی ڈالی۔ ان کی بیٹیاں اسٹار ہیں اسٹار۔ آپ خود سوچیں ملین سے زیادہ لوگوں نے دیکھا۔ دعائیں دیں۔ موتی والا سیٹھ اور سرمے والا سیٹھ کو تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا بلکہ بڑے فخر سے بتاتی ہیں سب۔ آپ کو ہی مسئلہ ہوتا ہے۔''

''مجھے مسئلہ ہے کیونکہ میرے کانوں میں لوگوں کے میری بیٹی کے بارے میں ریمارکس پڑتے ہیں، تم بھی کبھی کمنٹس سیکشن چیک کر لیا کرو خود ہی افاقہ ہوگا۔''

''کیا افاقہ ہوگا؟'' رافیہ کا موڈ بھی مکمل بگڑ چکا تھا۔

''تم اور تمہاری تربیت کو بھی گالیاں دیتے ہیں لوگ۔''

''لوگوں کو اور آتا کیا ہے..... اسٹارز کے ساتھ ایسی باتیں چلتی رہتی ہیں۔''

"اسٹار..... میں نے پہلے بھی کہا تھا مجھے اپنی بیٹی کو کوئی اسٹار وسٹار نہیں بنانا، سلجھی ہوئی صوم صلوٰۃ کی پابند اولاد چاہیے تھی مجھے۔ تم نے کس لائن پر لگا دیا ہے رافیہ۔" ریاض بال نوچنے والے ہو چکے تھے۔ رافیہ حسب معمول ٹمپر لوز کر چکی تھی۔ اس نے کھڑاک کی آواز کے ساتھ ریاض کے چہرے کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"دنیا کے ساتھ جیو اور ہمیں بھی جینے دو۔ پلیز، نکل آؤ اس غریب محلے سے۔"

"میری جڑیں اسی محلے میں ہیں میرے سارے رشتے دار مڈل کلاس ہیں، تمہارے رشتے دار مڈل کلاس ہیں پھر بتاؤ کیسے نکل آؤں؟ رافیہ تم جن کی تقلید کرنا چاہتی ہو وہ سارے جدی پشتی رئیس ہیں۔ ان کے رشتے دار بھی ان جیسے امراء ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ و موازنہ نہیں کر سکتے۔ دن رات ایک کر کے میں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ اگر جمیل اور راحیل محنت نہیں کریں گے ٹک ٹاک اور سوشل میڈیا پر لگے رہیں گے تو واپس پہلے والی جگہ پر آ جائیں گے۔ سوہا کی شادی میں مشکل ہو سکتی ہے۔"

"شکر ہے، آپ کو بھی بیٹی کی شادی کا خیال آیا۔" رافیہ جل کر بولی تو راحیل نے بھنویں اچکا کر بہن کو چھیڑا۔ سوہا نے کندھے اچکا کر بے نیازی دکھائی۔ ان تینوں بہن بھائیوں کے لیے والدین کی ہر وقت کی تو تو میں میں ہلکی پھلکی بھوک میں ہلکا پھلکا سنیک جیسی تھی۔

"سوہا بیٹا یہ ٹک ٹاک، انسٹا، فیس بک اور الا بلا کی جان چھوڑو۔ پڑھائی سے جو وقت ملتا ہے اس میں گھر داری سیکھو۔"

"واٹ۔" جمیل کو اچھو لگ گیا۔ سوہا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"پاپا! آپ کا مطلب ہے میں پوچے لگایا کروں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے بیٹا۔" وہ تحمل سے بولے۔ "چیزوں میں دلچسپی لیا کرو، آپ کو پتا تو ہونا چاہیے اس سب کا۔ آصفہ کو دیکھا ہے آپ سے چھ ماہ ہی تو بڑی ہے لیکن ہر چیز میں پرفیکٹ۔"

"پاپا! اب آپ آصفہ سے مجھے کمپیئر کریں گے۔" سوہا صدمے سے گنگ ہو گئی۔ حمزہ، جمیل اس کی حالت پر ہنسنے لگے تو رافیہ پھر سے گفتگو میں کود پڑی۔

"آپ کو فردوس بجی، ثاقب، ثاقبہ، فاطمہ، آصفہ کے سوا بھی دنیا میں کچھ نظر آتا ہے؟"

بات غلط رخ پر جاتے دیکھ کر ریاض نے بچوں سے کہا اگر وہ کھانا کھا چکے ہیں تو ٹیبل سے اٹھ جائیں۔

وہ تینوں تو پہلے ہی منتظر تھے بھاگم بھاگ اپنے اپنے فون پکڑ کر کمروں میں گھس گئے۔

"رافیہ! ہر بات پر بھڑکا نہ کرو۔ آصفہ کی مثال میں نے اس لیے دی ہے کہ وہ بچی تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ سلجھی ہوئی بھی ہے بھی تو اتنے اچھے گھرانے میں شادی ہو رہی ہے۔ ٹھیک ٹھاک پیسے والے لوگ ہیں برکت سینٹری والے۔ میں خود سوہا کی شادی جلدی کرنا چاہتا ہوں، ہر وقت جن لوگوں کا ذکر کرتی ہو وہ ہم سے رشتے داری بالکل نہیں کریں گے شادیاں وہ اپنے ہم پلہ اور جدی پشتی رئیسوں میں ہی کرتے ہیں۔ جبکہ ہماری کلاس کے لوگ بھلے جتنا بھی پیسہ آ جائے بہو وضع دار گھرانے سے سلجھی ہوئی طبیعت کی لاتے ہیں۔ اب تم یہ اونچ نیچ سکھاؤ سوہا کو اور ٹک ٹاک والا سلسلہ بند کرواؤ۔"

"چلو، کہتی ہوں اس کو اگر مان گئی تو..... ملین فالورز ہونے والے ہیں اس کے، دن میں کتنے ہی چینل والے کال کرتے ہیں انٹرویو کے لیے، آپ تو دفتر یا سائٹ پر ہوتے ہیں آپ کو اس سب کی کہاں خبر..... اب تو اسٹار بنی ہے پیسہ کمانے کے دن آ رہے ہیں۔ کاسمیٹکس کمپنی اپنی پروڈکٹس کی تشہیر اس سے کروا رہی ہے ایڈوانس پکڑا ہوا ہے جونہی ایگریمنٹ ختم ہوا میں سختی سے منع کر دوں گی۔"

"ایڈوانس بھی پکڑا ہوا ہے۔" ریاض احمد پھر

سے بھڑک گئے۔ ''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''اوہو، ریاض! میں کہہ تو رہی ہوں کہ منع کر دوں گی پھر سے کیوں بھڑک رہے ہو؟ پہلا ایگریمنٹ تھا اس لیے بہت بڑی رقم نہ تھی جو بتاتی۔ اب ملین فالوورز کے بعد ہی پیر جمنے ہیں۔ بیگم موتی والا کی لڑکیاں شوق شوق میں لاکھوں کما رہی ہیں۔ دوسری طرف آپ ہیں ایک تو لڑکی کا کیریئر خراب کر رہے ہو، اوپر سے غصہ بھی۔''

''جو بھی ہے رافیہ! دفع کرو یہ سب۔ مجھے پسند نہیں۔ لوگ طرح طرح کے گندے کمنٹ کرتے ہیں ہماری بچی کے بارے میں۔''

''لوگوں کا تو کام ہی یہ ہے حالانکہ بے ضرری ویڈیوز ہوتی ہیں سوہا کی کھانے پینے کی یا مزاحیہ۔ ڈانس شانس اس نے آج تک نہیں کیا۔''

''مجھے وضاحتیں نہ دو جو کہا ہے اس پر عمل کرواؤ۔ لڑکوں کے ساتھ ویڈیو بنانے والا سلسلہ تو بالکل ہی خراب ہے۔ تم بچوں کو شہ دے کر کسی اچھی راہ پر نہیں لے کر جا رہی ہو۔ مجھے ان لڑکوں میں کھڑی سوہا بالکل اچھی نہیں لگی۔''

''یونیورسٹی بھی تو لڑکوں میں ہی بیٹھتی ہے ویڈیو بنالی تو۔''

''میں صبح ہی اس کے رشتے کے سلسلے میں اپنے جاننے والوں کو کہتا ہوں۔ تم بھی کہہ دو۔ پھر نہ کہنا خود کر دیا۔ اس کا اس گھر سے رخصت ہونا ہی بہتر ہے جب ماں تم جیسی ہو تو۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے چیئر دھکیل کر اٹھ گئے۔

''ماں خراب ہے، باپ کے اندر کا غریب غیرت مند نہیں مر رہا۔'' پیچھے رافیہ کی بڑبڑاہٹیں بھی عروج پر تھیں۔

☆☆☆

''ماما! سارے مشہور ٹک ٹاکرز ڈوئٹ ویڈیو کا کہہ رہے ہیں، سب نے عاصم فارم ہاؤس میں اکٹھے ہونا ہے وہاں نیو ایئر پارٹی رکھی گئی ہے۔ نئے سال کے استقبال کی ویڈیو، آتش بازی کی ویڈیو کے علاوہ جو خاص بات ہے بڑے بڑے ٹک ٹاکرز نے سارے شہر کی ہیوی بائکس اکٹھی کی ہیں گروپ ویڈیوز بنیں گی۔ فالوورز اکٹھے کرنے کا اتنا شاندار موقع پھر نہیں ملے گا۔ میں نے بھی جانا ہے۔'' سوہا لاڈ سے ٹک ٹاک دیکھتی ماں کے ساتھ لگی۔

''تمہارے پاپا کبھی نہیں جانے دیں گے۔ ایک تو رات کا وقت دوسرا پھر سے لڑکیاں لڑکے اکٹھے ہوں گے۔''

''ماما! کچھ کریں پلیز، آپ نے نیہا حق کو دیکھا مجھ سے بعد میں اکاؤنٹ بنایا اب سوا ملین ہو چکے اس کے فالوورز۔'' سوہا میں مقابلہ بازی اور موازنہ والی فطرت ماں سے آئی تھی۔

''اکیلے بھیجوں گی تو ڈرائیور تمہارے پاپا کو بتا دے گا، ایسا کرتے ہیں میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔''

''نہیں ماما، وہاں کسی کی مدر نہیں آرہی ہیں۔'' سوہا حد درجہ متفکر تھی۔ ''ماما، میں نیہا سے کہتی ہوں وہ مجھے پک اور ڈراپ کر دے گی۔''

''تمہارے پاپا سے چوری چھپے کرنا پڑے گا سب کچھ، آج کل ان کے مہروں میں درد ہو رہا ہے۔ کبھی کبھی نیند کی گولی بھی کھا لیتے ہیں۔ ایسا کروں گی کل پین کلر کے ساتھ نیند کی گولی بھی کھلا دوں گی شور شرابے اور پٹاخوں کی کان پھاڑ آواز سے وہ ویسے بھی گھبراتے ہیں بہانہ چل جائے گا۔''

''اوہ مائی گاڈ۔ تھینکس، ماما لو یو۔'' سوہا نے چٹاک پٹاک ماں کے دونوں گالوں پر بوسے دیے۔ رافیہ نے خود بھی بڑی نزاکت سے بیٹی کے گال چھوئے۔

''جمیل بھی اپنے دوستوں کے ساتھ ہوگا اس کے بہانے جاگتی رہوں گی۔ گیٹ بھی کھول دوں گی۔ تم کوشش کرنا جلدی نکل آؤ۔''

''ٹھیک ہے ماما۔ میں ڈریس چیک کر لوں کل کی نیو ایئر نائٹ کے لیے ساتھ میں نیہا اور باقی لوگوں کو انفارم بھی کر دوں۔ ایک ویڈیو بھی ڈال دیتی

ہوں سرپرائز کا بول کر پھر سب لوگ متجسس رہیں گے فالو بھی کریں گے۔''

رافیہ نے سر ہلایا اور پھر سے ٹک ٹاک میں سر دے لیا۔

☆☆☆

رات تیسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی جب اس نے گھر کا موبائل نمبر ملایا جو آدھی بیل پر ہی بزی کر دیا گیا۔ جونہی گیٹ کھلا تو وہ اپنی ون ٹو فائیو اندر لے آیا۔

''اتنا خیال نہ رکھا کرو بلی۔ اگلے مہینے رخصت ہو کر جا رہی ہو میرا تو دل نہیں لگے گا۔'' ثاقب نے محبت سے بہن کو ساتھ لگایا، آصفہ کی آنکھیں چھلک گئیں۔ رات کی فسوں خیزی ایسی تھی کہ ثاقب کی محبت بھری بات نے اس پر دگنا اثر کیا۔

''اللہ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہو بھائی آپ، جلدی سے ہیٹر کے پاس بیٹھیں میں پلاؤ گرم کر کے لاتی ہوں۔''

''نہیں۔ کھانا ورکشاپ پر بہت لیٹ کھایا تھا بس چائے بنا دو بلکہ تم سو جاؤ میں خود بنا لیتا ہوں۔ بعد میں بھی خود ہی بنانی ہے، آج سے ہی آغاز کر لیتا ہوں۔''

بہن بھائی کی آواز سن کر فردوس بھی آ گئیں۔

''ثاقب بیٹا بہت دیر لگا دی۔''

''امی جی! سیزن چل رہا ہے کل نئے سال کی وجہ سے لوگ اپنی گاڑیاں اور بائکس ٹھیک کروا رہے ہیں۔ میں اوور ٹائم [illegible] لگا رہا ہوں کہ شادی پر جتنے پیسے پاس ہوں گے اتنی ہی اچھی بات ہے۔''

''نہ کرو اوور ٹائم، تیاری تو تقریباً ہو ہی چکی ہے۔''

''امی! اس میں کہنے والی کیا بات ہے، آپ کو پتا تو ہے تہواروں کے سیزن ہی تو کمائی کے دن ہوتے ہیں۔ آپ بس دعا کریں میں جلد ہی اپنی ورک شاپ کھولنے کا سوچ رہا ہوں اس میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''اللہ کامیاب کرے، لمبی حیاتی کرے۔'' فردوس بیگم نے بیٹے کا سر چوما۔ وہ ان کی جمع پونجی تھا۔

''آپ بتائیں کوئی چیز رہ تو نہیں گئی تھی جہیز میں سے۔''

''ہر چیز پوری ہے ثاقبہ بھی آنے کا کہہ رہی ہے۔ سارا سارا دن فون کر کے سر کھاتی ہے آصفہ سے کام نہ کرواؤ، آصفہ کی خدمت کرو آصفہ مہمان ہے۔ مہینہ بھر پہلے آ کر بہن کی خدمت کرے گی۔''

ثاقبہ کے ذکر پر ثاقب کے لبوں پر بشاشت بھری مسکراہٹ در آئی۔ وہ دونوں اوپر تلے کے تھے۔ ثاقبہ اس سے محض ڈیڑھ سال چھوٹی تھی اس لیے ان دونوں کی بنتی بھی زیادہ تھی۔ سوئے قسمت، ثاقبہ کا بیٹا بھی ماں کی طرح اس پر جان چھڑکتا تھا۔ جب بھی ثاقبہ رہنے آتی ثاقب کو دوسری بہنوں کی نسبت زیادہ اچھا لگتا تھا۔ اب بھی اس کے مہینے کے قیام اور بھانجے کی شرارتوں کا سوچ کر ہی وہ فریش ہو گیا۔

''اسی جمعہ کو لے آتے ہیں امی۔''

''ٹھیک ہے۔ بھول نہ جانا، میں نوافل پڑھ لوں وقت نکل رہا ہے۔''

ماں کے ساتھ ہی ثاقب اٹھ کھڑا ہوا نیند بے حال کر رہی تھی۔ سونے سے پہلے اس نے موبائل اٹھایا تو ورک شاپ کے اونر کا واٹس ایپ نظر آیا۔ اس نے کھول لیا۔

''عاصم فارم ہاؤس کا بھول نہ جانا ٹھیک گیارہ بجے ہم نے ادھر پہنچنا ہے۔''

ثاقب نے سب [illegible] کر کے رضائی کندھوں تک کھینچ لی۔

☆☆☆

''دیکھا کتنا مزا آ رہا ہے۔ تو دس بجے ہی بھاگنے کو تیار کھڑا تھا۔ امیر لوگوں کی پارٹی ہے سمجھ میں ہی نہیں آتا کیا کھاؤں کیا چھوڑوں۔'' ورک شاپ کا مالک وسیم عرف استاد آٹو بیٹک آدھے گھنٹے سے بلا

مبالغہ کھا رہا تھا۔ "تم بھی کھاؤ نہ تک۔" وسیم نے لکڑی کی تیلی سی سلاخ سے بوٹی نوچی اور دوسری سلاخ ثاقب کی طرف بڑھائی۔

"نہیں استاد۔ میں کھا چکا اب بس چائے کافی کی طلب ہے۔"

"چائے کافی چھوڑ، کشمیری چائے لے کر آ، چاچا فوڈ والا کشور چار سو تیس روپے کا کپ دیتا ہے ادھر مفت میں اعلا درجے کی گلابی چائے مل رہی ہے۔ میں تو دو کپ پیوں گا۔ ویسے نا ان امیر لوگوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں دیکھو کیسے کتنا کھانا بنایا ہے۔"

"استاد۔ پیسہ تو آپ نے بھی بہت دبایا ہوا ہے۔ دل بڑا نہیں کرتے آپ۔ کنجوسی چھوڑ دیں تو گھر سے لڑائی بھی ختم ہو جائے گی اور ادھر اُدھر سے پیٹ میں گوشت بھی اسٹاک نہیں کرنا پڑے گا۔"

"زیادہ باتیں نہ کر، یہ بتا تیرا ہنر کیا کہتا ہے کوئی دس منٹ کار چل تو جائے گی؟"

"استاد! پچاس سال سے بغیر حفاظت کے ہر طرح کے موسم میں باہر کھڑی کار کے انجن کا اندازہ خود لگا لو۔"

"ہمم! مطلب ادھی کل ہی ہے جو دس منٹ نکالے؟"

"جگاڑ تو کر دیا ہے امید ہے ویڈیو وغیرہ بن جائے گی، نہ بھی بنی تو ہم ادھر ہی ہیں پھر سے ٹانکا لگا دوں گا۔ پانچ منٹ نکال جاتا ہے پھر اسپارک کرنے لگتا ہے۔"

"گڈی (کار) واقعی [illegible] سو ہے۔ کیا شان ہوگی صدی پہلے۔ سیٹھ کہہ رہا تھا اس کا دادا انڈیا سے ڈرائیو کر کے [illegible] پاکستان لایا تھا۔ ایسی دھانسو چیز کو تو سونے کی طرح حفاظت سے رکھنا چاہیے تھا۔"

"مجھے ڈرائیور بتا رہا تھا سیٹھوں کا داماد آیا ہے امریکہ سے، اسی کے کہنے پر سیٹ کروائی گئی ہے۔ وہ گوروں میں رہ رہ کر پورا گورا ہی ہے۔ گورے پرانی چیزوں کو نوادرات کے نام پر بہت سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس نے بھی اب یہی کچھ کرنا ہے۔ اپنے چینل کے لیے ویڈیو بنانی ہے وہاں کے میڈیا سے وابستہ ہے ان کو بھی وہ ویڈیو فروخت کرنی ہے۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔ میں بھی کہوں اتنے پرانے کسٹمر ہیں پہلے کبھی اس ڈھانچے کا خیال نہیں آیا۔ اب کہہ رہے ہیں ایک دن میں اس کو ہر طرح سے چالو کر دو۔ روڈ پر دوڑتی نظر آئے۔ سالے ہر کام چٹکی بجاتے کرنا چاہتے ہیں۔"

"جانے دیں استاد۔ اگر ارجنٹ کام کیا ہے تو پیسے بھی تو منہ مانگے لیے ہم نے۔"

"ہاہاہاہاہا۔" استاد وسیم نے بے ہنگم قہقہہ لگایا اچانک ہی اس کی نظر بائیں طرف پڑی جہاں لڑکوں کا گروپ بوتل کھول رہا تھا جس میں سے مواد فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔

"سنا ہے یہ چڑھتی نہیں ہے تو بیٹھ میں ڈھونڈ کر ابھی لایا۔"

"استاد! آپ جانتے ہیں میں نہیں پیتا۔"

"او کشورا۔ تیری پارسائی نے تجھے کہیں جوگا نہیں رکھا ہوا۔ چل تو بیٹھ میں دو گھونٹ لے کر ابھی آیا۔"

ثاقب کو پتا تھا وسیم پارٹی کو ختم کیے بنا نہیں جائے گا۔ وہ اس کے ساتھ آیا تھا اخلاقی طور پر بھی اکیلا نہیں جا سکتا تھا اور پروفیشنل کام یعنی صدی پرانی کار کو ڈرائیو کروا کر معزز امریکی مہمان کو نئے سال میں داخل نہ کر لیتے، اسے یہیں رہنا تھا۔

ثاقب ہال سے باہر نکل آیا [illegible] سارے ہال میں بہترین ہیٹنگ سسٹم تھا لیکن باہر [illegible] سب سے میدانی علاقوں کی مخصوص سردی تھی۔ اس نے ہڈ سر پر ڈالا ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں اور واک کرتے ہوئے نسبتاً گھنے درختوں کی طرف بڑھ آیا۔ وہاں چند لڑکے ویڈیو بنانے میں مصروف تھے۔ وہ وہیں رک کر فارم ہاؤس کی خوب صورت سجاوٹ دیکھنے لگا۔

درختوں کے اوپر ڈیکوریشن کے لیے رنگ برنگی لائٹوں کی لڑیاں ڈالی گئی تھیں لیکن دھند کے

باعث اور کم روشنی کی وجہ سے اجالا محدود ہی تھا۔ دیو ہیکل درختوں سے دھند کا پانی قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا۔ ثاقب سر اٹھا کر آسمان دیکھنے لگا آیا دھند ہے کہ بارش...... اسی لمحے اسے ان لڑکوں کے گروپ میں سے جانی پہچانی لیکن غصے سے بھری آواز سنائی دی تھی۔ سوہا یہاں کیا کر رہی ہے؟ اس نے حیرت سے سوچا پھر خود ہی سر جھٹکا کہ پارٹیز میں مدعو ہونا ریاض فیملی کے لیے انوکھی بات تو نہیں تھی۔

"تم ویڈیو ڈیلیٹ کرو، ابھی میرے سامنے کرو۔"

"سوہا! پلیز، ڈونٹ بی اموشنل۔"

"میں نے کہا ویڈیو ڈیلیٹ کرو بس۔" سوہا کے چلانے پر ثاقب تقریباً دوڑ کر ان تک پہنچا۔

"کیا ہوا ہے سوہا؟" تینوں لڑکے اور سوہا اس کے اچانک آنے پر جہاں حیران ہوئے وہیں سوہا تیر کی طرح اس تک پہنچی۔ بچپن سے اب تک اسے ماں نے یہی سکھایا تھا نثار فیملی سے بات چیت ان کے اسٹینڈرڈ کی بات نہیں چنانچہ کبھی ثاقب نثار کو مخاطب کرنے کا موقع ہی نہیں آیا تھا تو طے کیسے ہوتا کیا کہہ کر بلاتا ہے۔ ابھی بھی سوہا نے ڈائریکٹ ٹینشن ہی بتائی۔

"وحید نے مجھے ڈاج کر کے اپنے ساتھ ویڈیو بنوائی ہے۔ وکی کے فون میں ہے یہ لوگ ڈیلیٹ نہیں کر رہے۔" وہ اب رو پڑی۔

"دیکھو بھائی صاحب، ہم نے کوئی ویڈیو نہیں بنائی۔ بکواس کر رہی ہے۔"

"جھوٹ مت بولو وکی! بکواس میں نہیں تم کر رہے ہو۔" وہ جذباتی ہو کر وکی کے فون کی طرف جھپٹی تو آگے سے وکی نے بھی اسے تھپڑ مارنے کی کوشش کی تو ثاقب بیچ میں آگیا۔ اس نے اس کا تھپڑ مارنے کے لیے اٹھا ہوا ہاتھ موڑ کر پیچھے لگا دیا، دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی جینز میں سے فون نکال لیا۔

اب پیچھے کے دونوں لڑکے بد زبانی کرتے ثاقب پر پل پڑے۔

"سالے، بنائی ہے ویڈیو۔ اب آج ہی سوشل میڈیا پر ڈالیں گے۔ اس کتیا کو بھی فالورز بڑھانے کا شوق ہے اب دیکھنا کیسے فالورز بارش کی طرح برسیں گے۔"

وہ تینوں ہر صورت اس سے فون چھیننا چاہتے تھے۔ وہ تین تھے ثاقب اکیلا جبکہ سوہا وکی والا فون ثاقب سے لے کر کھولنے کی کوشش کر رہی تھی تاکہ ویڈیو ڈیلیٹ کر سکے۔ بارہ بجنے میں چند منٹ رہ گئے تھے ہر طرف بلند میوزک، آتش بازی اور لوگوں کی جوشیلی چیخیں تھیں۔ ایسے میں ثاقب کے بھاری بوٹوں کی ٹھوکر نے ایک لڑکے کا گھٹنا توڑ ڈالا دوسرا اب نیچے سے اٹھ رہا تھا۔ تیسرے کو سمجھ میں آگیا تھا کہ ثاقب کے بجائے سوہا کو قابو کرنا آسان ہے اس نے اس کے لمبے بال جکڑے اور کھینچ کر نیچے مارا۔ وہ منہ کے بل گری اس کے ہاتھ میں پکڑا فون دور جا پڑا۔ شدید سردی میں لگنے والی چوٹ نے سوہا کی چیخیں نکلوا دیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سوہا کو مزید مارتا ایک لڑکا چلایا۔

"وکی! بھاگ کوئی چھڈے کی ویڈیو بنا رہا ہے۔"

ثاقب نے سوہا کو گرانے والے لڑکے کو بھاگ کر پیچھے سے پکڑا لٹکتے ہڈ سے کھینچا اور منہ پر زوردار گھونسا جڑا۔

"بس کرو ثاقب، لوگ متوجہ ہو رہے ہیں میرے پاس فون ہے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

ثاقب اس کے پاس آگیا۔ وہ کراہتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ ہیل ٹوٹ چکی تھی۔ ناک اور گال پر نیچے گرنے سے خراشیں آئی تھیں ماتھے پر گومڑ نمودار ہو رہا تھا۔

"مجھے گھر لے جائیں یہاں سے، بس جلدی لے جائیں کوئی دیکھ نہ لے۔" لوگ نئے سال میں داخل ہو چکے تھے۔ ہر طرف غل غپاڑا تھا۔ وہ زارو قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"پارکنگ اس طرف نہیں ہے دوسری طرف

ہے۔"

"دونوں سائیڈوں پر پارکنگ کا انتظام ہے۔ تم ڈرائیور کو کال کرو وہ اس طرف آجائے۔"

"میں ڈرائیور کے ساتھ نہیں آئی نیہا کے ساتھ آئی ہوں۔"

"او مائی گاڈ نیہا کہاں ہے؟" ثاقب ہکا بکا رہ گیا۔

"باقی گھر والے کہاں ہیں؟ ریاض بھائی کہاں ہیں؟"

وہ مزید گھٹی گھٹی سسکیوں سے رونے لگی۔

"نیہا کش بوائز کے دوسرے گروپ کے ساتھ تھی وہ اس کے ساتھ بھی کچھ غلط نہ کردیں۔ اللہ میں کیا کروں۔ ہائے، میرا اینکل (ٹخنہ) ٹوٹ گیا، میں نہیں چل سکتی مجھے بہت درد ہے۔ نیہا کے ساتھ کچھ غلط ہو گیا تو کیا ہوگا؟" وہ بلند آواز سے رونے لگی۔ ثاقب نے غصے کے باوجود اس کا سر تھپک کر تسلی دی۔

"تم اسے کال کرو فوراً۔" شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔

"وہ نہیں اٹھا رہی۔"

"اس کے گھر کا نمبر ہے تو گھر کال کرو میں بائیک لے کر آتا ہوں۔"

"اس کے گھر کال کرنے سے پاپا کو بھی پتا چل جائے گا کہ میں یہاں آئی ہوں۔" وہ سر پر ہاتھ رکھ کر نیچے بیٹھتی گئی۔

ثاقب پر مزید بجلی گری۔

"تو تم ریاض بھائی سے چوری آئی ہو یہاں؟" ثاقب کا خون کھول اٹھا۔ "نمبر دو مجھے نیہا کے گھر کا، جلدی کرو۔"

"میں خود کرلیتی ہوں۔ آنٹی! مجھے نیہا نہیں مل رہی۔ آپ پلیز، یہاں جلدی آجائیں عاصم فارم ہاؤس۔ جی مجھے چوٹ لگی گر کر اس لیے رو رہی ہوں۔"

ثاقب نے ٹوٹے جوتوں کے ساتھ اسے اپنی ون ٹو فائیو پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ سردی کہہ رہی تھی میں آج ہی ہوں۔ برف کے گولے نما ہوا نے جسم چیرا تو وہ بے ارادہ اس کے ساتھ چمٹ گئی۔ ماتھا اس کی کمر سے ٹکا کر اپنے آپ کو سردی سے چھپانے کی کوشش کرتے وہ آگے کے حالات کے بارے میں نہیں سوچنا چاہ رہی تھی۔ دوسری طرف نیہا کے والدین اسے کال پر کال کر رہے تھے۔

☆☆☆

رافیہ نے الیکٹرک ہیٹر کی ہیٹ کم کر کے ریاض صاحب کے سامنے دو گولیاں اور پانی کا گلاس کیا۔

"آج میں نے کوئی ٹیبلٹ نہیں کھانی اسٹمک (معدہ) بہت تنگ کرتا ہے۔"

"پین کلر نہیں کھانی نیند کی گولی کھالیں۔ بہت شور شرابا شروع ہونے والا ہے آپ کو نیند نہیں آئے گی۔"

"گولی کھا کر بھی بے چینی رہتی ہے رہنے دو ایسے ہی سونے کی کوشش کرتا ہوں، بچے سو گئے؟ کہیں نبیل، حمزہ کو باہر تو نہیں جانے دیا؟"

"نبیل گیا ہے میں اس کا انتظار کر کے سوؤں گی، آپ سو جائیں۔"

"میری اجازت کے بغیر کیسے چلا گیا وہ۔" انہیں ایک دم غصہ آیا۔

"وہ میں نے اجازت دی تھی۔" اندر سے رافیہ خوف زدہ تھی کہیں سوہا کا بھی پتا نہ چل جائے۔

"میرا فون دو میں اس کی طبیعت صاف کروں۔ پچھلے سال ہوائی فائرنگ سے بچہ جاں بحق ہوا تھا بھول گئی ہو کیا؟"

رافیہ ان کو فون دینا نہیں چاہتی تھی لیکن خود ہی ان کے فون پر بیل آنے لگی۔ انہوں کمبل ہٹا کر خود سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھا لیا۔ کال کسی دیرینہ کاروباری دوست کی تھی۔ ان کی بات لمبی ہوتی گئی اور رافیہ کی بے چینی بڑھتی گئی۔ رافیہ کی نظر بار بار کلاک پر اٹھ رہی تھی جہاں بارہ بجنے میں چند ہی منٹ باقی تھے۔ اب بے تحاشا پٹاخوں کی آوازیں

آنے لگی تھیں۔ جونہی ان کا فون بند ہوا انہوں نے بجیل کا نمبر ملا لیا۔ بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن وہ اٹھا نہیں رہا تھا۔ کال کرنے کے بعد اب وہ رافیہ کے ساتھ شروع ہو چکے تھے۔

"میری اجازت کے بغیر بچوں کے مطالبے پورے کر کے تم نے ان کو بگاڑ دیا ہے۔ اب وہ نہ تمہاری سنتے ہیں نہ میری سنتے ہیں۔ کس کام کی میری اتنی محنت جب میری اولاد ہی میری فرماں بردار نہیں ہے۔"

رافیہ نے پرانا حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ وہ ان سے زیادہ ہائپر ہو گئی تاکہ وہ دب جائیں لیکن وقت برا چل رہا تھا رافیہ کا فون مسلسل وائبریٹ ہونے لگا۔

"دیکھ رہی ہو میری عزت، میرا فون اٹھایا نہیں اب تمہیں کال کر رہا ہے تاکہ ماحول سیٹ کر دو، مجھے دو میں اس کی بدمعاشی نکالوں۔"

"نن... نہیں...... بجیل نہیں ہے۔"

تب تک وہ اسکرین پر جگمگاتا سوہا کا نام دیکھ چکے تھے۔

"سوہا کہاں ہے؟" ریاض نے دانت پر دانت جمائے اور بستر سے نکل آئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اوپر کے پورشن میں سوہا کے کمرے میں جاتے گھر کی بیل کی آواز گونجنے لگی۔

☆☆☆

سوہا پر تو افتاد پر افتاد پڑ رہی تھی۔ ایک تو شدید سردی میں بائیک کا سفر، دوسرا خود کی ابتر حالت تیسری افتاد باپ کا سامنے کھڑے ہونا تھا۔ سوہا کی حالت دیکھ رافیہ خود بھی گھبرا چکی تھی۔

"سوری پاپا۔" سوہا کی گھٹی گھٹی سوری پر ریاض صاحب کا ہاتھ اٹھا اور چٹاخ کی آواز کے ساتھ سوہا ایک بار پھر لاؤنج کے کارپٹ پر گری۔ اب وہ جنونی انداز سے رافیہ کی طرف بڑھے تو ثاقب بیچ میں آ گیا۔

"بھائی! بیٹھ کر بات کریں پلیز، میں آپ کو تفصیل بتاتا ہوں۔ وہاں سارے سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ آئے ہوئے تھے یوٹیوبر، ٹک ٹاکرز اور روسٹرز۔ لش بوائز گروپ ایک دوسرے کے دوست ہیں اس گروپ میں یہ سب شامل ہیں اور ہر ایپ پر ایک دوسرے کے خلاف ویڈیوز بنا کر سبسکرائبرز اور فالوورز بڑھاتے ہیں مطلب منفی پروپیگنڈے سے ایک دوسرے کی سپورٹ کرتے ہیں۔ لوگ اس لڑائی کو حقیقت سمجھ کر ان کے ویوورز بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ چینل پروموٹ ہوتا جاتا ہے، اشتہار ملنے لگتے ہیں ڈالرز میں انکم بڑھنے لگتی ہے، شہرت کا نشہ الگ سے سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ وہ اس ویڈیو کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ یوٹیوب پر ان کے ایک فرینڈ نے یہ ویڈیو گندے کیپشن یعنی مشہور ٹک ٹاکر سوہا ریاض کا اس ٹک ٹوکر کے ساتھ افیئر ہے لکھ کر لیک کرنی تھی۔ دوسرے نے اس کے جواب میں ٹک ٹاک پر ویڈیو اپ لوڈ کرنی تھی یا پھر اس نے بھی اپنے یوٹیوب چینل پر اس کا جواب دینا تھا۔ ایک دوسرے کو گالیاں دینی تھیں چار پانچ دن سلسلہ چلانا تھا۔ اس طرح سے لوگوں نے اس جھگڑے کو دیکھنے کے لیے دھڑا دھڑ چینل سبسکرائب کرنا تھے اور ٹک ٹاک فالو کرنے تھے۔ اس سب میں سوہا کے آٹومیٹکلی فالوورز بڑھ جانے تھے۔"

ریاض صاحب ٹکر ٹکر ثاقب کا منہ دیکھ رہے تھے۔ سوشل میڈیا نے ایسا خانہ خراب کیا ہوا ہے انہیں آج پتا چل رہا تھا۔

"اب تو ویڈیو والا فون ہی ٹوٹ گیا نا؟"

"جی جی۔ میں احتیاطاً مزید چوٹ لگا کر توڑ پھوڑ آیا تھا۔"

"ثاقب اس کا اکاؤنٹ ڈیلیٹ کرو، پھڈا ہی ختم ہو جائے۔"

"بھائی! جو ویڈیو ڈاؤن لوڈ کی گئی ہیں وہ دوسری ڈیوائسز میں ایسے ہی رہیں گی۔ لیکن ٹک ٹاک سے ختم ہو جائے گا۔"

"میری قسمت دیکھو۔ ان کو پیسوں کی کمی نہ

آئے میں نے یہی سوچ کر رات دن ایک کر دیے
لیکن غلطی کی۔ اب ان کو شہرت کی بھوک لگ گئی
ہے۔ اس عورت نے اپنی ذہنی آلودگی میری اولاد
کے ذہنوں میں بھی منتقل کر دی ہے۔ اب یہ میری
اولاد نہیں رہی یہ سانپ بن گئے ہیں۔ یہ عورت اور
اس کے تینوں بچے مل کر کے مجھے خبر ہی نہیں کیا چکر
چلاتے پھر رہے ہیں۔ مجھ سے اکتائے رہتے ہیں۔
میری باتوں سے بھاگتے ہیں۔ انہیں میرے
خیالات پسند نہیں ہیں۔ مجھے قدامت پرست کہتے
ہیں۔ ثاقب یار، میں تو لٹ گیا میں برباد ہو گیا۔"

"ریاض! آپ خواہ مخواہ واویلا کر رہے ہیں
حالانکہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ جوان بچے ہیں نئے
دور کے نئے تقاضے ہیں تو کچھ الٹا سیدھا بھی ہو جاتا
ہے، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اپنی اولاد اور بیوی کی
دوسروں کے سامنے یوں بے عزتی کی جائے۔ آپ
کو شرم آنی چاہیے مجھ پر اور سوہا پر ہاتھ اٹھاتے۔"

"ساری شرم میں نے ہی کرنی ہے تم نے اور
تمہارے بچوں نے کوئی شرم نہیں کرنی۔ شرم نہ کر کے
تم نے سب کو آوارہ کر دیا میں نے۔"

"آپ کی انہی باتوں نے ہم سب کو آپ سے
باغی کیا ہے۔"

"رافعہ! چپ ہو جاؤ اب ایک لفظ نہ بولنا۔
نہیں تو میں کچھ ایسا بول دوں گا جو اس عمر میں
شرمندگی کا سبب بنے گا۔"

"آپ کو کوئی شرمندگی نہیں ہوتی جو بھی
شرمندگی ہے وہ ہمارے لیے ہے۔"

"دیکھا۔ دیکھا، ثاقب ایسی عورتیں ہوتی ہیں
جو بچوں کے ساتھ مل کر شوہر کو قتل کر دیتی ہیں۔ مجھے تو
اپنی زندگی کی فکر پڑ گئی ہے۔ عزت تو انہوں نے
رہنے نہیں دی۔ اس سے پہلے کہ یہ میری جان لے
لیں میں ان سب کو ان کے ٹھکانوں پر پہنچاتا ہوں۔"

"سوہا! کوئی لڑکا تمہیں پسند ہے تو صبح اس کو
بلاؤ میں صبح ہی نکاح کروا کے تمہیں رخصت کروں۔
بعد میں اس عورت کو دیکھوں گا اس کا کیا کرنا ہے۔
لڑکوں کی مجھے کوئی فکر نہیں وہ جو مرضی کرتے پھریں۔
ٹکا نہیں دوں گا میں کسی کو بھی اپنی جائیداد کا، ایدھی کا
دے جاؤں گا۔"

"پاپا! ایم سوری..... پلیز پاپا، اتنا غصہ نہ کریں
میں پھر کبھی آپ سے چوری کچھ نہیں کروں گی۔ آپ
کی ساری باتیں مانوں گی۔"

"تو ٹھیک ہے بلاؤ اس لڑکے کو، کل شام تمہارا
نکاح پڑھوا کے رخصت کروں۔"

"پاپا! میرا یقین کریں ایسی کوئی بات نہیں
ہے۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا بعد میں
وہ نارمل بات کرنے لگ گیا لیکن مجھے فوراً ہی پتا چل
گیا یہ لوگ ویڈیو بنا رہے ہیں۔ پندرہ بیس سیکنڈ کی
ویڈیو ہو گی بس، باقی ساری باتیں آپ کو ثاقب چاچو
نے بتا دی ہیں۔"

"اپنے سرکل میں سے جو تمہیں پسند ہے صبح
بلاؤ۔ میں ہر صورت اسی ہفتے اس کا نکاح کر کے اس
کو رخصت کرنا چاہتا ہوں۔"

سوہا کے ہاتھ میں پکڑا فون پھر سے بجنے لگا۔
ریاض کے اشارے پر اس نے رسیو کر کے اسپیکر پر
کال لگا دی۔

"سوہا۔ کہاں ہو تم؟" نیہا کی ماما کی کال تھی۔

"وہ میں۔۔۔" وہ سوہا کی سننے سے پہلے ہی
شروع ہو گئیں۔

"ہم لوگ نیہا کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا رہے
ہیں لش بوائز کے خلاف ایف آئی آر کٹوانی ہے۔ تم
بھی پہنچو بلکہ اپنی ماما سے بات کرواؤ۔"

ریاض صاحب نے ہاتھ بڑھا کر فون پکڑ لیا۔

"ہیلو...... جی بہن جی...... میں سوہا کا فادر
بات کر رہا ہوں۔"

"بھائی صاحب، لڑکوں کے اس گروپ نے
میری بیٹی کی دھوکے سے ویڈیو بنائی، ہراس بلکہ
کڈنیپ کرنے کی کوشش بھی کی۔ مجھے پکا یقین ہے
سوہا کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا گیا تبھی اس نے روتے
ہوئے مجھے کال کی تھی۔ ہم چاہتے ہیں آپ بھی ایف

آئی آر لکھوائیں ہم بھی لکھوائیں تو کیس بہت مضبوط بنے گا۔" خاتون بے تحاشا جذباتی ہو رہی تھیں، ایک ہی سانس میں ریاض صاحب کو موقع دیے بنا بول گئیں۔

"معاف کیجیے گا خاتون، میری بیٹی کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔"

"شرم نہیں آتی جھوٹ بولتے؟ آپ کی بیٹی کی بری حالت میں فون پر نوٹ کر چکی ہوں۔ جس طرح سے بچی پریشان تھی اور رو رہی تھی آپ کیسے ان درندوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔"

"سوہا کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا کتنی بار بتاؤں۔" ریاض احمد نے اب سرد انداز میں بول کر فون بند کر دیا۔ کال پھر سے آنے لگی تھی۔ بار بار آنے لگی تو ریاض احمد نے پھر سے ریسیو کر لی۔ اب نیہا کا باپ تھا۔

"مسٹر ریاض! کہیں آپ کی بیٹی تو اس سب میں ملوث نہیں؟"

انہوں نے قہر آلود نظر رافیہ اور سوہا پر ڈالی۔

"آپ میری بیٹی پر الزام لگا رہے ہیں۔"

"الزام ہے یا نہیں، یہ فیصلہ کورٹ کرے گی میں ایف آئی آر میں سوہا کا نام لکھوا رہا ہوں۔ اب آپ تعین کر لیں وہ نیہا کے حق میں بولے گی یا......"

"میں آپ کی بیگم کو بتا چکا ہوں سر کہ میری بیٹی کو اس سارے معاملے کی کچھ خبر نہیں۔ آپ کا کیس مضبوط کرنے کے لیے میری بیٹی تھانے کچہری کے چکر کیوں لگائے؟"

"ریاض صاحب! آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے خواتین کو ہراساں کرنے والوں کے حوصلے بڑھتے ہیں آپ یہ کیوں نہیں سوچتے۔"

"سر! آپ تو ایسے بتاؤں ایسا کچھ ہوا ہی نہیں میری بیٹی پارٹی میں ضرور گئی تھی۔ وہاں میرا داماد بھی موجود تھا، آپ کی بیٹی کسی اور سمت چلی گئی۔ میری بیٹی داماد کے ساتھ رہی۔ کیک بننے کے دوران کسی کا پاؤں اس کے پاؤں پر آ گیا جوتے کی ایڑی ٹوٹی تو بچی کے پاؤں میں موچ آ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ جلدی گھر آ گئے۔ اس دوران انہوں آپ کی بیٹی کو کال کی لیکن اس نے پک نہیں کی۔ وہ شاید بزی تھی، سوہا کو سخت درد تھا چنانچہ وہ گھر آ گئے تھے۔"

ثاقب، سوہا، رافیہ حتی کہ ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوئے نبیل کی آنکھیں بھی پھٹنے والی ہو چکی تھیں۔ رافیہ نے بے چینی سے انہیں جھنجوڑ ہی ڈالا چاہا ریاض احمد نے انہیں تقریباً دھکا دے کر دور کیا۔

"سوہا کی شادی تو نہیں ہوئی۔" فون میں سے نیہا اور اس کی ماں کی حیرت بھری آوازیں ان تک پہنچیں۔

"نکاح ہو چکا ہے، رخصتی ابھی نہیں ہوئی ان شاء اللہ جلد متوقع ہے، آپ کو میں خود کارڈ دینے آؤں گا۔"

نیہا لوگوں کے لیے یہ سب بالکل ہی غیر متوقع تھا سو ان کے لمحاتی تذبذب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاض احمد مزید بولے۔

"بیٹی کی سسرال ذرا قدامت پرست ہے وہ لوگ تھانے کچہری کے چکر کو برا سمجھتے ہیں پھر بھی آپ کہیں تو ہم حاضر ہیں ہر قسم کے تعاون کے لیے۔ داماد بھی وہیں تھا آپ کہیں تو میں ثاقب کو لے کر ابھی حاضر ہو جاتا ہوں کسی تھانہ میں۔"

"ہم آپ لوگوں کو زحمت ضرور دیں گے، ابھی تھانے پہنچ چکے ہیں پھر بات کرتے ہیں اللہ حافظ۔"

"ریاض! آپ کس کی بات کر رہے تھے؟"

"ثاقب کی۔" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولے۔

سب کے ایک بار پھر رنگ اڑ گئے۔

"ثاقب مجھے امید ہے تم میری اولاد کی طرح مجھے مایوس نہیں کرو گے، فردوس چچی نے بھی آج تک میری بات نہیں ٹالی، ابھی تم جاؤ چچی کو میرے فیصلے کا بتاؤ، آج ہی نکاح کرنا ہے یہ پھڈا لمبا چلنے والا ہے۔" پھر بیوی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

اس مسئلے سے ذرا نکل آؤں تم سے بعد میں

سنوں گا۔"

☆☆☆

"ماما۔ میرے ساتھ جو بھی ہو رہا ہے صرف آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ایسے ہز بنڈ کا میں نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ موٹر مکینک، ان پڑھ، جاہل ثاقب نثار سوہا ریاض احمد کا شوہر۔" وہ میک اپ کی پروا کیے بنا پھوٹ کر روئی تو رافیہ نے بھی آنکھیں رگڑیں۔

"بے بی! تم ٹینشن نہ لو میں اس کو ہمیشہ کے لیے تمہارا شوہر تھوڑی رہنے دوں گی۔ جلد ہی کوئی ... کیب لڑاتی ہوں۔"

"ایک مہینہ چودہ دن تھے تو سہی، کیا کر لیا آپ نے۔ لوگ محبت کا عالمی دن منا رہے ہیں میری زندگی برباد ہو گئی آج۔"

"مجھے غریب رشتے دار گوارا نہیں تمہارے باپ نے داماد ہی غریب غرباء بنا دیا، میری تو عزت دو کوڑی کی ہو گئی۔ کوئی ایک خوبی تو ہوتی، یہ بدشکلا کالا کلوٹا، غریب مسکین اوپر سے ان پڑھ جاہل۔ چلو خوب صورت ہی ہوتا میں بیگمات سے کہہ دیتی خوب صورتی دیکھ کر بیٹی دی ہے۔" بات کے خاتمے تک رافیہ کے منہ سے سسکی نکل گئی۔

"میری بات غور سے سنو سوہا۔" سوہا نے آنسو بھری آنکھیں ماں پر جما دیں۔ "خوامخواہ اس کالے کو فری نہ ہونے دینا، میری بات سمجھ رہی ہو۔ اسے کہنا اپنی ماں کے کمرے میں سوئے۔ میں یہ رشتہ زیادہ دیر تک نہیں چلنے دے سکتی۔ باڈی گارڈ ... پاس رکھنا کوئی ایسی ویسی حرکت کرے تو ... [illegible]"

"کتنی دیر ہے ابھی۔" ریاض اور جمیل اکٹھے اس کمرے میں داخل ہوئے۔

رافیہ نے گھر کے لان میں سادہ سا انتظام کروایا تھا تاکہ کم سے کم لوگوں کو اس شادی کی خبر ہو۔ جنوری کو نکاح ہوا تھا آج یعنی چودہ فروری تک ... کی چال کامیاب نہ ہو سکی تھی حتی کہ کسی ہم پلہ

گھرانے کا رشتہ بھی نہ مل سکا۔ ستارے گردش میں تھے۔ رافیہ کو اپنی لاڈلی اور سر چڑھی بیٹی ثاقب نثار کے گھر رخصت کرنی پڑ رہی تھی۔ آگے کا لائحہ عمل وہ سوہا کو رٹا چکی تھی۔ ابھی اس نے ہار نہیں مانی تھی کل ہی بیس ہزار اور سوہا کی تصویر ایک میرج بیورو کو دے کر آئی تھی۔ ڈیمانڈ پرانی ہی تھی اپر کلاس۔

ثاقب نثار کے برابر بیٹھ کر وہ مزید سفید و خوب صورت لگ رہی تھی یا شاید اس کے برابر بیٹھ کر ثاقب کی رنگت سانولی سے سیاہ ہو گئی تھی۔ کوئی فیصلہ نہ کر پایا۔

"جو چند لوگ ہیں آپ کے سگے آپ کے محلے والے وہی اتنی باتیں کر رہے ہیں اس بے جوڑ شادی پر میرا یا آپ کا سرکل کیا کیا نہ کہے گا خود سوچیں۔"

ثاقبہ ان میاں بیوی کی دھیمے سروں میں سلگتی باتیں سن کر چپ چاپ بھائی کے پہلو سے اٹھ گئی۔ ثاقب کی مجبوری تھی وہ سب سنتے ہوئے بھی اٹھ نہیں سکتا تھا۔

"ریاض! آپ مجھے سزا دے لیتے سوہا کی زندگی سے تو نہ کھیلتے۔"

"یہ تم دونوں کی سزا ہی تو ہے۔" ریاض احمد نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

"سزا ہے تو پھر میں جلد یا بدیر اس کو ختم کر ہی دوں گی۔"

ثاقب کے دل میں چھناکے سے ریاض احمد کا بت ٹوٹا۔

"ریاض بھائی! ایسی کیا خامی ہے مجھ میں جو میں سزا ہوں؟"

اس کا دل کیا گلے میں پڑی مالا پھینکے اور ... کھڑا ہو کر پوچھے، پیسہ کم دونوں میاں بیوی سے ... ہونا، عام محلے میں رہنا اور رنگ صاف نہ ہونا سزا ہے؟ غلطی ان کی خود کی تھی تو سزا بھی اپنی حیثیت کی دے لیتے۔ اس پر احسان ... ریاض احمد نے بھاری معاوضہ وصول کیا تھا۔ اس کا دل دھوئیں سے بھر گیا۔

"ثاقب جیسا ہیرا دے کر میں نے تم پر مزید

احسان کر دیا ہے اب آگے تمہاری مرضی، ماں کے نقش قدم پر چلو گی تو مزید بربادی لاؤ گی۔ اگر ثاقب اور بچی کے دل میں مقام بنالو گی تو میرے دل میں بھی تمہاری پہلی جگہ بحال ہو جائے گی ورنہ ابھی تک تو تم میرے دل سے اتر چکی ہو۔ اس ڈیڑھ مہینے میں جو کچھ تمہاری ماں کرتی رہی ہے مجھے سب خبر ہے تم نے بجھنے سمجھانے کے بجائے اس کا مزید ساتھ دے کر خود کو رافیہ سے زیادہ احمق اور سخت دل ثابت کیا ہے۔ ابھی وقت ہے عقل پکڑ لو۔'' ریاض احمد نے نصیحت کے ساتھ ساتھ دنیا دکھاوے کو سوہا کے سر پر ہاتھ رکھا، ثاقب پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

☆☆☆

وہ خاصا بڑا لاؤنج تھا دائیں دیوار والے صوفے پر سوہا کو بٹھایا گیا۔ فردوس بیگم نے آوازیں دے دے کر ثاقب کو بھی بلا لیا اب ایک بار پھر ثاقب نثار اس کے پہلو بیٹھا تھا۔ گھر میں مہمان ٹھیک ٹھاک تھے کیونکہ اگلی صبح آصفہ کی بارات اور ان کا ولیمہ تھا۔

''ارے کوئی گانے ہی چلا دو کوئی شغل میلہ کر لو گھر کی اکلوتی بہو آئی ہے۔ خیر سے کل بیٹی بھی رخصت ہو جائے گی۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا خوشی کا موقع ہوگا۔'' سوہا نے گردن گھما کر بھاری بھرکم وجود کی مالک خاتون کو دیکھا جو یقیناً اس کے باپ کی بھی رشتے دار ہی تھی۔ ایک دم ہی صوفے کے پیچھے چھپے بفرز سے آواز گونجنے لگی۔

چن کے تو لے گئی بھر واں چہ بھرو

جیٹے نی اپنے تو بھاگ دیکھ لے

ثاقبہ نے ہاتھ میں پکڑی کھانے کی پلیٹ کسی کو پکڑائی اور ڈانس شروع کر دیا۔ سوہا کو از حد کوفت ہوئی، ثاقبہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ بچے کی حرکتیں اور ڈانس اتنا پیارا تھا کہ سارا لاؤنج تالیوں سے گونجنے لگا۔

''ثاقبہ تو پیدائشی زندہ دل اور شرارتی ہے آگے بیٹا تو ماں سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔'' ساتھ والے صوفے پر بیٹھی خاتون سے سوہا کو پتا چلا وہ ماں بیٹا دھمالیں ڈال رہے ہیں۔ جانے اس بچے نے کون سی حرکت کی تھی یا اسٹیپ کیا تھا کہ ثاقب اس کے پہلو سے اٹھ کر بچے کو اٹھا کر دھڑا دھڑ چومنے لگا۔ ثاقبہ ناچتے ناچتے سوہا کے پاس آ گئی۔ وہ اس کا ٹیکا درست کرتے ہوئے ہل جھل رہی تھی۔ اب اس نے سوہا کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔

ہینڈسم کتنے آ جاتی ملے ہے

ماہیاں وی میرے نی تو گل چھنڈ دے

سوہریاں نوں ہنا چھوڑا لا ب دیکھ لے

چن کے تو لے گئی بھر واں چہ بھرو

جیٹے نی اپنے تو بھاگ دیکھ لے

وہ ناچتے، گاتے، خوشی مناتے سوہا کو باور کرا رہی تھی۔ سوہا کا دل کیا کہہ دے۔

''بھاگ تو تم لوگوں کے کھلے ہیں بیٹھے بٹھائے سوہا ریاض احمد گھر آ گئی ریاض احمد کے گھر جانے کا راستہ مل گیا ورنہ تم غریبوں کو کون پوچھتا تھا۔''

خرابی ساری سوچ کی تھی جو رافیہ نے اپنے بچوں میں منتقل کی تھی اسے سب کچھ پیسہ ہی لگتا تھا۔

کمرہ پرانا لیکن کشادہ تھا فرنیچر بھی نیا ڈلوایا گیا تھا۔ جہیز کے نام پر رافیہ نے تنکا تک نہیں خریدا تھا۔ ریاض احمد نے جہیز کے نام پر جو کیش دینے کی کوشش کی وہ ثاقب نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اپنے پیسوں سے کمرہ سیٹ کیا گیا تھا۔ دیدہ زیب بیڈ کے ساتھ میچنگ پردے، صوفہ اور ڈریسنگ ٹیبل تھا۔ کبرڈ دیوار میں نصب تھی۔ جائزہ لینے کے بعد سوہا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔ وہ میک اپ صاف کر چکی تھی جب دستک دے کر ثاقبہ اندر آئی۔ اسے اس طرح دھلے چہرے کے ساتھ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی بے چینی ہوئی پھر فوراً ہی وہ نارمل بنتے ہوئی۔

''اچھا کیا، ایزی ہو گئی ہو۔ میں سمجھ سکتی ہوں! تمہیں ہم سب لوگوں سے الجھن ہو رہی ہوگی۔ اصل میں تم لوگوں کا ماحول ہم سے قدرے مختلف ہے۔

ہولے ہولے ہی عادی ہو گی۔'' سوہا چپ ہی رہی۔
''چائے پیو گی؟ ثاقب چائے کا کافی شوقین ہے تمہیں بھی عادی کر دے گا۔'' اس کے لہجے میں بھائی کی محبت ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔ ''ہمارا اکلوتا بھائی ہے میرا تو بیسٹ فرینڈ بھی ہے۔'' اب وہ مسکرائی بھی۔ سوہا کو مزید بیزاری ہونی تو... وہ خود ہی بولی۔
''صبح باتیں کریں گے۔''

اس کا دل نہیں تھا کمرے میں جانے کا لیکن سب کے بار بار وقت کا احساس دلانے پر اسے آنا ہی پڑا تھا۔ آگے وہ لیلن کے آرام دہ سوٹ میں سادہ چہرے کے ساتھ ٹانگیں کمبل میں چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کے سلام کا جواب بھی نہیں آیا تو اس نے الماری سے اپنا لباس نکالا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''تم کہاں سوؤ گے بیڈ پر یا صوفے پر؟'' ماں نے رٹا کر بھیجا تھا دبنا نہیں ہے، اوقات میں رکھنا ہے۔ ہم سے بہت کم تر لوگ ہیں۔ کمتری کا اندازہ تو اسے مہمان دیکھ کر بھی ہو گیا تھا۔ والدین کے سرکل سے ہزار گنا مختلف لگ رہے تھے یہ سب۔

''کس قدر مختلف برات ہوتی اگر اس کی جگہ ہم جیسے گھر کی لڑکی سے میری شادی ہوئی ہوتی۔ میں اس سوال کا جواب بھی کچھ اور دیتا۔ سوچیں جھٹک کر اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کر دیا۔

وہ کمبل اٹھا کر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ اب بیڈ پہ کوئی کمبل ہی نہ تھا۔ باہر نکلنے سے بہتر لگا الماری سے کچھ ڈھونڈ لینا چاہیے۔ بالآخر اسے اپنی گرم چادر مل گئی۔ چادر کندھوں تک اوڑھ کر اسے طرح طرح کی سوچیں آنے لگیں۔

''جانے کب تک اس امانت کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ آثار تو یہی کہہ رہے ہیں اس کی والدہ ماجدہ جلد سزا ختم کروا لے گی۔''

وہ اس وقت آٹھویں جماعت میں تھا جب ریاض کا ستارہ چمکنے لگا لیکن ان کے گھر کا چاند ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔ نثار احمد کے مرنے سے زندہ بچ جانے والوں کا زیادہ نقصان ہوا۔ دو اس سے بڑی بہنیں تھیں، دو چھوٹی۔ باپ کی چھوڑی ہوئی کریانے کی دکان اسے چلانی نہیں آئی۔ مہینوں میں دکان ختم ہو گئی۔ گھر میں فاقوں کی نوبت آنے والی تھی کہ ریاض احمد آ گئے۔ انہوں نے اسے اپنی جاننے والے کی ورکشاپ پر بٹھا دیا اور گھر کا راشن خود دینے لگے۔ جب اس نے میٹرک پرائیویٹ کیا تب تک وہ گاڑیوں کا کاریگر ہو چکا تھا۔ اس دوران ریاض احمد اس کی ایک بہن کی اپنے خرچے پر شادی بھی کر چکے تھے۔ جونہی وہ کاریگر ہوا ریاض احمد نے اس ورکشاپ سے اسے اٹھا کر اپنے جاننے والے کی دوسری ورکشاپ میں مناسب تنخواہ پر ملازم رکھوا دیا۔ یہ ملازمت اس کی زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوئی۔ اپنی ذہانت اور ہنر مندی کی بدولت بہت جلد مالکوں کا منہ چڑھا ملازم بن گیا۔ یہ شہر کی سب سے بڑی ورکشاپ تھی جہاں روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں گاڑیاں ٹھیک ہونے آتی تھیں ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ثاقب سے سروس لے۔

ہر آنے والا دن اس کی حیثیت کو مستحکم کرتا گیا۔ مالی حالات بہتر ہوتے گئے یہاں تک کہ اس نے دوسری بہن کی شادی اپنے بل بوتے پر کی۔ اسی بیچ گھر کی چھت دوبارہ سے ڈلوائی جو جگہ جگہ سے ٹپکنے لگی تھی۔ چھوٹی عمر میں اسے لوگوں کی پہچان ہوتی گئی۔ پبلک ڈیلنگ انسان کی حسیات کو معمول سے زیادہ ایکٹو کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ریاض احمد کی فیاضی اور نیک دلی اسے ہمیشہ اسے نظر جھکائے رکھنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ جبکہ رافیہ وہ ہستی تھی جس کی وجہ سے اس کی ماں اور بہنوں نے ریاض احمد کا در چھوڑا تھا حالانکہ فردوس انہیں بڑے بیٹے کا درجہ دیتی تھیں لیکن رافیہ کی زبان کا زہر ہر احساس کا خون کرنے کو کافی تھا۔ کافی دفعہ اس کے ذہن میں خیال بھی آتا کہ رافیہ بھابھی سے کہے دس سال سے اس نے کبھی ریاض احمد کی مالی معاونت نہیں لی وہ خود بہترین کما رہا ہے۔ بچت کے نام پر اکاؤنٹ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود رہتا ہے لیکن وہ بھی

کہہ نہیں پایا کیونکہ رافیہ کی نفسیات کہتی تھی وہ عورت یقین نہیں کرے گی۔

ریاض احمد کی وہ دل سے عزت کرتا تھا کہ وہ نہ ہوتے تو ثاقب شہر کا بہترین مکینک نہ ہوتا۔ کشادہ رزق کا سبب اس کا مکینکل ورک تھا جس کی بنیاد ریاض نے رکھی تھی۔ یہ شادی بھی اسی احسان کے بوجھ تلے دب کر کی گئی تھی۔ فردوس بیگم سمیت کوئی دل سے راضی نہ تھا۔ سب کو خبر تھی ریاض اور رافیہ کے تنازعے میں کی جانے والی اس شادی کی عمر نہایت مختصر ہوگی۔ ثاقبہ کے علاوہ اس کی بہنوں کو تو یہ بھی گلہ تھا کہ خواہ مخواہ میں ان کا راج دلارا بھائی دوہا جو یعنی کنوارہ نہ کہلائے گا۔ فردوس اور ثاقب نے ان کے غصے کو درخور اعتناء نہ جان کر ریاض کی خاطر نکاح بھی کر لیا تھا اور اب انہی کے کہنے پر رخصتی بھی لے لی تھی۔ سب کچھ خود کروا کر پھر ثاقب کی کم حیثیتی کو خود ہی سزا کہنا اسے ابھی تک چبھ رہا تھا۔ چبھتی سوچ سے چھٹکارے کے لیے اس نے صبح آصفہ کی بارات کے انتظامات کا سوچنا شروع کیا تو نیند بھی مہربان ہوگئی۔

☆☆☆

گلابی اور فیروزی رنگ کے امتزاج کی نفیس و بھاری بھرکم میکسی نے اسے لحہ بھر کو ٹھٹکنے پر مجبور کیا تھا۔ اتنے قیمتی لباس اور چواس کی وہ توقع نہیں کر رہی تھی خیر مجھے کیا کہہ اس نے سر جھٹک دیا۔

''چلو سوہا۔ تمہیں پارلر میں بھی وقت لگے گا ہمیں ہر حال میں آصفہ کی بارات سے پہلے ہال میں پہنچنا ہے۔'' ثاقبہ تیزی سے اس کی میکسی کے ساتھ کی میچنگ جیولری وغیرہ شاپر میں ڈال رہی تھی۔

''میں تیار ہوں۔''

''ایسے ہی، میرا مطلب ہے وہ چادر لے لو جو میں نے نکال کر رکھی ہے۔ یہاں نئی دلہن کا دوپٹے میں باہر نکلنا پسند نہیں کیا جاتا۔''

چادر جتنا بڑا دوپٹا ہے تو سہی، اب بھی نہ اچھا سمجھیں تو سب کی مرضی۔''

ثاقبہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سوہا کو اندازہ ہو رہا تھا اس کی حیثیت یہاں بادشاہ جیسی ہے باقی سب بے وقعت اور جی حضوری کرنے والی رعایا ہیں۔

ہال میں بھی آصفہ سے زیادہ نظریں اس پر اٹھتی رہیں۔ وہ واقعی ان سب سے جدا تھی۔ روپہلے روشن روشن حسن کو چار چاند اس کی نخوت اور شاہانہ مزاج لگا رہا تھا۔ رافیہ ویسے تو کبھی بھی اس شادی میں شریک نہ ہوتی لیکن اب بیٹی کی خبر گیری کو وہ اولین مہمانوں کے ساتھ پہنچی تھی۔

''کیسی ہے میری پرنس؟'' اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ کر اس نے رازداری سے پوچھا بلکہ اس کے چہرے کو کھوجا۔

''بالکل ٹھیک ہوں ماما۔''

''باڈی اسپرے کی ضرورت تو نہیں پڑی۔''

نہیں ماما! وہ خود ہی صوفے پر سویا تھا۔''

''پھر بھی ٹرسٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''ماما! وہ سب لوگ مجھ سے بہت دبتے ہیں یوں سمجھیں میں کوئی بریگیڈیئر ہوں اور وہ فورتھ کلاس ملازم۔'' اپنی مثال پر وہ خود ہی مسکرائی تو ثاقبہ نے اس دلنشیں مسکراہٹ کو کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

''شاباش۔ دو ٹکے کے لوگ۔ دو ٹکے کا موٹر مکینک میری سوہا کا شوہر، سوچ کر ہی میری کنپٹیوں پھٹنے لگتی ہیں۔ جلد ہی حل نکال لوں گی اس اذیت کا تم پریشان نہ ہونا۔ ابھی تمہاری ماما زندہ ہے۔ رافیہ نے اس کے مہندی لگے ہاتھ کی پشت چومی۔

''ماما! آپ ڈپریس نہ ہوں میں وہاں بہت کمفرٹیبل ہوں۔ ثاقب کو بھی کمرے سے نکال دوں گی۔ ابھی تو مہمان ہیں گھر میں اس لیے چپ ہوں۔''

''گڈ، ایسے ہی حالات کا مقابلہ کرو۔ تم تو میرا جانو بچہ ہو۔''

''میرا فون رکھ لو سوشل میڈیا پر وقت گزاری ہو جائے گی۔''

''سوشل میڈیا پر کیا جاؤں ماما، سب اکاؤنٹ

ڈیلیٹ ہیں۔ ویسے بھی کسی جاننے والے نے شادی کا پوچھ لیا یا پکس مانگ لیں تو کیا کروں گی۔ میں پاپا کو ہر حال میں منانا چاہتی ہوں پھر سے فون لے لیا تو وہ اور ناراض ہو جائیں گے۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔"

بارات والی خواتین اور فوٹو گرافر کو آتے دیکھ کر وافیہ سرعت سے اسٹیج سے اتری۔ پھر وہ ہال میں رکی نہیں بلکہ سیدھا گھر آ کر دم لیا۔ جو وہ باور کرانا چاہتی تھی فردوس، ثاقب اور اس کی بہنیں اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

☆☆☆

آصفہ ہنی مون پر جانے سے پہلے ملنے آئی تو اسے حیرت ہوئی کہ یہ لوگ بھی ہنی مون پر جاتے ہیں۔ اسے تو لگتا تھا انہیں کسی چیز کی کوئی خبر نہیں، ان کا مسئلہ تو صرف روٹی ہے۔ آصفہ کے جانے کے بعد ثاقب نے بھی اپنا کمرہ علیحدہ کر لیا۔ اسے کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ریاض ہاؤس جانے پر اسے باپ کی بے رخی سہنی پڑتی تھی اس لیے وہ جاتی ہی نہیں تھی۔ ویسے بھی اسے یہاں ہر طرح کا آرام تھا۔ فردوس بیگم کے ہاتھ گویا چھوٹا بچہ آ گیا تھا جس کے آرام کا، کھانے پینے کا وہ خود سے بڑھ کے خیال رکھتی تھیں۔ ہر چیز اس کی پسند سے بناتیں جو اسے حریدا کر ادیتی۔ ان کی بیٹیاں بھی اس بات پر ناراض ہوتی تھیں کہ آپ کیوں اس کے کام کرتی ہیں، وہ ہنس کر ٹال جاتیں کہ کتنے دن کام کروں گی؟ کبھی تو یہ سلسلہ کسی کنارے لگنا ہی ہے وہ محلوں کی رانی ہمارے گھر آ گئی ہے تو اذیت کیوں دیں۔

اس واقعہ کے بعد سے ریاض احمد نے اس سے سمارٹ فون لے لیا تھا جس کی وجہ سے اسے سوشل میڈیا کی عادت نہیں رہی تھی۔ عام سا فون اس کی ماں سے بات کرنے کی ضرورت بخوبی پوری کر رہا تھا۔ وقت بھلے اس کی توقع سے اچھا گزر رہا تھا لیکن وہ جلد از جلد اس دائرے سے مکمل نجات چاہتی تھی۔

وہ جمعہ کا دن تھا سوہا کو گزرے ڈیڑھ مہینے میں ثاقب کا اندازہ ہو گیا تھا وہ جمعہ کو آف کرتا تھا یا پھر جمعے کے دن عصر کی نماز کے بعد گھر سے نکلتا تھا اور رات گئے آتا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی چینل بدل رہی تھی جبکہ فردوس بیگم حسب معمول کچن میں تھیں جب وہ رف سے حلیے میں لاؤنج میں آیا یقیناً ابھی سو کر اٹھا تھا۔

"تم یونیورسٹی کیوں نہیں جوائن کر لیتیں؟ گھر میں رہ کر امی کے کام بڑھاتی ہو خود بھی بور ہوتی ہو گی۔"

"یونی جوائن کروں اور اپنا مذاق بنوا لوں۔ واٹ آ ریلیٹیبل تھاٹ۔ بوریت کا تم لوگوں کو بھی پتا ہے ہاؤ فنی۔"

پہلی بار اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہم بھی اسی دنیا میں رہتے ہیں۔"

"ہمم .... مطلب اس عظیم جاگیر کے نواب ہو۔" اس نے صاف مذاق اڑاتے لب و لہجے میں اس کے گھر کا مذاق اڑایا۔

"قیمے والے پراٹھے بنائے ہیں لے آؤں ناشتا؟" فردوس بیگم نے کچن سے آ کر ثاقب سے پوچھا۔

"آپ بیٹھیں میں خود لے کے آتا ہوں۔"

"لو بھلا لانے میں کیا مشقت ہو جائے گی مجھے۔" وہ محبت آمیز ڈانٹ کے ساتھ واپس کچن میں مڑ گئیں۔

"ثاقب! موسم بدل رہا ہے۔ ثاقبہ کہہ رہی تھی سوہا کے موسم کے کپڑے بھی خرید لاؤ۔"

ثاقب نے بے ساختہ سر پر ہاتھ پھیرا، یہ ثاقبہ بھی ناہم پر دانش ور لگی ہوئی ہے۔ لیکن منہ سے کہا۔

"امی کر آئیں شاپنگ۔"

"میں اور بچی کے لائے کپڑے پہنوں گی؟" باپ کی دیکھا دیکھی وہ بچپن سے ہی فردوس کو چچی کہتی تھی۔

"پتا بھی ہے میں کہاں سے شاپنگ کرتی ہوں"

وہ ہمیشہ کی طرح نظریں جھکائے خاموش ہی رہا۔

"ثاقب تم سوہا کو پیسے دے دو یہ اپنی ماما کے ساتھ خود خریداری کرلے گی۔"

"ٹھیک ہے امی۔" مختصر سی بات کے بعد وہ پھر سے پراٹھوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ایسا کرو مجھے ابھی پیسے دے دو اور ماما کی طرف بھی چھوڑ دو رات کو میں ڈرائیور کے ساتھ آ جاؤں گی۔" ماں کے پاس رکنے میں وہی باپ والی قباحت تھی۔ سوہا کو لگتا تھا وہ اسے رافیہ سے دور رکھنا چاہتے تھے وہ بھی یہی تاثر دینے کی کوشش کرتی تھی کہ وہ اب سیٹ ہو چکی ہے۔

"امی! میرا سفید کاٹن کا سوٹ نہیں مل رہا۔" وہ نماز جمعہ کی لیے تیار ہو رہا تھا۔

"بیٹا! ثاقبہ کلف لگا کر گئی تھی، میری الماری میں دیکھ لو۔"

وہ پاؤں جھلا جھلا کر ڈرامہ دیکھتی رہی، وہ پاس فرش پر بیٹھا جما جما کر سوٹ استری کرتا رہا۔ سو نے پر استری شدہ سوٹ پھیلاتے ہوئے اس نے پانچ پانچ ہزار کے چار نوٹ بھی اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے آرام سے حق سمجھ کر لیے۔ اللہ کتنے احساس کمتری کے مارے دبو لوگ ہیں ذرا جو پیسے والوں کو دیکھا غلامی شروع، چاپلوسی شروع۔ پیسہ بولتا ہے اگر میں امیر نہیں ہوتی تو ابھی لوگوں نے جینا حرام کر دینا تھا۔ اب ذرا اونچا بول لوں تو سب کی کیسے ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔ ماما ٹھیک کہتی ہیں نارمل لائف گزارنے کے لیے پیسہ بہت ضروری ہے۔ جن کے پاس نہیں ہے تو ان کی بیٹیاں آ آ کر سسرال کے مسائل ہی بتاتی رہتی ہیں۔ میں بھی غریب گھر کی ہوتی تو اسی طرح زندگی سے تنگ ہوتی۔

فارغ رہ کر اس کا واحد مشغلہ ہر وقت ٹی وی دیکھنا تھا ہر چینل کے ڈرامے فالو کرتے ہوئے اسے غریب بہو کے مسائل بڑے اچھے سے سمجھ آ چکے تھے۔ اب بھی اس کے سامنے بنا جہیز کے آئی بہو ٹی وی میں سسرال کے ہاتھوں درگت بن رہی تھی۔

وہ رات کو واپس آئی تو فردوس بیگم لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ ان کی مشفق فطرت کی بدولت وہ ان سے اب مروت سے بات بھی کر لیتی تھی۔ اس نے شاپنگ ان کے سامنے رکھی اور ایک ایک سوٹ ساتھ لگا کر دکھانے لگی۔ وہ "ماشاء اللہ ماشاء اللہ" کہے جا رہی تھیں۔

"بس! اتنا ماشاء اللہ نہ کہیں، آج شاپنگ کی تو اندازہ ہوا آپ کے آگلی کھانے کھا کھا کر میں بہت موٹی ہو گئی ہوں۔" اس نے شرٹ کمر پر دونوں طرف سے مٹھیوں میں لے کر کمر ناپی، عین اسی لمحے سامنے سے ثاقب اندر داخل ہوا تھا۔ جہاں جل ہو کر اس نے قمیص چھوڑی وہیں ثاقب نے بھی سرعت سے نظر پھیری تھی۔

"امی! میری نائٹ شفٹ ہے میں نکلتا ہوں۔" وہ ماں کے سامنے جھکا، سر پر ہاتھ رکھوا کر ان کا ہاتھ چومتے اللہ حافظ کہتے وہ نکل گیا تھا۔

☆☆☆

اگلی شام مغرب کے بعد وہ ماں کی افسردہ کر دینے والی کال سن کر کمرے سے باہر نکلی تو آگے فردوس بیگم بھی کہیں جانے کے لیے بیگ بھرے بیٹھی تھیں۔ سوہا کا دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

میرج بیورو والوں نے موٹی تازی رقم کھا کر ان کی ڈیمانڈ کے مطابق رشتہ دکھایا تھا لڑکا آسٹریلیا میں سیٹل تھا۔ انہیں سوہا پسند بھی آ گئی تھی ٹک ٹاک کے حوالے سے بھی وہ لوگ سوہا کو جانتے تھے۔ رافیہ نے لڑکا خود دیکھنے جانا تھا۔ اگر پسند آ جاتا تو سوہا کی نام نہاد شادی کا معاملہ بھی ڈسکس کر کے آنا تھا۔ لیکن جانے کیسے ریاض احمد کو اس سارے معاملے کی خبر ہو گئی تھی۔

انہوں نے رافیہ کو گھر سے نکالنے کی کوشش کی تھی اور صاف لفظوں میں کہا تھا وہ اسے طلاق دے دیں گے۔ جمیل، حمزہ اور رافیہ کی بے تحاشا گریہ زاری

پر انہوں نے اسے گھر رکھا تھا ساتھ یہ بھی کہا تھا یہ آخری چانس ہے۔

رافیہ نے اسے لاکھ تسلی دی تھی کہ وہ کوئی ترکیب سوچ لے گی۔ ثاقب اسے خود طلاق دے دے گا لیکن سوہا یہ سن کر شدید مایوسی کی زد میں آئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا زندگی اسی دائرے میں پھنس گئی ہے۔ وہ قید خانے میں ہی مر جائے گی۔

"سوہا بیٹا، میں رقیہ کی طرف جا رہی ہوں۔ اسے میری سخت ضرورت ہے۔ تین سال سے پیٹ کی رسولی نے اسے تنگ کر رکھا ہے وہ ڈرتی تھی آپریشن نہیں کرواتی تھی اب ڈاکٹر نے ہر صورت آپریشن ہی تجویز کیا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی سیریس نوعیت کا آپریشن ہوگا۔ میرے ہاتھ پیروں کی جان نکلی پڑی ہے۔ ابھی تک فاطمہ کا زخم تازہ ہے میں اولاد کا دکھ نہیں دیکھ سکتی۔ یا اللہ میرے بچوں کو اپنی رحمت کے حصار میں رکھنا۔"

ثاقب نے ماں کو ساتھ لگا کر ان کے اشک پونچھے۔

"امی آپ کیوں گھبرا رہی ہیں آپا ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"تم نے خون کا انتظام کیا؟ ثاقبہ کہہ رہی تھی خون کی ضرورت ہے۔"

"امی! میرا اور آپا کا بلڈ گروپ ایک ہے۔ آپ کوئی ٹینشن نہ لیں۔"

"ٹھیک ہے پھر تم مجھے رقیہ کی طرف چھوڑ آؤ۔ صبح وہ ہسپتال داخل ہو جائے گی۔"

سوہا بیٹا، میں نے ثاقب سے کہہ دیا ہے وہ نائٹ شفٹ بھی نہیں کرے گا۔ تمہارا کھانا بھی لے آیا کرے گا۔ جب تک رقیہ پوری طرح ٹھیک نہیں ہو گی میں اسی کی طرف رہوں گی۔ آصفہ، ثاقبہ چکر لگاتی رہیں گی۔ وہ اس کا سر چوم کر ثاقب کے ساتھ چلی گئیں۔

پیچھے سوہا کو موقع ہونے کے باوجود رونا نہیں آ رہا تھا حالانکہ وہ اونچی آواز سے کھل کر رونا چاہتی تھی۔ پندرہ بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ اسے احساس ہوا وہ گھر میں اکیلی ہے۔ اسے ساری ہارر فلمیں یاد آنے لگیں۔ اس نے ٹی وی کا والیم بلند کیا تو اسے اور خوف محسوس ہوا۔ اس نے چینل سرچنگ کی تو ایک جگہ اس کی پسندیدہ مووی چل رہی تھی۔ اس نے سوچ کو مووی کی طرف منتقل کرنا چاہا ابھی کچن میں سے کھڑاک کی زوردار آواز سے اس کی چیخ نکل گئی۔

ریموٹ صوفے پر چھوڑ کر اس نے دبے قدموں سے کچن کے جن کو کھوجنا چاہا لیکن وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا۔ ہمت کر کے اندر داخل ہوئی چاروں طرف دیکھ لیا کہ کھڑکا کس چیز کا ہوا تھا بالآخر عقدہ کھلا کہ سنک کے کنارے دھرا اسٹیل کا بھاری گلاس پانی پر سے سلپ ہوتے ہوتے سنک میں آ گرا تھا۔

اس نے اسی گلاس کو پھر سے سنک میں گرا کر آواز پھر سے سن کر بھی دیکھ لی۔ بلاشبہ گلاس نے اس کا تراہ نکالا تھا۔ ابھی وہ کچن میں تھی باہر سے بائیک کا ہارن سن کر اس نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ وہ آ گیا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے اے سی آن کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ ثاقب کے لاؤنج میں خبریں سننے کے دوران ہی اسے نیند آ جائے لیکن نفسیاتی طور پر وہ جتنی ٹوٹی پھوٹی اور ڈری ہوئی تھی اسے ایسا نہیں لگا کہ نیند جلدی آئے گی۔ وہ کروٹیں بدلتی رہی نیند نے نہ آنا تھا نہ آئی۔ وہ جو دروازے کی درز سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی وہ بھی آنا بند ہو گئی۔ اب اسے یوں لگنے لگا جیسے کوئی پردے کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ ایسی کیفیت پہلے تو کبھی نہ ہوئی تھی۔ پھر سچ مچ پردہ ہلنے لگا اس نے بنا چپل کے باہر دوڑ لگا دی۔ جا کر دھاڑ سے ثاقب والے کمرے کا دروازہ کھولا لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ اس سے پہلے سچ مچ آنسو آتے اسے یاد آیا وہ تو چھت پر سوتا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سیڑھیوں پر سرپٹ دوڑ لگا دی۔ اوپر پہنچ کر سانس لیا ورنہ سیڑھیاں بھی اسے ڈرا رہی تھیں۔

وہ ایئر کولر لگائے کھلے آسمان کے نیچے بچھی چارپائی پر بڑے سکون سے کانوں میں ہینڈز فری

لیے موبائل پر مصروف تھا جب وہ بنا دوپٹے کے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ کانوں سے ہینڈ فری نکالتا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے؟"

"مجھے نیچے اکیلے ڈر لگ رہا ہے تم نیچے آجاؤ۔"

"نیچے بہت گرمی ہے اور اے سی تمہارے کمرے میں ہے۔"

"تو میرے کمرے میں آجاؤ، میں صوفے پر سو جاؤں گی۔"

وہ چند لمحے سر ہاتھوں پر گرائے کچھ سوچتا رہا، پھر بولا۔ "تم چلو میں آتا ہوں۔"

"نہیں میرے ساتھ ہی چلو۔" وہ اسے ساتھ لے کر ہی نیچے آئی تھی۔

☆☆☆

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ کمرے سے باہر آئی تو پتا چلا وہ گھر میں پھر سے اکیلی ہے، لیکن یہ دن کا وقت تھا اسے پہلے جیسی گھبراہٹ نہیں ہوئی۔ کچن میں آئی تو سلیب پر ناشتے کا شاپر اور سو سو والے نوٹ دھرے تھے۔ ساتھ ہی عام سی کاپی کا صفحہ پڑا تھا۔

"یہ ناشتا اچھا نہ لگے تو گلی میں سے ٹھیلے والے گزرتے ہیں ان سے خرید لینا۔ گرل کا دروازہ میں نے احتیاطاً باہر سے لاک کر دیا ہے۔ فریج کے اوپر چابی ہے، اندر سے ہاتھ ڈالنے سے کھل جائے گا۔ [illegible] نہیں ہے۔ ماسی آئے تو وہ [illegible] [illegible] سے سودا لے رکھ لینا رات کا میں لے آؤں گا۔"

"میں اور ٹھیلے سے ناشتا کروں گی مائی گاڈ۔" اس نے کنپٹیوں پر انگلیاں رگڑیں پھر شاپر کھول لیے۔

ایک بار تو اتنا ہیوی ناشتا دیکھ کر اسے جھرجھری آئی، پھر اپنی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کھانا ہی پڑا۔ باقی اس نے ماسی کے حوالے کیا۔ دودھ والا آیا تو اس نے کہلا دیا دودھ کی ضرورت نہیں ہے۔ [illegible] سے چائے کے لیے ملک پیک منگ[illegible] دیے۔ ماسی کو سو سو کے چار نوٹ [illegible] پر اس نے کھانا لانے بھیج دیا۔

ماسی سمجھ دار تھی اور اس کی گھر داری سے آگاہ بھی، اس نے چار مختلف سالن تھوڑے تھوڑے پیک کروائے دو روٹیاں لیں اور شاپر پکڑا کر یہ جا وہ جا۔

وہ چار چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں چاروں سالن ڈالے حیران تھی کہ چار سو میں چار سالن مل رہے ہیں تو مہنگائی کہاں ہے۔

سارا دن کبھی ماں سے فون کر کے کبھی ٹی وی دیکھ کر گزارا۔ اکیلے رہنا کس قدر بور ہو سکتا ہے اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔ مغرب کے بعد گھر میں پھر سے جن بھوت نکل آئے تو اس نے پھر سے رافیہ کو کال ملائی اور مسئلہ بتایا۔ رافیہ خود مصروف تھی اس نے اسے مصباح کا نمبر سینڈ کر دیا کہ اندرون خانہ کھل کر گپ شپ لگائی جا سکتی تھی کسی سہیلی سے رابطہ وہ خود نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

مصباح خالہ زاد سے چیٹ کے دوران وہ آیا تو جن بھوت خود ہی بھاگ گئے۔

وہ بریانی اور ساتھ کباب لایا تھا ایک بار پھر سے باہر کا کھانا دیکھ کر اس کا دل اوب گیا۔ برائے نام کھا کر وہ اٹھ گئی۔ اس کے پسندیدہ سیریل کی اگلی قسط آرہی تھی وہ برتن اٹھا کر کچن میں پہنچا رہا تھا۔

"دودھ والا نہیں آیا تھا کیا؟"

"آیا تھا میں نے لیا نہیں، میں کون سا پیتی ہوں۔ چائے کے لیے ملک پیک فریج میں پڑا ہے۔"

وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

اگلے دو دن کی بھی یہی روٹین تھی ڈھابا نما ہوٹلوں کا کھانا بھی اس کی بس کرا چکا تھا۔ ثاقب کے فون پر اس کی فردوس بیگم سے بات ہوئی تو انہوں نے مشورہ دیا ماسی سے کچھ پکوا کر دیکھ لو۔ [illegible] آئیڈیا بہت پسند آیا اگلی صبح [illegible] سے شدت سے ماسی کا انتظار تھا

"پھپھو! آج میں خود کچھ پکانا چاہتی ہوں۔"

"بڑی اچھی بات ہے چھوٹی باجی۔"

"میں فرائیڈ رائس بنا رہی [illegible]۔ لسٹ میں لکھا

سامان مجھے لا دو۔"
دوپہر کو اسی کے مشورے سے اس نے ایک گلاس چاول پکائے جس میں سے پلیٹ بھر کر پینو کے ساتھ روانہ کیے۔
"پینو پرفیکٹ بنے فرائیڈ رائس دیکھ کر حیران ہوئی تو اس نے فخریہ بتایا، اسے پاستا، لزانیہ اور کپ کیک بھی بنانا آتے ہیں۔ روٹی بھی بیل سکتی ہوں بس آٹا گوندھ کر کوئی دے دے۔"
پینو چاولوں سے بھری پلیٹ لیے اس کی باتوں پر ہنستی مسکراتی واپس گئی تھی۔
شام کو ثاقب نے بھی گھر کے چاول کھائے باہر کا کھانا یونہی پڑا رہا۔
"میں نے بنائے ہیں رائس۔"
"بہت اچھے ہیں۔" وہ نظریں نیچی کیے کھانے میں مگن رہ کر بولا۔
"صبح جب تم اٹھو تو ساتھ مجھے بھی جگا لینا، میں نے ماما کی طرف جانا ہے مصباح آ رہی ہے ادھر۔"
اس کے حکمیہ لہجے پر اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
صبح اسے جگا دیا کہ تیار ہو جاؤ میں جاتے ہوئے ڈراپ کر دوں گا۔ جب وہ تک سک سے تیار ہو کر نکلی تو وہ ٹراؤزرز میں ملبوس پسینے سے شرابور پچھلی گیلری سے لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ پچھلی چھوٹی سی گیلری میں، سوہا نے اس کا ایکسرسائز اور جم کا [illegible]
سامان دیکھ رکھا تھا۔ سوہا کے سامنے سے [illegible] صوفے پر استری کر کے پھیلایا ہوا بادامی سوٹ اٹھایا تو اس کے پسینے سے بھرے سانولے بازو سوہا کو عجیب سی کیفیت سے دوچار کر گئے۔
"توبہ، کتنا کالا ہے یہ۔"
جب وہ بائیک کو کک مار رہا تھا تب وہ پھر سے پلٹ آئی۔
"شام کو پاپا کے آنے سے پہلے پہلے مجھے پک کر لینا۔"
اس نے اثبات میں سر ہلا کر کلچ چھوڑ دیا۔

☆☆☆

ثاقب کے لیے آج کا دن بہت لکی ثابت ہوا تھا۔ اس کی ورک شاپ ہر لحاظ سے تیار ہو گئی تھی صبح یعنی بروز جمعہ کو افتتاح وہ ریاض احمد کے ہاتھ سے کروانا چاہ رہا تھا۔ پاکستان آٹو سروس کے سیکنڈ ہینڈ گاڑیوں کے شوروم میں اس کی اپنی شرائط پر منافع کی شیئرنگ کا ایگریمنٹ سائن ہو گیا تھا۔ اس کا برسوں پرانا خواب حقیقت کے قالب میں ڈھل گیا۔ عصر کے وقت وسیم آٹو کو الوداع کہہ کر نکل آیا۔ ذہن و دل ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ اس کا ارادہ تھا سوہا کو ڈراپ کر کے سیدھا اسپتال جائے گا رقیہ آپا کے پاس شام کو سب بہنیں اکٹھی ہوں گی تو وہ خوش خبری سنا کر خوش کرے گا۔
اب زندگی میں ایک ہی الجھن تھی جس کو اب تک اس نے الجھن نہیں سمجھا تھا۔ سوہا ریاض احمد۔ اسے یقین تھا چند ہفتوں مہینوں میں ریاض احمد کو خود احساس ہو جانا ہے کہ یہ بے جوڑ شادی ہے یا پھر رافیہ کے آگے ہمیشہ کی طرح انہوں نے مجبور ہو کر سوہا کو واپس لے جانا ہے۔ ایسے چار پہر کے پڑاؤ میں تعلق کیا رکھنا۔ اسے یقین تھا رافیہ نے پہلے ہی بیٹی کو اس قسم ہدایات دی ہوں گی۔ علیحدگی کے بعد وہ لوگ جس دن چاہے اس کی شادی کر سکتے تھے۔ وہ سمجھتا تھا اس پر رافیہ اور سوہا کے علاوہ ریاض بھی بہت اچھا ہی محسوس کریں گے۔
گیٹ کی سائیڈ پر بائیک ایک اسٹینڈ پر لگا کر [illegible]
وہ اندر داخل ہو گیا چوکیدار کے سامنے پہنچ [illegible] سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ ڈرائنگ روم کی کھلی ونڈو کے سامنے پردہ لٹک رہا تھا وہیں سے اس نے سوہا کی آواز سنی تو وہ غیر اختیاری طور پر رک گیا۔
"اس میں مردوں والی کوئی بات ہی نہیں ہے مصباح، میرے سامنے نظر تک اٹھا نہیں سکتا، میرے جھوٹے برتن اٹھا رہا ہوتا ہے اتنا احساس کمتری کا مارا شخص میرا شوہر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو میرے آئیڈیل کے پاس سے نہیں گزرتا۔ مردوں کو کم سے کم بیوی کے سامنے مرد ہی ہونا چاہیے۔"

ثاقب اب دانستہ رک گیا کہ موضوع گفتگو اس کی ہی ذات تھی۔

"سوہا یار! مجھے تو ایسے کو آپریٹو مرد بہت رومانٹک لگتے ہیں۔"

"رومینس اور ثاقب۔ ہاؤ فنی..... ان گواروں کو کیا پتا رومینس کیا چیز ہوتا ہے۔"

"سوہا! مجھے تمہاری ڈاؤریس کا سولڈ پوائنٹ مل گیا ہے۔ میری باربی میں آج ہی ریاض کو بتاتی ہوں، ثاقب کو کوئی مسئلہ ہے۔ ریاض جتنا بھی دقیانوسی سہی لیکن اس بات پر کبھی کمپرومائز نہیں کرے گا۔"

ثاقب کو لگا خون جسم کی نسیں پھاڑ کر باہر آنا شروع کر دے گا۔ وہ جو سوہا کی باتوں کی وجہ سے اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانے کے لیے مڑ رہا تھا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔

"اتنی جلدی کیوں آ گئے؟ تم تو مغرب کے بعد نہیں آتے ہو؟" وہ اپنے مخصوص نخوت و تحکم بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"گھر چلو پھر بتاتا ہوں کیوں آیا جلدی۔"

سارا راستہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے آتی توہین اور غصے کی چادر دائیں بائیں سر جھٹک کر ہٹانے کی کوشش کرتا رہا گھر کے پرانے لیکن نئے پینٹ کروائے گیٹ کے سامنے تک آ کر اسے یوں لگا جیسے آگ کا دریا پار ہو گیا ہو۔

اسے بازو سے تقریباً کھینچتے وہ لاؤنج میں لے آیا۔

"ہاں تو ٹنک ٹاکر بی بی۔ بتاؤ ذرا کتنے مردوں کو جانتی ہو جن میں مردوں والی باتیں ہیں۔"

"کک..... کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب بھی سمجھاتا ہوں، ڈیلی سینکڑوں مردوں سے ملتا ہوں۔ میں جانتا ہوں مردوں والی باتیں کیسی ہوتی ہیں۔ تمہارے ٹنک ٹاکر بھلے نہ جانتے ہوں۔" اس نے ہاتھ اس کے کندھے کی طرف بڑھایا۔

"ہاتھ پیچھے کرو اپنا۔" وہ چلائی۔

"کیوں مردوں والی بات نہ بتاؤں تمہیں۔ ویسے بھی میرے ہاتھ سیاہ رنگ نہیں چھوڑتے۔"

"اب اپنی ماں کو فون کرو وہ آ کر تمہیں لے جائیں۔ یہ مکروہ صورت اب میری چھت تلے نہیں رہنی چاہیے۔" وہ انگلی سے اشارہ کرتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ واپس نکلا تو وہ ابھی بھی پہلے والی پوزیشن میں بیٹھی رو رہی تھی۔

"کیا نہیں فون؟" وہ سابقہ مشغلہ دہراتی رہی تو وہ تولیہ کندھوں پر ڈالتا ایک بار پھر جم کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی اور آنکھوں میں دیکھ کر رواں لفظوں میں بولا۔

"جس کو تم احساس کمتری کہہ رہی تھیں وہ میں ریاض بھائی کی وجہ سے تمہیں عزت دے رہا تھا۔ میں عارضی پڑاؤ کا قائل ہی نہیں۔ یہ خوبی تم اور تمہارے ٹنک ٹاک کے مردوں میں ہوتی ہو گی۔ جب ہی تو ان تین مہینوں میں مجھے تم میں رتی بھر رغبت محسوس نہیں ہوئی۔ نظر کا بھٹکاوا تو رہا دوسری طرف۔ تمہارا ہونا میرے لیے نہ ہونا رہا ہے اس سے زیادہ بیوی بن کر آئی ہوئی لڑکی کی کیا توہین ہو گی کہ اس کا شوہر اس میں کوئی کشش ہی محسوس نہ کرتا ہو۔ تم سے زیادہ کشش تو باہر مانگتی بھکارنوں میں ہے۔ جو کچھ بھی ہوا مجھے اس پر رتی بھر افسوس نہیں ہے۔ افسوس ہے تو ریاض بھائی جیسے شریف النفس انسان کی قسمت پر جو ان کے نصیب میں تمہاری ماں جیسی عاقبت نااندیش عورت اور تم جیسی سطحی بیٹی آئی۔"

وہ تولیے سے بال رگڑتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ ابھی بھی گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ وہ تولیہ اس پر اچھالتا کمرے سے نکل آیا تا کہ ٹھنڈا پانی پی کر اور چھت پر چہل قدمی کر کے اپنے فشار خون کو نارمل سطح پر لا سکے ورنہ دل تو یہی کر رہا تھا اسے ابھی کے ابھی واپس میکے بھیج دے۔

ثاقب منڈیر پر جھکا نیچے سے گزرتی

ٹریفک دیکھ رہا جب رکشا گھر کے گیٹ کے سامنے رکا۔ اندر ثاقبہ کے بیٹے کی جھلک دیکھ کر وہ فوری نیچے اترا۔

"باہر ثاقبہ آئی ہے، یہ میلو ڈرامہ ختم کرو، یا پھر اٹھو میں تمہیں تمہاری عقل مند ماما کے پاس چھوڑ آؤں، کان کھول کر اگلی بات بھی سن لو، اب میں تمہیں خود طلاق بھی نہیں دوں گا۔ کورٹ جانے کے لیے اپنی ٹک ٹاک کوٹا کی شاکی مارلو، آٹھ دس ویڈیوز تو بن ہی جائیں گی وکیلوں اور جج کے ساتھ۔" ثاقبہ اب آوازیں دے رہی تھی۔

"یہ اپنا بوریا بستر سمیٹو تمہیں چھوڑ کر آؤں۔"

"دفع ہو جاؤ تم۔ گھٹیا انسان۔ میں خود جا سکتی ہوں۔"

"لیکن جاؤ گی نہیں۔ وجاہت میں گنواتا ہوں اتنا الو کا پٹھا نہیں جتنا تم سمجھتی رہی ہو۔" ثاقبہ اب ان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

رکو ثاقبی، میں آرہا ہوں۔" بہن کو ساتھ لگا کر اور بھانجے کی انگلی پکڑ کر وہ لاؤنج میں لے آیا۔ پیچھے دھاڑ سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگانے کی آواز پر ثاقبہ نے سوالیہ نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

"ماں والا مرض، دماغی خلل ہے محترمہ کو۔" ثاقب نے بھانجے کو ساتھ لگا کر بھینچا۔ جواباً بچے نے بھی چٹاچٹ اکلوتے ماموں کے گال چومے۔

"میں دیکھتی ہوں۔"

"کیا دیکھنا ہے تم نے، آرام سے بیٹھو۔" اس نے بہن کا ہاتھ کھینچ کر پھر سے برابر بٹھایا۔

"تم کب سے اپنے بیڈ روم میں شفٹ ہوئے ہو؟"

"جب سے امی آپا کی طرف گئی ہیں۔" وہ بدستور بچے کے ساتھ مگن تھا۔

"اس لیے سویا کا موڈ خراب رہتا ہے؟" وہ معاملہ بوجھنا چاہ رہی تھی۔

"یار، کوئی اور بات کرلو، عدالت ہی [illegible] لی ہے۔ آپا کیسی ہیں اب؟"

"ماشاءاللہ بہت بہتر ہیں۔ کل چھٹی مل جائے گی۔ تم کیوں نہیں گئے آج؟"

"دن کے وقت ورک شاپ کی سیٹنگ میں لگا رہا، شام کے بعد اس کو گارڈ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے نکل ہی نہیں سکا۔"

"ورک شاپ سیٹ ہوگئی۔" ثاقبہ کے لہجے میں جوش تھا۔

"ہاں کل افتتاح ہے اور ایگریمنٹ بھی ہوگیا۔ تمہیں آفر کا بتایا تھا نہ۔"

ثاقبہ نے بے ساختہ اس کے گھنے بال کھینچ کر محبت کا اظہار کیا۔

"اللہ تمہیں بہت ترقی دے۔"

"تو رو کیوں رہی ہو؟" اس نے ہنستے ہوئے بہن کو ساتھ لگایا۔ وہ مزید دھواں دھار رونے لگی۔ برا وقت، لمبا عرصہ اسی چھت تلے ٹھہرا رہا تھا۔ اب دن مکمل بدلے تو خوشی کے آنسوؤں کا اخراج تو بنتا تھا۔

"ماموں۔ میری مما کو رلایا۔" بھانجے نے زوردار پنچ اس کے دائیں جبڑے پر جڑ دیا تو اسے سچ میں چوٹ لگی۔

"اوئے بدمعاش، اتنا زوردار مکا؟"

"یہ بدتمیزی باپ کے ساتھ ریسلنگ دیکھنے کا نتیجہ ہے۔"

"اس کی ریسلنگ تو میں ابھی نکالتا ہوں۔ تم تب تک کچھ پکا دو باہر سے کھا کھا کر میری بس ہوئی پڑی ہے۔"

☆☆☆

ڈیڑھ دو گھنٹے تک اسے لاشعوری طور پر اس کا انتظار رہا کہ وہ نیچے اکیلی خوف زدہ ہو کر چھت پر آ کر ان تینوں کے ساتھ پچھی چارپائی پر سوئے گی۔ اسے معلوم تھا اب وہ اسے کمرے میں بلانے کا رسک نہیں لے گی لیکن وہ نہیں آئی تو اسے بھی نیند آ گئی۔

وہ صوفے پر آڑا ترچھا لیٹ کر خبریں سن رہا تھا۔ ثاقبہ کچن میں ناشتا بنا رہی تھی جبکہ اس کا بیٹا سو رہا تھا جب اس نے دروازہ کھلنے کی آواز پر سر گھما کر

دیکھا۔

''مجھے میرے گھر چھوڑ دو۔'' وہ سر پر کھڑی کہہ رہی تھی۔ اس نے لبوں پر دھرا ریموٹ ہٹایا اور سکون سے پوچھا۔

''تمہارا گھر کون سا ہے؟ تمہارے باپ کے گھر کا مجھے پتا ہے، یہ والا میرا گھر ہے۔ ٹک ٹاک اسٹار صاحبہ۔ ٹک ٹاک کے علاوہ کوئی ٹھکانا ہے تو بتاؤ میں سر کے بل چھوڑ آتا ہوں۔''

''میں ماما کے گھر کی بات کر رہی ہوں۔''

''تو اپنی ماما کے ڈرائیور کو بلاؤ۔ میں تمہارا ابا تمہاری ماں کا ڈرائیور نہیں ہوں۔''

''ڈرائیور نہیں آ سکتا، اس لیے کہہ رہی ہوں۔''

''یقیناً تمہارے والد گرامی گھر میں ہوں گے چچ چچ چچ...... ایسا کرو اپنی ماما سے کہو چوری چھپے ڈرائیور بھیج دیں۔ چوریوں کا تجربہ تو ہے ناں۔''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔'' اس کا لہجہ بھرا گیا۔

''تمہاری ماں سے بڑا ڈاکٹر اس دنیا میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ بہتر ہے اپنی ڈاکٹر والدہ سے ملو، تم دونوں کی طبیعت اب بالکل سیٹ ہو جائے گی۔'' وہ درشت لہجے میں حساب چکتا کر رہا تھا۔ جس توہین سے وہ دوچار ہوا تھا اسے خبر تھی۔

ثاقبہ ہاتھ میں پراٹھے پلٹنے والا چمٹا لیے حیران سی کھڑی ان دونوں کی بات چیت سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بالآخر بھائی کو ٹوک ہی دیا۔

''ثاقب! یہ تم کس طرح سوہا سے بات کر رہے ہو؟''

''اس طرح سے کر رہا ہوں جیسے کرنی چاہیے۔''

وہ دھپ دھپ کرتی واپس کمرے کی طرف مڑ گئی۔

ثاقب نے ریاض احمد کا نمبر ملالیا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟ ہاں جی سارے انتظامات مکمل ہیں بس آپ وقت پر فیتہ کاٹنے پہنچ جایئے گا۔ ریاض بھائی ڈرائیور بھیج دیں سوہا آپ کے گھر آنا چاہتی ہے۔''

''اس کا جواب آپ رافیہ بھابھی اور اسی سے پوچھیے گا۔ نہیں، میں نہیں آ سکتا، بزی ہوں۔ اللہ حافظ۔''

ثاقبہ نے اس کی یک طرفہ گفتگو سے اندازہ لگایا ریاض احمد کیا کہہ رہے ہوں گے۔ وہ ٹیبل پر ناشتا رکھ رہی تھی جب وہ سوہا والے کمرے کی طرف بڑھا۔

''تمہارے باپ کا ڈرائیور آ رہا ہے سامان باندھو اور اپنی اسپیشلسٹ والدہ ماجدہ سے ملو۔ یقیناً وہ اب کوئی اور اس سے زیادہ گھٹیا حل نکال لیں گی۔ انہیں میرا میسج بھی دے دینا جلدی حل نکال لیں، اپنی اسٹار بیٹی کی اسٹارڈم ضائع نہ کریں۔ پچھلے تین مہینے سے میں اسٹار کو سنبھالتے سنبھالتے ناک تک عاجز آ چکا ہوں۔ چوبیس گھنٹے چلتے دوائے کی جیب کی ایسی تیسی الگ کر رہے ہیں۔ ان کا بل بھی تمہاری والدہ نے نہیں دینا۔''

وہ ہینڈ بیگ اٹھاتی اس کے پہلو سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

افتتاحی تقریب اور دعا کے بعد ریاض احمد اس سے ملنا چاہتے تھے لیکن وہ حاجی آٹو سروس اینڈ اسپیئر پارٹس والوں کی ٹیبل پر ٹھنڈی میٹھی کھیر کا پیالہ لیے بیٹھا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اسی کی طرف چلے آئے۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''یار ہو سکے تو اپنا قیمتی وقت تھوڑا بہت ہمیں بھی دے دو۔''

''کیوں نہیں، میں خود آپ سے ملنے کا سوچ رہا تھا۔''

''ادھر سے فری ہو کر گھر آ جانا۔''

''مجھے بہت دیر ہو جائے گی۔''

"تو پھر تمہارے گھر والوں کو گھر بھیج دوں؟"

اسے معلوم تھا وہ گھر والے کسے کہہ رہے تھے اس نے سنجیدگی سے انکار کر دیا۔ ریاض احمد پر سوچ انداز میں ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔

اگلے کئی دن لگا تار مصروف رہے تھے۔ بالآخر بروز جمعہ اسے تھوڑی سی فرصت میسر آئی تھی۔ دس بجے کے قریب وہ اٹھا تو رقیہ کو اپنے گھر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپا! آپ نے بہت اچھا کیا اب چار دن یہاں رہیں تب تک آپ بالکل فٹ ہو جائیں گی۔" وہ محبت سے بہن کی پائنتی بیٹھا۔

"گھر میں لیٹے لیٹے اکتا جاتی ہوں، امی بھی گھر آنے کو بے چین تھیں۔ ثاقبہ نے اس کا حل یہ نکالا امی اور مجھے دونوں کو ہی یہاں بلا لیا۔"

"ہمارے گھر کی دانش ور ثاقبہ ہی ہے۔" اس کی بات پر سب ہنس پڑے۔

"آپا۔ بچے نظر نہیں آ رہے۔"

"آئے ہی نہیں اکیڈمی، ٹیسٹ اور جانے کیا بلائیں ان کی جان کو چمٹی ہیں۔"

"میں تھوڑا جم کر آؤں چار دن سے ناغہ ہو رہا ہے۔ جسم میں عجیب سی سستی ہے۔"

"تمہارے لیے دہی کی لسی بنائی تھی۔" ثاقبہ نے کچن سے سر نکالا۔

"فریج میں رکھ دو، بعد میں پیوں گا۔"

جمعہ پڑھ کر وہ گھر سے نکلا تو آٹھ بجے پاکستان شوروم والوں سے زبردستی جان چھڑا کر گھر آ سکا۔ فردوس بیگم کے کمرے سے بیڈ نکال کر کارپٹ پر گدے ڈال لیے گئے تھے تاکہ ایک ہی اے سی میں سب بیٹھ بھی سکیں اور رات کو سو بھی سکیں۔ رقیہ کے لیے چھت پر جانا مشکل جو تھا۔ وہ بھی انہی میں آ بیٹھا۔

"سوہا کے گھر والے اسے لے گئے واپس؟" سوال رقیہ کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے ثاقبہ کے بیٹے کو گود میں جکڑا۔

"جی لے گئے۔"

"لے کر نہیں گئے اس نے خود بھیجا ہے۔ میرے سامنے کی بات ہے۔ سوہا بے چاری تو کچھ بولی ہی نہیں یہی جانے کس بات کا غصہ نکال رہا تھا۔"

"ثاقبہ! تم تو چپ ہی کرو، تمہیں تو ہر کوئی بے چارہ لگتا ہے کیا سوہا... کیا اس کی ماں۔ ظالم جابر اور شاطر تو ہم ہی ہیں۔" آصفہ نے اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔

"ریاض بھائی اب کیا کہتے ہیں اور کتنا ان کا احسان اتارنا ہے ہم نے؟ چلنی تو رافیہ بھابھی کی ہی تھی ریاض بھائی نے خواہ مخواہ ہمیں بیچ میں پھنسایا۔ ایسی بے جوڑ شادیاں کم ہی نبھتی ہیں۔ یہ تو اوپر سے ضد بازی میں بھی کی گئی تھی۔"

"اور کیا سارے رشتے دار پوچھ رہے تھے لڑکی میں کون سا عیب ہے جو تمہیں دے دی۔"

"رشتے داروں کا کیا ہے مجھے تو کہہ رہے تھے ثاقب بڑا خوش قسمت ہے کیسی اونچی جگہ نصیب جڑے ہیں۔ کچھ یہ بھی کہہ رہے تھے، ثاقب نے کس جنتر منتر سے ریاض اور رافیہ کو شیشے میں اتارا، ہم سے تو رام نہ ہوئے۔" ثاقبہ ہمیشہ ہی بات کا الگ پہلو سامنے لے آیا کرتی تھی۔

"ثاقبہ آپی! آپ کو پتا نہیں کیوں سوہا میں کوئی برائی نہیں دکھتی، ہر وقت اس کی شان میں زمین آسمان ملاتی رہتی ہیں۔"

"سوہا میں کون سی برائی ہے تم بتاؤ۔" ثاقبہ جل کر بولی۔

"رافیہ بھابھی کی بیٹی ہے اور نخوت و غرور میں ان سے چار ہاتھ آگے ہے، یہ پہلی برائی ہے۔ دوسری رج کے پھوہڑ ہے۔ تیسری، شوہر کو شوہر نہ سمجھنے کی ہے۔" رقیہ نے اپنا حصہ ڈالا۔

"چوتھی ہمیں بھکاری سمجھنے کی ہے۔" آصفہ شاید پانچویں تک بھی پہنچتی کہ ثاقبہ نے پھر ٹانگ اڑائی۔

"وہ بجھتی رہے ہمیں بھکاری۔ ثاقب اور اس کی انڈر اسٹینڈنگ ہونی چاہیے، ہمارا کیا ہے۔"

"ثاقب! منفرد رہنے کے شوق نے تمہیں بھی رج کے ذلیل کرانا ہے۔"

"لوجیکل بات آپ کو میرا منفرد رہنے کا شوق لگ رہی ہے۔ کیا برائی ہے اگر ثاقب اور سوہا کا رشتہ پھلے پھولے۔ علیحدگی کا ہم خود ہی سوچتے رہتے ہیں ان لوگوں کے ذہن میں بھلے یہ بات ہی نہ ہو۔ بندے کا گمان تو اچھا ہونا چاہیے۔"

"بی بی! اتنے دنوں سے تیرا نیک گمان مرا نہیں ہے۔"

"آپا! آپ ایسے تو نہ کہیں، میں نے بتایا تو ہے خود ثاقب نے اسے گھر سے نکالا ہے۔"

"وہ آئی ہی جانے کے لیے تھی۔ ثاقب تم ختم کرو اس معاملے کو پھر ہم تمہاری بات چلائیں۔ میری ہمسائی کی بہن ہے ہمارے جیسے لوگ ہیں سگھڑ، سلیقہ شعار، پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ بہت اچھی گزرے گی تمہاری۔"

"آپا! سوہا جتنی خوب صورت بھی ہے؟"

ثاقب کی زبان کی کھجلی اسے مجبور کر دیتی تھی۔

ایک تو تمہاری اس حسن پرستی نے ہمارا گھر نہیں چھوڑا ہوا۔

"آپا! مجھے سمجھ میں نہیں آتا آپ سب لوگ اس رشتے کی ٹوٹنے کی ہی توقع کیوں لگائے بیٹھے ہیں۔ جو رشتہ اللہ رسول کے نام پر جڑا ہے اسے نباہنے کے جتن کیوں نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے اتنے جتن نباہنے کے لیے کریں تو اس سے زیادہ اچھا رشتہ کم سے کم ثاقب کے لیے اس شہر میں نہیں ملے گا۔"

"ان کے لچھن نباہنے والے ہیں؟ ریاض بھائی نے ضد میں رشتہ جوڑا ہے، رافیہ بھابھی ضد میں تڑو دیں لی اور بچی کس کے زیر اثر ہے؟ ماں کے۔ اب بھی اگر تمہیں رافیہ کی طرح امیر رشتے دار بنانے کا شوق ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"ارے بس کرو تم لوگ، کیا مرغوں کی طرح لڑے جا رہی ہو۔ مجھے میرے بچے کا سکون چاہیے۔ وہ لاتعلق سا بیٹھا بھانجے کے کان کھینچتا رہا۔"

"ریاض بہت بیبا ہے۔ میں ریاض کو دکھ نہیں دینا چاہتی ہوں۔ سمجھ لو مجھے تمہارے جتنا ہی پیارا ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں وہ جو بھی فیصلہ کرے ثاقب بس اس کی مانے باقی دنیا دوسری طرف ڈال دے۔ ثاقب میرے بچے مجھے احساس ہے تمہارا امتحان کڑا ہے لیکن بیٹا ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ گھر میں مشکل سے گزر رہے ہو لیکن دنیا کے سامنے کیسے دن بہ دن معزز بنتے جا رہے ہو ماشاءاللہ ذاتی کاروبار شروع کر لیا ہے۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"امی! بیٹے کے امیر ہونے پر رو رہی ہیں۔" بہنیں ماں کو بہلانے میں لگ گئیں۔ ثاقب ان کے پاؤں ہلکے ہلکے دبانے لگا۔

☆☆☆

وہ سوشل میڈیا کھنگال رہا تھا جب ثاقبہ ٹرے میں پلاؤ اور لیٹر پیک کوک رکھے چھت پر چلی آئی۔

"اب اٹھ بھی جاؤ۔"

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" وہ مسکرایا کہ بہن کی برسوں پرانی عادت سے واقف تھا۔

دونوں آلتی پالتی مارے درمیان میں ٹرے رکھے چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ثاقبہ انہماک سے پلاؤ کھا رہی تھی اور گھونٹ گھونٹ کوک پی رہی تھی۔

"شروع نہیں کر رہی ہو؟"

"کیا؟"

"لیکچر......" دونوں ایک ساتھ ہنسے۔

"بڑے کمینے ہو۔"

"تم بڑی عقل مند ہو۔"

"وہ تو میں ہوں خیر مجھے تم پر بہت غصہ ہے۔ ہم سب بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں حالانکہ زندگی تمہاری ہے۔ بات تمہاری اور تمہاری بیوی کے بارے میں ہو رہی تھی۔ تم یوں لاتعلق تھے جیسے ہم ماکھے قصائی کی بات کر رہے ہوں۔ تمہارے اسی

رویے کی وجہ سے اب تک تم لوگوں میں پیار ڈیولپ نہیں ہو سکا۔"
وہ اپنی کزن سے کہہ رہی تھی غریب لوگوں کو رومینس کی کوئی سینس نہیں ہوتی۔
"تو تم نے بتایا نہیں، تم غریب بھی نہیں ہو اور رومینس کی سینس بھی ہے۔"
"یار! تمہیں کیا لگتا ہے میں کوئی بات کروں گا تو وہ مان لے گی؟ وہ اپنے باپ کی نہیں مانتی جس کے پیسے پر گھمنڈ ہے۔"
"بس یہی سوچ تم سب کو جکڑ چکی ہے کہ وہ مانے گی نہیں۔"
"ثاقب! تم کھلے دل سے سوچ کر دیکھو، وہ امیر باپ کی ہائی سوسائٹی میں موو کرنے والی ماں کی نک چڑھی بچی ہے۔ جس کو سوشل میڈیا کی چکا چوند نے متاثر کر رکھا ہے، ماں کی شہہ پر وہ ٹک ٹاک بنانے لگی۔ لائکس، فالوئنگ کا چسکا اس کو ڈومور کی جانب لے گیا۔ میں سمجھتی ہوں ماں کے کہنے پر ہی اس نے باپ سے چوری کی ورنہ شاید نہ کرتی۔ مجھے کہیں سے بھی وہ کردار کی ہلکی نہیں لگی۔ اپنے سے کمتر طبقے میں شادی اور خود سے شکل و صورت میں کم تر شوہر اسے شادی کم سزا زیادہ دی گئی ہے۔ سنبھلنے میں وقت لگے گا لیکن سمجھ جائے گی۔ ویسے بھی جب لڑکیوں کے بچے ہو جاتے ہیں وہ بیوی کم اور بچوں کی مائیں زیادہ بن جاتی ہیں۔ تم اس رشتے کو سنجیدہ لو اور دل و جاں سے اسے یہاں اور اپنے ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں مدد کرو۔ پیار سے جنگلی جانور سدھائے جا سکتے ہیں، وہ تو نازک سی پریوں جیسی امیر باپ کی بچی ہے جو ڈیفنس سے ہر وقت بہتے گٹروں والی جگہ پھینکی گئی ہے۔"
"یہی سوچ اس کی ماں کی اور اس کی ہے اب تم بھی ان ہی کی زبان بول رہی ہو۔"
"ایمان داری سے بتاؤ...... کیا یہ باتیں سچ نہیں جو میں نے کی ہیں۔"
"یار! ان لوگوں کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہے اس کی ماں......"
"کب سے اس کی ماں اس کی ماں کیے جا رہے ہو۔ کون سا بم گرا دیا تم پر رافیہ بھابھی نے۔ بچپن سے ہم جانتے ہیں وہ کیسی ہیں۔ ان کی تربیت کی وجہ سے ہی سوہا میں کمیاں ہیں۔"
"اب تم چاہتی ہو وہی کمیاں آگے میرے اولاد میں آئیں۔ اسی طرح وہ مجھ سے فراڈ کرے۔"
"بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو، تمہیں خود میں اور ریاض بھائی میں کوئی فرق ہی نہیں لگتا۔ ریاض بھائی نے پیسوں کی خاطر خود بھی بچوں سے غفلت برتی ہے۔ اب وہ قصور صرف رافیہ بھابھی کا نکال رہے ہیں۔"
"ثاقبہ! مجھے شادی کسی اپنے جیسی فیملی میں کرنی تھی یا پھر کرنی ہے۔ ایسی لڑکی ہو جو میری عزت کرے میں اس کی کروں۔ وہ میرے مسائل سمجھے مجھے سکون دے میں اسے سہولتیں دینے کی کوشش کروں۔ وہ بہت سطحی سی ہے، رتی بھر میچور نہیں ہے ورنہ ماں کی تعلیم پر نہ لگتی۔"
"اس کی عمر میں لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، میں کون سی کتنی میچور تھی؟ محلے میں میرے جیسا سوٹ کوئی لے لیتا تو آپا کو دے آتی تھی خود پرانے پہن لیتی تھی۔ اب مجھے دیکھو تم سب کو عقل دے رہی ہوں۔ اس نے آنکھیں اوپر چڑھائیں۔ یہ سارا کمال میرے میاں کا ہے تم سمجھ دار ہوئے تو اپنی لائن پر لگا لو گے۔"
"آپا صحیح کہہ رہی تھیں تمہیں خبط ہو گیا ہے امیر رشتے دار رکھنے کا۔
جی نہیں، امیر تو میرا بھائی بھی تقریباً ہونے والا ہے ان شاء اللہ بلکہ ہو چکا ہے۔ ثاقب تمہیں بتاؤں وہ پیاری اتنی ہے کہ میرا دل ہی نہیں کرتا کچھ ایسی بات سوچنے کو۔ میں کہتی ہوں ہر صورت یہ رشتہ قائم رہنا چاہیے بھلے تمہیں جھکنا پڑے یا کمپرومائز کرنا پڑے۔ ویسے بھی وہ جس قدر حسین ہے جان دی جا سکتی ہے کمپرومائز کرنا تو بہت آسان ہے۔"

''تم نے کبھی غور سے اسے دیکھا ہو تو پتا چلے وہ کیسے بولتی ہے...... کیسے کھاتی ہے...... کیسے چلتی ہے......ایک ایک ادا ہم سے جدا ہے۔ مجھے تو ہر ہر ادا پر پیار آ جاتا ہے تم لوگ پتا نہیں کس پتھر سے بنے ہو۔ وہ اب بوتل میں بچے آخری گھونٹ کو منہ لگا کر پی رہی تھی۔

''ہم جتنی بھی کوشش کر لیں مسئلہ ان کی طرف ہے۔ وہ اپنی عقل استعمال نہیں کرے گی۔ اس کی ماں غریبوں کو پسند نہیں کرتی ایسا ہی ذہن اس کا بنا ہوا ہے۔''

''تو تم بتاؤ ہم غریب نہیں رہے، بزنس شروع کر لیا ہے جو تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ جلد ہی تم یہ ایریا بھی چھوڑ دو گے۔''

''تمہارا مطلب ہے میاں بیوی کے رشتے اور تقدس کو پیسوں کے ترازو میں ڈال لوں۔''

''بس کچھ وقت تک، جب وہ تمہیں جان جائے گی پھر جان سے جائے گی۔''

''جان سے نہیں جائے گی، ترازو اپنی والدہ ماجدہ کو پکڑا دے گی۔''

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ بہت بدگمان ہو بھائی۔''

''اصل میں، میں ریاض بھائی کی باتیں بھی سن چکا ہوں۔''

''میں نے بھی سنی تھیں۔ وہ وقتی کیفیت تھی، غصے میں کہہ رہے تھے۔ ثاقب ایک آئیڈیا ہے تم ریاض بھائی سے کھل کر اس ٹاپک پر بات کر لو۔ مجھے امید ہے الجھی ڈوریں سلجھ جائیں گی۔''

''انہوں نے مجھے کہا بھی تھا کہ بات کرنی ہے ایک تو میں بزی بہت رہا دوسرا دل بھی نہیں کیا ان کی طرف جانے کو۔''

''سسرال جانا سب کو ہی برا لگتا ہے لیکن سارے مسائل سسرال بیٹھ کر ہی حل ہوتے ہیں۔'' ثاقبہ چہکی۔

''تم ہر صورت مجھے آمادہ کرنا چاہتی ہو؟''

ثاقب بیزار ہوا۔

''برو...... نسل بدل جائے تمہاری، ورنہ آ گئی نہ تم جیسی کالی پیلی تو بچے خدا کے فضل سے کالے انگریز ہی ہوں گے۔''

''میری ساس کہتی ہیں میاں بیوی میں کوئی ایک بھی حسین ہو تو بچے خوب صورتی اور کم صورتی کی لائن کے عین وسط میں آ جاتے مطلب ہے منہ متھے لگنے لگ ہی جاتے ہیں۔ اگر دونوں حسین ہوں میری اور واجد کی طرح تو پھر آتا ہے میرا صائم۔ یہ اس کی موہنی صورت ہی ہے جو تم سمیت سارا محلہ اس کی بلائیں لیتے نہیں تھکتا۔''

''تمہاری ساس تم سے بڑی دانش ور لگ رہی ہیں۔ ہزار مثال دے سکتا ہوں والدین حسین ترین لیکن بچے واجبی شکل و صورت کے۔''

''سوہا کے پیارے ہی ہوں گے یہ مجھے پتا ہے۔ کوک اور دودھ کا کامبینیشن نیا ہی رنگ دکھاتا ہے۔'' ثاقبہ کی نظریں کوک کی خالی بوتل کی طرف تھیں۔

ثاقب نے وہی بوتل اٹھا کر اس کے سر دے ماری۔ وہ دونوں بہن بھائی بچپن سے ہی ایک دوسرے سے بے تکلف تھے۔

''ثاقبہ! جاتے ہوئے لائٹ بند کر جانا۔

☆☆☆

شہر کی واحد رینج روور اس وقت اس کی ورکشاپ پر کھڑی تھی جبکہ وہ خود اس کے نیچے گھسا نقص ڈھونڈنے میں مصروف تھا جب ریاض احمد کے سلام کی آواز آئی۔ وہ فوراً باہر نکل آیا۔

''آپ بیٹھیں میں ذرا ہاتھ دھو کر آیا۔'' آفس میں ایئر کولر کے سامنے بیٹھ کر اس نے ریاض احمد سے کھانے کا پوچھا، منع کرنے پر اسٹرابیری شیک لانے کا کہہ کر وہ بھرپور ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ابھی بھی خود کام کرتے ہو؟''

''جی، جب نیا ماڈل یا کوئی خرابی لڑکوں کو سمجھ میں نہ آ رہی ہو تب کرتا ہوں۔ ایک دفعہ ان کو سکھا

دوں تو سمجھ جاتے ہیں۔ جیسے یہ رنج روور لڑکوں کے لیے نئی ہے تو اس لیے خود کر کے ان کو سمجھا رہا تھا۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"بہت آگے جاؤ گے تم ان شاء اللہ، تمہاری کامیابیوں پر سب سے زیادہ خوش ہونے والا میں ہوں گا۔ تمہاری ذہانت، متانت اور ذمہ داری مجھے خود کی یاد دلاتی ہے۔"

"شکریہ سر۔"

"تم میں اور سوہا میں کوئی لڑائی ہوئی ہے؟"

"اس کا دل کیا کہہ دے، صلح کب تھی؟"

"میں نے تم سے کہا تھا گھر آنا، تم نہیں آئے۔ اس کو گھر بھیجنے سے تم نے مجھے روک دیا۔ سوہا بتا رہی تھی تم اسے ٹک ٹاک کے طعنے بھی دیتے ہو۔"

شرمندگی کی ذرا سی لہر اٹھی جو اس نے دبائی اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ثاقب بیٹے، تم سے کچھ چھپا ہوا تو نہیں تھا...... نہ ہے۔ وہ کم عمر ہے، نادان ہے، جس کو مہمیز اس کی ماں کرتی رہتی ہے۔ تم جیسے سمجھ دار کا انتخاب اسی لیے کیا تھا کہ میں اپنے اصل کے ساتھ مل سکوں۔ اب تم بھی یہ ہونے دو گے تو کیسے چلے گا؟"

وہ اس معاملے کو ہر صورت آر یا پار کرنا چاہتا تھا تاکہ یکسو ہو سکے۔ چنانچہ اس نے بھی کھنکار کر گلا صاف کیا اور الف تا یے اپنے خیالات، خدشات، تحفظات اور ان کی بیوی بیٹی کے علاوہ خود ریاض احمد کے الفاظ بھی ان کے سامنے رکھ دیے۔ ڈرائنگ روم والی بات وہ گول کر گیا۔

"سچ تو یہ ہے ریاض بھائی، میں ابھی تک اس رشتے کا تعین ہی نہیں کر پایا۔ مجھ سمیت ہر کوئی آپ کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنا۔ جیسے اچانک آپ نے سب پر یہ تعلق مسلط کیا، بالکل اسی طرح آپ اس کو ختم کر دیں گے۔ ذاتی طور پر مجھے لگتا ہے آپ بیگم اور بیٹی کی سزا کسی بھی وقت معاف کر سکتے ہیں۔ بقول آپ کے میں سزا کے طور چنا گیا ہوں۔"

"میں سمجھتا تھا بن کہے تمہیں میری خواہش معلوم ہے لیکن میں غلط تھا۔ مجھے شروع سے سوہا کے لیے تم پسند تھے لیکن رافیہ کی وجہ سے کبھی اظہار نہیں کر پایا۔ خدا کی کرنی حالات ہی کچھ ایسے بن گئے کہ میری دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔ میں اپنی بیٹی پر طلاق کا داغ لگوانا کبھی پسند نہیں کروں گا۔ اسی لیے میں سوہا کو ماں سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے میری بیٹی جلد سمجھ جائے گی بس رافیہ اس کے ذہن سے کھیلنا بند کر دے۔"

"وہ کھلوانا بند کرے گی تو ہی......"

"وہ نادان ہے، ہولے ہولے سمجھ جائے گی۔ رافیہ کو اس عمر میں چھوڑ کر اپنی اور اس کی جگ ہنسائی نہیں چاہتا اسی لیے سوہا پر خود توجہ دینا شروع کی ہے۔ روز رات کو کونسلنگ کر کے سوتا تھا۔"

"صبح کو بھابھی آپ کا فیڈ کیا پروگرام یونی انسٹال کر دیتی ہوں گی اور اپنا پروگرام فیڈ کر دیتی ہوں گی۔ لے دے کر بیلنس پانی میں ہی رہتی ہے۔"

اس کی صاف گوئی پر ریاض احمد مسکرائے۔

"برخوردار، میں اپنے گھر میں کوشش کر رہا ہوں تم اپنے گھر میں کرنا شروع کر دو۔"

"چلیں ٹھیک ہے، پھر آپ اس کے سامنے مجھے کال کیجیے گا، میں لینے آجاؤں گا۔"

وہ اس کا نکتہ نظر سمجھ کر کندھا تھپتھپا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ثاقب ورکشاپ پر لڑکوں کو ہدایات دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ رنج روور میں جو مسئلہ تھا وہ ڈرائیو کے دوران بنتا تھا۔ اس لیے ثاقب نے اسے چند دن اپنے تصرف میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تاکہ مسئلے کی جڑ ڈھونڈ کر سیٹ کر کے دے سکے۔

اسے خلاف معمول جلدی گھر آتے دیکھ کر وہ سب خوش ہوئی تھیں۔ اس نے ریاض احمد سے ہونے والی ملاقات کا احوال من وعن سنا ڈالا۔

"دیکھا، میں نہ کہتی تھی ریاض الٹا سیدھا سوچنے والا انسان نہیں ہے۔"

"اب آپ لوگ بھی نا سوہا سے خالہ زینب کی

بہو والی توقعات رکھنا چھوڑ دیں۔" ثاقبہ نے فردوس بیگم کی بات میں اضافہ کیا تو آصفہ بلبلا اٹھی۔

"بہن ہم پاگل لگتے ہیں جو سوہا سے توقع رکھیں گے۔"

"یہ چیز میرے عزیز، بس یہی اسٹیمنا چاہیے۔ جب آؤ تو خود بھی پکا کر کھانا اسے بھی کھلانا۔ تھوڑا وقت لگے گا اسے ہمارے گھر میں سیٹ ہونے میں اور ہم نے اسے وقت دینا ہے۔ کیوں ثاقب؟"

"ہاں جی، دانش ور صاحبہ۔ آزمائشیں ہمیشہ ہماری زندگی کا حصہ رہی ہیں۔"

"ایسی حسین آزمائش...... ہائے میں صدقے۔ ثاقبہ کے انداز پر آصفہ "ہونہہ ہونہہ" کرتی وہاں سے اٹھ کر چل دی جبکہ رقیہ آپا آج ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ذرا چل پھر کر دیکھ رہی تھیں۔

ثاقبہ نے کلف لگا چم چم کرتا سفید سوٹ اس کے سامنے پھیلایا۔ "اب جلدی فریش ہو کر اپنی بیگم کو لے آنا بلکہ ثاقب تم لوگ کہیں باہر سے کھانا کھا ہی کر آنا۔"

آصفہ نے جو ابھی واپس آئی تھی بے ساختہ "اف" کہا تو وہ تینوں ہنسے تھے۔

☆☆☆

اس نے اندر جانے کے بجائے باہر ہی ہارن دیا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ اپنے مخصوص انداز میں ایک کندھے پر دوپٹا دوسرے پر ہینڈ بیگ کا اسٹریپ ڈالے چلی آرہی تھی۔ ثاقب نے نظر بھر کر دیکھا وہ واقعی دیکھنے لائق تھی۔ اسے ثاقبہ کی باتیں یاد آئیں۔ لبوں پر مسکراہٹ آپ ہی آپ در آئی۔ اس کے پاس آنے پر اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔

حسن کی اپنی وحشت اپنی دہشت ہے یا تو مقابل کو گنگ کر دیتا ہے یا ہر مصلحت سے بے بہرہ و بے باک کر دیتا ہے۔

لیمن کلر کے سوٹ میں، گھنے بالوں کی قدرے اونچی پونی بنائے وہ سامنے دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اس کی نظروں کی تبدیلی اس سے پوشیدہ نہیں رہی تھی جب ہی اس کی بے باک آنکھوں اور بولتی خاموشی کو اس نے ڈیش بورڈ میں لگی اسکرین کو چھیڑ کر ختم کرنا چاہا۔ گاڑی شریا گھوشال کی آواز سے گونج اٹھی۔

ہمارا حال ہم کیا بتائیں
پاس آؤ گے، جان جاؤ گے
تڑپ دل کی ہم کیا بتائیں
دل لگاؤ گے جان جاؤ گے

سوہا نے ویڈیو کی دہشت ناکی سے گھبرا کر فنا فٹ اسکرین پاور آف کر دی۔

ثاقب نے ایک نظر اسے دیکھ کر پھر سے چلا کر ویڈیو پاز کر دی۔ ڈھلتی شام میں بفرز پھر سے بجنے لگے۔

تم سے یہ کہنا ہے
یہ شام ہمیں دے دو
کچھ بھی خطا کر لو
الزام ہمیں دے دو
تم رات بھر میری بانہوں میں کھو جاؤ
بس میرے ہو جاؤ
یہ اک رات جو سنگ جی لیے تو
زندگی بھر نہ بھول پاؤ گے

"جب گاڑی کبھی دیکھی نہ ہو اچانک کہیں سے ہاتھ لگ جائے تو ایسی ہی ڈرائیو ہوتی ہے۔" سوہا نے ماحول کا فسوں توڑنے کے لیے اسپیڈ کی سوئی کی طرف اشارہ کیا جو چالیس پر تھی۔ "اتنی دیر میں، میں اب تک دو بار گھر سے ہو آتی۔" اس کے لبوں پر تمسخر بھری مسکراہٹ تھی۔

ثاقب نے گردن گھما کر اسے دلچسپی سے دیکھا۔ ساتھ ہی آٹو ہٹا کر مینوئل پر لے آیا۔ سوہا نے اس کی کارکردگی پر کوئی غور نہیں کیا۔ وہ بنا سیٹ بیلٹ کے بیٹھی تھی۔ ریس پر آنے والے دباؤ نے سوئی جب چالیس سے ایک سو چالیس پر پہنچائی تو جھٹکا اتنا شدید تھا اس کا سر سیدھا ڈیش بورڈ کی طرف گیا۔ لگنے والی متوقع چوٹ کا سوچ کر ہی اس کی چیخ نکل گئی۔ ثاقب نے سرعت سے ہاتھ بڑھا کر اس کے سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

اس کا سر ڈیش بورڈ کے بجائے اس کے سانولے محنت کش و مضبوط ہاتھ سے ٹکرایا۔

''ابھی میں نہ بچاتا تو ماتھے پر ستارہ نمودار ہو جاتا تھا۔ بیلٹ لگالو۔'' وہ مشاقی سے شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' وہ شدید خوف زدہ ہو چکی تھی۔

''بدتمیزی تو نہیں اپنی ڈرائیونگ ٹیسٹ کرا رہا ہوں۔'' اس کے رنگ اڑے چہرے کو دیکھ کر وہ سوئی کو پیچھے لانے لگا۔

''جانم۔ سارا دن انہی گاڑیوں کے ساتھ گزرتا ہے اتنا تو مالک کو معلوم نہیں ہوتا جتنی اس کی گاڑی کی مجھے خبر ہوتی ہے۔ ایسے پیشے میں مجھے ڈرائیونگ نہیں آتی ہوگی تو اور پپو کو آئے گی؟ کچھ کامن سینس بھی ہوتی ہے اس کا استعمال بھی ہوتا ہے۔'' اب کے اس نے کھل کر مسکرا کے طنز کیا۔

''یہ ہم جا کہاں رہے ہیں؟''

''کھانا کھانے۔'' ثاقب نے شہر سے ذرا ہٹ کر بننے والے نئے ریسٹورنٹ کا نام لیا۔

''یہ میرے پاپا نے کہا ہوگا۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''تم اپنی والدہ سے بھلے جتنے مرضی ڈکٹیشن لو، میں تمہارے پاپا سے ڈکٹیشن لینے والا نہیں ہوں۔''

''میری ماما کی انسلٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''میں نے کون سی انسلٹ کی ہے؟'' وہ حیران ہوا۔

''یہ والدہ، والدہ جو کرتے رہتے ہو۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولی۔

''والدہ کو والدہ ہی کہتا ہوں، گالی تو نہیں دی۔''

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''میں نے بھی سوچا نہیں تھا تم اتنی باتیں کر سکتے ہو۔'' اب وہ ذرا متعجب سی تھی۔

''تم میرے ٹیلنٹ سے واقف ہی کب ہو اپنی ماما کی بار بی۔'' گاڑی پارک کرتے اس نے پھر طنز کا تیر مارا۔ حسب توقع وہ بھڑکی تھی۔

''شٹ اپ......''

''شٹ اپ کی کیا بات ہے۔ یہی تو کہتی ہیں تمہاری والدہ ماجدہ۔'' اب کے اس نے کھل کر قہقہہ لگایا جبکہ سوہا کا منہ پہلے سے زیادہ سوج چکا تھا۔

☆☆☆

خالی خالی، بے کیف دن تھے۔ ثاقب سارا دن ورک شاپ پر ہوتا یا پھر شوروم۔ رات گئے جب وہ آتا تو وہ صوفے پر سو چکی ہوتی یا سوتی بن جاتی۔ دن کی بھی وہی روٹین تھی فردوس بیگم اس کی پسند کا کھانا بناتیں پھر وہ دونوں مل کر کھا لیتیں۔ باقی سارا وقت ٹی وی یا وہ اسٹور میں پڑے پرانے رسالے پڑھ کر گزارتی۔

باپ کی ہر روز دو، دو گھنٹے کی گفتگو اور اب رسالے اس کے اندر کھلے سوچ کے دریچوں کو مزید کشادہ کرتے جا رہے تھے۔ دماغ ہنوز تبدیلی اپنانے سے گریزاں تھا۔ کبھی کبھی وہ چھت کی منڈیر پر جا کھڑی ہوتی۔ گلی میں کھیلتے عام سے کپڑوں میں ملبوس بچے آپس میں بڑوں کی طرح بات کرتے اسے بھرا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے۔

کبھی کبھی محلے کی عورتوں کی لڑائی بھی سننے کو مل جاتی۔ گو کہ اب ساری ہمسائیاں اسے پہلے کی طرح متجسس نظروں سے نہیں دیکھتی تھیں لیکن پھر بھی وہ جہاں بیٹھی ہوتی یا جو کر رہی ہوتی، آنے والی کی نظر اس کا پیچھا ضرور کرتی رہتی تھی۔

وہ اپنا مستقبل اسی گھر اسی محلے میں سوچتی تو اپنے آپ کو آنے والی خواتین کے حلیے میں تصور کر کے اسے جھرجھری آ جاتی۔

ثاقبہ، فردوس بیگم اور ریاض احمد کی باتیں اسے حوصلہ افزاء لگا کرتیں تو ماں کا ایک فون اس کے سارے حوصلے توڑ دیتا تھا۔ آج جانے کیسے وہ عشاء سے پہلے گھر آ گیا تھا۔ فردوس بیگم نے کھانے کا پوچھا تو اس نے منع کر دیا۔ وہ نہا کر بنیان اور ٹراؤزر پہنے ڈریسنگ کی طرف چلا آیا۔ سوہا اپنی ڈیلی روٹین وائز اسکن کیئر میں مصروف تھی۔ وہ جان بوجھ کر اس سے

ٹچ ہو کر شیشے میں دیکھ کر کنگھی کرنے لگا۔ وہ وہاں سے ہٹ کر اپنی جائے پناہ یعنی صوفے پر جا بیٹھی۔ اب وہ تسلی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے سیاہ بال بے تحاشا گھنے، مضبوط اور سخت تھے۔ رنگ سیاہ نہیں لیکن سیاہی مائل سانولا تھا۔ بھوری آنکھیں کشادہ اور چمک دار تھیں۔ مجموعی طور پر وہ پرکشش مرد تھا رنگت بھلے کیسے ہی تھی۔

"نظر نہ لگا دینا۔" اس نے بلند آواز سے اس کی محویت توڑی۔ "جتنی کیئر تم خود کی کرتی ہو، اتنی میں کرتا تو تم سے زیادہ چٹا (سفید) ہو چکا ہوتا۔"

"بات سفید رنگ کی نہیں ہوتی۔" وہ نخوت سے بولی۔

"جی بالکل، بات سفید رنگ کی نہیں ہوتی بات تو میرے جیسے نقوش کی ہوتی ہے۔"

"غلط فہمیاں تو دیکھو ذرا۔" سوہا کی تیوری چڑھ گئی۔

اس نے قہقہہ لگایا۔

"چلو، یوں کہہ لیتے ہیں بات تو تمہارے جیسے چہرے کی ہوتی ہے۔" وہ اس کے پاس آ کر صوفے کی بیک پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھکا۔

سوہا نے گردن کھینچ کر چہرہ پیچھے کر لیا تو اس نے اس کی نمایاں ہوتی ہوئی بون پر انگلی پھیری۔ اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا پکا رنگ ہے میرا نہیں لگتا تمہیں، بھلے شیشہ دیکھ لو گردن صاف ہے۔" سوہا نے گردن کھینچ کر چہرہ پیچھے کر لیا۔

اسے سونے کی تیاری کرتے دیکھ کر سوہا کا مزید موڈ خراب ہو گیا۔ اس نے خود سے اعتراف کیا اب اسے اس کے کھٹے میٹھے طنز اچھے لگتے تھے۔ اس کی استحقاق بھری نظر کوئی میٹھا میٹھا درد جگاتی تھی...... قدم بہکاتی تھی لیکن وہ ایسا کٹھور تھا ذرا سا نخرہ کرنے پر شرارت روک دیتا تھا۔

"گرنے والی شب بخیر زندگی۔" سوہا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے ہنستے ہوئے ایک آنکھ بند کر کے اعتراف کیا کہ وہ کل رات کے سین کا گواہ تھا۔

"جنگلی، گنوار، جاہل......" اس نے کارپٹ پڑا کشن اٹھا کر زوردار انداز سے بیڈ پر پھینکا۔ وہ جو اس کی طرف کمر کر کے سونے کے لیے لیٹ چکا تھا کمر پر لگنے والے کشن کو اٹھا کر بازو تلے رکھ کر پھر سے آنکھیں موند گیا۔

ہر وقت کی اضطراب بھری سوچوں کا نتیجہ تھا اس کی نیند متاثر ہونے لگی تھی۔ کل رات سوتے ہوئے بھی اسے یوں لگا جیسے وہ کسی گہری کھائی میں نیچے ہی نیچے گرتی جا رہی ہے اور پھر وہ گر ہی گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو وہ صوفے سے نیچے گری تھی لیکن تب وہ تو سو رہا تھا۔ سوہا نے چہرے پر دوپٹا ڈالا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے خبر ہی نہ تھی اس کی سونے جاگنے کی روٹین اس گھر کے مکینوں جیسی ہو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ گہری نیند میں تھا جب اس نے بار بار سوہا کی آواز سنی۔ اس نے آنکھیں بند ہی رکھیں، اب اس نے اس کے بنیان میں ملبوس کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلانا چاہا تو ثاقب نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہیں کسی نے بتایا نہیں شوہر کو گہری نیند سے نہیں جگاتے۔" نیند کے خمار سے بھری گلابی رگوں کو نمایاں کرتی آنکھیں اس کی طرف اٹھائیں تو پتا چلا وہ رو رہی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھا۔

"کیا ہوا ہے سوہا؟"

"بجیل کی دوسرے گروپ کے لڑکوں سے لڑائی ہو گئی ہے۔ انہوں نے اسے مارا ہے۔ اب وہ وہاں کسی کلاس میٹ کے گھر چھپا ہوا ہے۔ اس کا کلاس میٹ کہہ رہا ہے ابھی اپنے گھر جاؤ ورنہ اس کے پیرنٹس اٹھ گئے تو اسے بھی گھر سے نکال دیں گے کہ کیسے بگڑے ہوئے لڑکوں سے دوستی کر رکھی ہے۔ باہر وہ لڑکے گھات لگائے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"وہ اس وقت باہر کیوں تھا؟" ثاقب نے حیرت سے رات کا ایک بجاتی دیوار گیر گھڑی کو دیکھا۔

"ثاقب پلیز ڈونٹ تھنک۔ پاپا کو نہیں پتا لگنا

چاہیے ورنہ بہت برا ہوگا۔" اب وہ دھواں دھار رو دی۔

"او کے او کے روؤ نہیں، مجھے اس کا نمبر دو میں دیکھتا ہوں۔"

"اس کا فون بند ہے۔ ماما سے بات کراتی ہوں۔" رافیہ کے نام پر ثاقب کے اعصاب تن گئے۔

ان سے ایڈریس سمجھ کر اس نے فون سوہا کی طرف بڑھا دیا۔ سوہا نے کال کاٹ دی۔

"میں بھی ساتھ چلوں؟"

"تم کیا کرو گی؟"

"میں پریشان ہوتی رہوں گی۔"

"آدھے گھنٹے میں، میں نے واپس آجانا ہے۔"

وہ شرٹ پہننے کے لیے کبرڈ کی طرف بڑھا تو وہ بھاگ کر اس کے جوتے اٹھا لائی۔

"ثاقب! کسی اور کو بھی ساتھ لے کر جاؤ۔ لڑکے زیادہ ہوئے تو کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوتا تم گیٹ بند کر کے سیڑھیوں پر بیٹھ جاؤ۔ میں ابھی اسے لے کر آتا ہوں۔ ہارن نہیں دوں گا۔" بائیک کی آواز سے کھول دینا۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ انتظار میں ہول رہی تھی جب رافیہ کے فون سے اسے کال آئی۔ رافیہ بتا رہی تھی ثاقب بجیل کو لے کر ریاض ہاؤس پہنچ رہا ہے۔

"لیکن ماما۔ ایسے تو پاپا کو پتا چل جائے گا۔"

"بجیل ہی ضد کر رہا ہے۔ یہ لڑکے مجھے ذلیل کرنے پر تُل گئے ہیں۔" رافیہ نے زندگی میں پہلی بار اعتراف کیا اولاد ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ شاید وہ رو بھی رہی تھی۔

ثاقب جب ریاض ہاؤس پہنچا تو رافیہ گیٹ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔ چوکیدار نے لپک کر گیٹ کھولا۔

رافیہ لپک کر ان دونوں کے پاس پہنچی۔

"کیا کرتے پھر رہے ہو تم؟ تمہیں ذرا ہمارا خیال نہیں؟ ابھی تمہارے پاپا کو بتا دوں تمہیں سیدھا کر دیں گے۔" بجیل نے بجائے جواب دینے کے ماں کو درشتی سے دور دھکیلا اور اندر جانے لگا۔

اس کے انداز دیکھ کر ثاقب نے اسے کندھے سے تھام کر روکا۔

"یہ ہیرو گیری ماں کے بجائے ان لڑکوں کو دکھاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"تم کون ہوتے ہو ہمارے پرسنل میں بولنے والے۔"

"ایک الٹے ہاتھ کی دی تو تمہیں یاد آجائے گا کون ہوں۔ اُدھر سے بچا کر لے آیا ہوں۔ گھر میں ماں سے بدتمیزی پر جوتے نہ کھالینا۔ بہتر ہوگا آپ اس کے پاپا کو سارے حالات بتا دیں۔ وہ اسے آپ سے بات کرنے کی تمیز سکھا دیں گے۔" وہ یہ کہہ کر وہاں سے نکل آیا۔

اس کی بائیک کی ہیڈ لائٹ دیکھ کر سوہا نے جلدی سے گیٹ وا کیا۔

"سب ٹھیک رہا نا؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔"

"بجیل کو زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟"

"میرا خیال ہے تمہاری ماما کو زیادہ لگی ہوگی۔"

"ماما کو کیسے چوٹ لگ گئی؟"

انہوں نے اپنے ہاتھوں تم سب کو بگاڑ کر خود کو چوٹ پہنچائی ہے۔ وہ جوتوں کے تسمے جھولتا سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

ماں چاہے تو اولاد کو مومن بنا دے اور ماں چاہے تو چور۔ رافیہ بھابھی نے اپنے طرزِ عمل سے نہ صرف خود کو نقصان پہنچایا بلکہ ریاض بھائی کی وقعت و دبدبہ بھی تم لوگوں کے دل سے ختم کر دیا، ساتھ ساتھ تم تینوں کا الگ سے نقصان ہوا ہے۔ بجیل کی عمر کے لڑکے باپ کے ساتھ بزنس چلا رہے ہیں اور وہ گینگ بنا کر شہر میں دشمنیاں پال رہا ہے۔ یہ سارا ان پیسوں کا نتیجہ ہے جو تمہاری ماما تمہارے پاپا سے چوری تم سب کو دیتی رہی ہیں تاکہ تم لوگ اپنے دوستوں پر لٹا کر کول فیل کراتے رہو۔ جدی پشتی رئیس اور ماڈ لکو۔ اس سارے کیس میں سب سے زیادہ گھاٹے میں تمہارا باپ رہا ہے، جس نے رات دن کا

فرق بھلا کر تم سب کو اچھا لائف اسٹائل دینے کی جدوجہد جاری رکھی ہوئی ہے۔ تم لوگوں نے ماں کے ساتھ مل کر اجاڑنے اور ان کی عزت دو کوڑی کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ ہم بہت چھوٹے تھے جب میرے ابو کی ڈیتھ ہوئی، میری ماں کی تربیت ہی ہے جو آج اپنی چھت تلے عزت سے لیتا ہوں اور بہنیں اپنے اپنے گھر مسائل کے باوجود چلا رہی ہیں۔ میری ماں تمہاری جیسی ہوتی تو اب تک ہم صفحہ ہستی مٹ گئے ہوتے۔

وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔ کرنے کو کوئی بات ہی نہ بچی تھی۔

"لائٹ آف کردو، مجھے صبح جلدی اٹھنا ہے۔ جب ہی تو جلدی گھر آیا تھا۔"

سوہا نے لائٹ آف کردی۔

☆☆☆

سوہا کی آنکھ مسلسل بجتے فون کی وجہ سے کھلی۔ رافیہ کال کر رہی تھی۔ اس نے بٹن پریس کر کے فون کان سے لگایا۔

"سوہا! میں ڈرائیور بھیج رہی ہوں، تم تیار رہو، کوئی اہم بات کرنی ہے۔"

وہ گھر پہنچی تو ماں اسے بدلی بدلی لگی۔

"سوہا۔ میں چاہتی ہوں تم ثاقب کے ساتھ گھر بسالو اب۔ تمہاری قسمت میں ثاقب کا ساتھ ہی تھا۔ جس کسی سے بھی تمہاری شادی کے لیے رشتے کا کہا سب نے آگے سے یہی پوچھا، کتنی پراپرٹی تمہارے نام ہے؟ مسز قدیر نے ایک رشتہ دکھایا، وہ لوگ کہنے لگے بزنس میں ہمارے لڑکے کا بھی شیئر رکھو اور جہیز میں بحریہ والا گھر دیا جائے۔ یہ تو لوگوں کے حالات بتائے ہیں۔ تمہارے پاپا نے الگ سے کہہ رکھا اگر سوہا کی طلاق کروائی تو وہ مجھے بھی طلاق ہی دیں گے۔ میں اس گھر اور لائف اسٹائل کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اپنے ماموں، ممانی کو تو جانتی ہی ہو۔ ثاقب کا گھر ان کے مقابلے میں جنت ہے۔ جنت۔ تمہارے پاپا بتا رہے تھے جس قدر ثاقب کا سیکنڈ ہینڈ گاڑیوں، ان کے اسپیئر پارٹس اور ورک شاپ والا بزنس ترقی کر رہا ہے اس کی ورک شاپس کی چین ہوگی شہر میں۔ آخر کو اس نے گھر بدلنا ہی بدلنا ہے۔ تب تک تم گزارا کرو۔"

"لیکن ماما آپ تو کہتی تھیں......"

"میں غلط کہتی تھی، تمہیں سمجھ میں نہیں آرہی میری بات؟"

"واہ ماما واہ...... پاپا نے آپ کو گھر سے نکالنے کی دھمکی دی تو آپ نے خود پر کمپرومائز نہیں کیا مجھ پر کرلیا۔ آپ اس لائف اسٹائل کے بنا نہیں رہ سکتیں اور جو میں رہ رہی ہوں وہ......؟"

"سال دو سال کی بات ہے سوہا، دیکھنا ایسا ہی تمہارا اور ثاقب کا لائف اسٹائل ہوگا۔" وہ ماں کے یوٹرن پر زار و قطار رونے لگی۔

"کیا کمی ہے ثاقب میں؟ اونچا لمبا، کڑیل، محنتی، ذمہ دار جوان ہے نہ نشہ، نہ لالچ نہ اور کوئی دوسری بری علت......"

"وہ جو آپ کالا کلوٹا کہتی تھیں؟"

"کہا تو ہے غلط کہتی تھی۔ مردوں کے سانولے رنگ ہی جچتے ہیں۔" رافیہ نے انڈو پاک فلم انڈسٹری کے سارے کالے اداکار گنوانے شروع کیے تو سوہا کی سسکیاں اور بلند ہوگئیں۔

"ماما! آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"میں شرمندہ ہوں بیٹے۔ اچھا تو میں نے خود کے ساتھ بھی نہیں کیا، تمہارے پاپا کو جس قدر بے سکون رکھا کوئی اور ہوتا تو جانے کیا کرتا۔ رافیہ نے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ کر آنکھیں رگڑیں۔ تم لوگوں کی اچھی تربیت میری پہلی ذمہ داری تھی میں نے یہی اچھی طرح نہ نباہی۔ راحیل پھر سے فیل ہوگیا ہے، نجیل کی کمپنی تباہ ہو چکی ہے۔ تمہاری شادی شدہ زندگی میں نے خراب کی ہے۔ میں بہت بے سکون ہوں بیٹا۔ تین بچے اور تینوں ہی......" اب وہ باقاعدہ آنسو بہا رہی تھی۔

ماں کو یوں ٹوٹا پھوٹا دیکھنا سوہا کے لیے خاصا برا تجربہ تھا۔ وہ ماں کے ساتھ لگ کر تسلی آمیز انداز میں کمر سہلانے لگی۔

"سوہا! ثاقب کے ساتھ تعلقات بحال کرو

اسے مناؤ۔ وہ اچھا انسان ہے پچھلی کوتاہیاں جلد بھول جائے گا۔"

"لیکن ماما میری فرینڈز کیا کہیں گی؟"

"ارے دفع کرو فرینڈز کو، اتنے عرصے سے فرینڈز سے دور ہی ہو۔ دور ہی رہو۔ نیا سرکل بناؤ تمہاری نندیں اچھی ہیں طریقہ سلیقہ بہت ہے ان کو۔ ان سے کچھ سیکھو، اپنی ساس سے کچھ سیکھو۔ تمہیں بیکنگ پسند تھی وہ کیا کرو۔ پھر کوئی بے بی آ جائے گا اس میں بزی ہو جاؤ گی اس کی اچھی تربیت کرنا، باپ کی عزت کرنا سکھانا میرے جیسی ماں نہ بننا۔ عقل مندی یہی ہوتی ہے بیٹا حالات کے مطابق ڈھل لیا جائے۔ سوشل سرکل اور سوشل میڈیا کو خود پر حاوی کر کے ہم نے خود کا بہت نقصان کیا ہے۔ اب جو بچا ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔ تم اچھی بیوی اور اچھی ماں بن کر میرے داغ بھی دھو دینا بیٹا۔ میں نے خود اپنے گھر پر توجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔" وہ اپنی کنپٹیوں پر انگلیوں سے دباؤ ڈال رہی تھی۔ "تمہارے پاپا کہہ رہے تھے سوہا کا جب کوئی بے بی ہو جائے گا تو بچے والا گھر تمہارے نام کرنا ہے۔" وہ گم صم بیٹھی ماں کی کایا پلٹ دیکھ رہی تھی۔

"بشیر تمہیں چھوڑ آتا ہے، گھر جا کے ثاقب کے آنے سے پہلے اپنا حلیہ بدلو۔ بن سنور کر رہا کرو شادی شدہ لگا کرو۔"

گھر آ کر وہ بیڈ پر لیٹی سارے حالات و واقعات پر غور کرتی رہی۔

اسے یاد تھا اس نے سہیلیوں کی دیکھا دیکھی ٹک ٹاک شروع کی تھی۔ اس کا مقصد کوئی نہیں تھا۔ حالانکہ اس کی تینوں سہیلیاں شوبزنس جوائن کرنے کا قصد لے کر ٹک ٹاک بنائی تھیں۔ سوہا کو اس فیلڈ تو کیا کسی بھی فیلڈ میں دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا واحد مقصد کھانا پینا، اپنی خوب صورتی میں اضافے کے نئے نئے ٹوٹکے کرنا اور سونا تھا۔ رافیہ اسے ٹک ٹاک بنانے سے منع کرتی تو اس نے رک جانا تھا لیکن وہ اکساتی تھی۔ پھر ثاقب سے شادی کا معاملہ تھا جو اس نے تقریباً قبول کر لیا تھا لیکن رافیہ نے اس تعلق کو بھی پیچیدہ کر دیا۔ اس کی غلطی یہی تھی کہ وہ باپ سے محبت کے باوجود عقل مند ماں کی ہدایات پر ہی کیا کرتی تھی۔

ثاقب کی چھوٹی چھوٹی شرارتیں اور پیش قدمی کو وہ ماں کے ذہن کی وجہ سے ہی جھٹک دیتی تھی ورنہ اسے اس کی باتیں اچھی لگنے لگی تھیں۔ ضد اس کی فطرت کا حصہ نہیں تھی لیکن اسے خود کو ضدی دکھانا پڑا تھا۔

چند ہفتے پہلے رافیہ کی باتوں کی وجہ سے اس نے تصور میں سنجیدگی سے جب ثاقب کی جگہ کسی اور کو دی تو اسے بہت وحشت ہوئی۔ اس نے تب سوچا تھا ثاقب ہی ٹھیک ہے یا پھر وہ ثاقب کے بعد کسی سے شادی نہیں کرے گی لیکن آج ماں نے یوٹرن لے لیا تھا۔ رافیہ نے کم و بیش اس کے باپ والی باتیں ہی کہی تھیں۔

مزید اذیت میں رہنے سے بہتر ہے میں اپنی غلطی سدھارنے کی کوشش کروں۔ ثاقب ہی کہتی تھی میاں بیوی کے رشتے میں انا نہیں ہوتی۔ اس نے گھڑی دیکھی جو شام کے پانچ بجا رہی تھی۔ اس نے خود پیش قدمی کا سوچ کر لائحہ عمل ترتیب دے لیا۔ آدھے گھنٹے کے مختلف مساج کے بعد اس کا چہرہ مزید دمکنے لگا۔ اب سوٹ منتخب کرنے کے لیے الماری کھولی تو ہر سوٹ اسے بیوی لگ رہا تھا وہ یہی سوچ کر ریجکیٹ کرتی گئی کہ فردوس بیگم اس کے بارے میں کیا سوچیں گی۔ آخر پیچ کلر کا نسبتاً ہلکا سوٹ نکال لیا، اپنی میک اپ کی ساری صلاحیت اس نے آج استعمال کر ڈالی۔

پیچ ہی لپ اسٹک کو آخری ٹچ دے کر وہ باہر نکلی تو فردوس بیگم نے پوچھا۔

"بیٹا! کہیں جانا ہے؟"

"نہیں ..... جج ..... جی وہ ....." اسے سمجھ میں نہ آیا مناسب جواب کون سا ہو گا۔

وہ شفقت سے مسکرا دیں۔

"سدا سہاگن رہو۔ اللہ گھر کے بھاگ لگائے۔ دلوں میں انس ڈالے۔" اپنی دعاؤں پر خود ہی آمین کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ پھر خیال آنے پر رک کر بولیں۔

"سوہا! میں نیند کی گولی کھا کر لیٹنے لگی ہوں

ثاقب آئے تو گیٹ کھول دینا۔ کہیں باہر نکلے تو بھی مجھے نہ جگانا باہر سے تالا لگا کر چلے جانا۔"
آدھے گھنٹے سے وہ گیٹ کے آس پاس ٹہل رہی تھی گیارہ بجے کے قریب اس نے بائیک کی آواز سنی تو اس نے ہارن سے پہلے ہی گیٹ کھول دیا۔
وہ لاؤنج میں آکر سب سے پہلے ماں کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازے کا ہینڈل نیچے کرتا اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ کر ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھی۔ وہ اشارے سے پوچھنے لگا۔
"ہوا کیا ہے؟"
وہ اس کا ہاتھ پکڑے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔
"ہاتھ تو چھوڑو، تمہارا ہاتھ کالا ہو جائے گا۔"
"تم نے تو کہا تھا تمہارا ہاتھ رنگ نہیں چھوڑتا۔"
"بلے بلے۔ میرا کہا یاد رکھا ہوا ہے ویسے میرا ہاتھ واقعی پکے رنگ کا ہے مسئلہ اس کا ہے۔" اس نے دونوں ہتھیلیاں کھول کر ورک شاپ کے کام سے لگی سیاہی دکھائی۔
سوہا نے اپنے گورے چٹے خوب صورت ہاتھ اس کی مشقت زدہ سیاہ ہتھیلیوں پر رکھ دیے۔ اب کے وہ صحیح معنوں میں ٹھٹکا۔
"خیر یت؟ کہیں طلاق کا مطالبہ تو نہیں منوانا، یار لوگ بتاتے ہیں بیویاں ایسی ادائیں تب دکھاتی ہیں جب کوئی مشکل بات منوانی ہو۔"
"منہ اچھا نہیں ہے تو بات تو اچھی کر لیں۔" سوہا نے مکا بنا کر اسے مارنا چاہا جو اس نے ہاتھ پر روک کر مٹھی بند کر لی۔ اتنی بدلی بدلی سی کیوں لگ رہی ہو؟
"اچھی نہیں لگ رہی کیا؟"
"اچھی...... یار جان لیوا لگ رہی ہو۔ بندہ بشر ہوں بہک دہک گیا تو تمہارے لیے بہت برا ہوگا۔ اپنی والدہ ماجدہ کو جانتی ہو نا سو جوتے مار کر ایک گنے گی۔"
"نہیں، انہوں نے خود ہی تو کہا......" ساتھ ہی اسے خیال آ گیا کم سے کم یہ بات چھپانے والی تھی لیکن اب زبان دانتوں تلے لینے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔
ایک دم ہی اس کی باڈی لینگویج بدل گئی۔ اب وہ صوفے پر بیٹھ کر جوتوں کے لیس کھول رہا تھا۔
"یار! تمہارا اپنا کوئی دماغ نہیں ہے، بھوسا بھرا ہوا ہے اس میں؟" وہ بھنا کر پوچھ رہا تھا۔
وہ ایڑیاں اٹھا کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
"ثاقب وہ بری طرح ٹوٹی ہیں میں بھی اپنی غلطی سدھارنا چاہتی ہوں۔ تم یقین تو کرو۔"
"پہلے تو یہ تم کہنا بند کرو۔" اس نے اپنے گھٹنوں سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔
"میں ہرگز آپ نہیں کہوں گی۔"
"مجھے کہلوانا آتا ہے۔" ثاقب نے زور سے اس کی کلائی پکڑی تو گاڑی کی سیاہی سوہا کے ہاتھ کی پشت پر لگ گئی۔ ایک دم اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔
"چھوڑ کیوں دیا؟"
"تمہیں اس کام سے نفرت ہے ناں، شرمندگی بھی؟"
"نہیں...... اب نہیں ہے۔' اس نے لب اس کی سیاہ ہتھیلی پر رکھے۔
"تو کیا محبت ہے؟"
"یہ تو میں نے نہیں کہا۔ محبت کے عالمی دن پر کہوں گی۔" وہ شریر ہوئی۔
"میرے لیے ہر وہ دن محبت کا دن ہے جب ہم اپنی بے حسی کو احساس کی دولت دیتے ہیں...... نفرت کو جھٹک کر محبت کے لیے دامن پھیلاتے ہیں۔"
"واہ جی واہ...... اور کسی کے سامنے تو آپ یوں چپ بیٹھتے ہیں جیسے کبھی بات ہی نہیں کی جبکہ میرے سامنے آپ کی زبان نہیں رکتی۔"
"دوسرے میری بیوی تو نہیں ہیں۔"
"یہ تو ہے...... یہ خوش قسمتی میرے حصے میں آئی ہے۔"
ثاقب نے اس کے اعتراف پر نرمی سے اسے ساتھ لگا لیا۔ اپنائیت کے دیے جلنے لگے اور ان دیوں کی روشنی میں باقی کا سفر محبت بھرا گزرنے والا تھا۔
☆☆

حنا اصغر

ذرا سی روشنی اندر کی ہے

جون کی چلچلاتی ہوئی دوپہر تھی۔ اس کو سورج اپنی تمام تر بے اعتنائی پر آمادہ سوا نیزے پر پہنچا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے کئی بار اپنی سفید بروشے کی چادر سے اپنے تر چہرے کو صاف کیا۔ بینش باجی کی کالونی شروع ہوتے ہی اس کے پیروں کو پر سے لگ گئے۔ پسینہ، تھکن، گرمی، حبس اور گرد و غبار سب بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہوا۔ کچھ ہی منٹوں کے بعد وہ ان کے ڈرائنگ روم میں براجمان سینٹر ٹیبل پر کپڑے بکھرائے بیٹھی تھی۔ اے سی کی کولنگ اور صوفے کی نرم گداز مخملی پشت اس کو تھپک تھپک کر لوریاں دینے لگی، اوپر سے بینش باجی نے اس کو چائے کے ساتھ اسنیکس دے دیے۔ جس کو بغیر تردد کے اس نے کھانا شروع کر دیا۔

"اس بار کام بس ٹھیک ہی ہے۔ اتنا عمدہ کام بھی نہیں سکینہ! بہرحال یہ سرخ والا اور کالا والا آؤٹ فٹس میں ڈسپلے پر لگوا دیتی ہوں۔ اگر کسی کو پسند آتا ہے اور بکتا ہے تو پھر پے منٹ کروں گی۔ تم جانتی ہو میں نے کبھی بھی تمہارے لائے ہوئے کپڑے واپس نہیں کیے۔ اس لیے ان کو بھی رکھ لیتی ہوں، باقی کپڑوں کے پیسے میں ابھی دے دیتی ہوں۔" انہوں نے قریب کھڑی ملازمہ کو اندر سے پرس لانے کو کہا۔

سکینہ نے ٹھٹک کر کچھ حیرانی سے اپنے کپڑوں کی جانب دیکھا۔ ڈیپ ریڈ اور اورنج کنٹراسٹ کی میکسی جس پر ریڈ اور اورنج کڑھائی کے ساتھ دبکے اور سفید مقیش کے ننھے ننھے ستارے بہت حسین لگ رہے تھے۔ اس کے قریب پڑی بلیک کلر کی پشواز تھی جس کے بارڈر پر اس نے کشمیری کڑھائی کے ساتھ تارکشی کا کام کروایا تھا۔ اس آؤٹ فٹ کو کسی ڈیزائنر کی عرق ریزی سے تیار کردہ شاہکار کہا جاتا تو کم نہ ہوتا لیکن بینش باجی نے انگشت شہادت اور انگوٹھے کی مدد سے چٹکی میں ان دونوں کو ایک جانب سرکا دیا۔ جس بے رحمی اور بے دردی سے انہوں نے اس کے کپڑوں کو جھٹکا، سکینہ کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اس کے ساتھ ایک سال میں یہ پانچویں بار ہوا کہ اس کے تیار کردہ زبردست سوٹ وہ یوں ہی ایک طرف ڈال دیتیں اور پھر ان کے پیسے بھی نہیں دیتی تھیں۔

سکینہ ٹک ٹک اپنی جگہ ساکت سی ان کو دیکھے گئی۔ وہ پرس میں سے چیک بک نکال کر اس پر لکھنے لگیں۔ قلم کی تیز رفتاری نے سکینہ کے دل کی دھڑکنے کی رفتار بڑھا دی۔

"یہ لو سکینہ یہ چیک کیش کروا لینا۔ ساجدہ یہ کپڑے اٹھاؤ اور اوپر ہال میں لے جاؤ۔"

"لیکن باجی۔ ان دو سوٹوں پر میں نے بہت محنت کی ہے اور......"

سکینہ کے مزید کچھ کہنے سے ہی پہلے بینش باجی نے الفاظ اس کے منہ سے اچک لیے اور غصے میں بل کھا کر بولیں۔

"سکینہ۔ تمہاری سب سے بری عادت یہی ہے، تم بحث بہت کرتی ہو۔ سال ہو گیا ہے تمہیں میرے پاس آتے ہوئے۔ تمیز، مینرز نام کی کسی شے سے ابھی تک تمہارا سابقہ نہیں پڑا۔ میں ڈیزائنر ہوں، میرے نام کی وجہ سے کپڑا بکتا ہے۔ تم ہو کیا...... گھر

گھر جا کر سلائیاں، کڑھائیاں کروانے والی ایک بی۔ اے پاس عام سی لڑکی...... اگر میں تمہیں موقع نہ دیتی تو آج تم لوکل مارکیٹوں میں کپڑے بیچ رہی ہوتیں۔ تف ہے تم پر...... احسان فراموش ہو ایک نمبر کی۔ بھول گئی ہو وہ دن، جب بی اماں کے کہنے پر میں نے تمہیں رکھا تھا۔ اسی صوفے پر دبکی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ الفاظ منہ سے نکلتے نہیں تھے۔ جی باجی...... جی باجی کہتے زبان نہیں تھکتی تھی تمہاری۔ اور اب دیکھو کیسے تڑ تڑ زبان چل رہی ہے تمہاری۔ میں جانتی ہوں، مسز انصر نے تمہیں میری بوتیک میں اپنا کارڈ دیا تھا۔ ان ہی کی شہ پر تم یوں اسپرنگ کی طرح اچھل رہی ہو۔ یاد رکھنا ایک نمبر کی دوغلی اور مفاد پرست عورت ہیں مسز انصر! ان کے کئی ورکرز انہیں چھوڑ کر اب میرے لیے کام کر رہے ہیں۔ بہت زیادہ اونچی اڑان اڑنے کے خواہش مند منہ کے بل گرے ہیں، جو مل رہا ہے اسی پر قناعت کرو۔ میں کون سا یہ کپڑے کھا رہی ہوں، مل جائیں گے پیسے تمہیں ان کے بھی فکر نہ کرو۔" وہ بدلحاظی اور بے مروتی کے اگلے پچھلے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے بولیں۔

ان کی لعن طعن کرتی زبان بگڑے تیور اور ماتھے پہ بکھرے ان گنت بلوں کے جال نے سکینہ کو سہا کر رکھ دیا۔ وہ ہراساں نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھنے لگی، جہاں کچھ دیر پہلے ہی ایک نوجوان آ کھڑا ہوا اور انتہائی فرصت سے اس نے اس دلچسپ سین کو اپنی نگاہوں سے دیکھا، اس کے ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ سب سن اور دیکھ چکا ہے۔

بینش باجی خفت زدہ لہجے میں بولیں۔

"ارے تبریز۔ تم کب آئے ہو۔ آؤ بھئی، وہاں کیوں کھڑے ہو...... کاروبار میں تو ایسا چلتا ہی رہتا ہے۔" کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف انہوں نے پاس رکھا جوس کا گلاس اٹھایا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔

سکینہ سرعت سے آگے بڑھ کر سامان سمیٹنے لگی۔ تبریز عالم چلتا ہوا ان کی سامنے والے صوفے پر جا بیٹھا۔ جہاں کچھ دیر پہلے سکینہ براجمان تھی۔

"بس ابھی آیا ہوں۔ آپ کو منانے کے لیے کہ میرے ساتھ دبئی چلیں۔ آپ کے دو اسٹال بک کر دیے ہیں میں نے۔ شوکت بھائی سے بات بھی کر لی ہے۔ آپی۔ اب میں آپ کا کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔" اس کی بات پر وہ شرما کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"اچھا...... اچھا۔ بھئی دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔ پہلے کچھ کھا پی تو لو۔"

"اچھا باجی۔ میں چلتی ہوں۔" اپنا بیگ نما پرس کندھے پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں کچھ دنوں تک خود ہی تم سے رابطہ کروں گی۔" سپاٹ انداز میں کہہ کر انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا اور تبریز کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ جو کہ بڑی دلچسپی سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جس کے چہرے سے چھلکتی معصومیت اس کو ممتاز بنا رہی تھی۔

وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم سے باہر آئی، داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے سکندر سے اس کی ڈبھیڑ ہو گئی۔

"ہیلو مس سکینہ! کیسی ہیں آپ...... آج کل نظر ہی نہیں آتیں۔ کتنی بار کال کر چکا ہوں لیکن میرا نمبر بھی بلاک کیا ہوا ہے۔ خیریت تو ہے؟"

سکینہ نے لاکھ چاہا کہ اس کو نظر انداز کر کے نکل جائے لیکن وہ اپنے نام کا ایک ہی لیچڑ تھا جو لسوڑے کی طرح ہر وقت اس کے سر پر سوار ہونے کی کوششوں میں سرگرداں رہتا۔

سکندر بینش باجی کا اسسٹنٹ اور کرتا دھرتا تھا۔ ان کو ہر بات کی رپورٹ دینا، مختلف ڈیزائنر کے ڈیزائن کاپی کرنا، کپڑوں کے لیے ورکرز کو تلاش کرلانا بھی اسی کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ سکندر کی بہن سکینہ کی چھوٹی بہن گڑیا کی کلاس فیلو تھی۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے کی بات تھی، جب ابا کی دوسری شادی اور اماں کی اچانک بیماری نے سکینہ کو گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ سکینہ کے ابا ٹیلر تھے۔ اپنے

دوست کے توسط سے ان کا رابطہ ایک ڈیزائنر سے ہوگیا اور وہ ڈیزائنر کی بوتیک پر رہائش پذیر ہوکر کپڑے سینے لگے۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ہفتے میں بامشکل ایک آدھ بار ہی ان سے مل پاتیں۔ ابا نے کچھ وقت بعد ان سے رابطہ کم کرتے کرتے بالکل ختم کردیا۔ اماں کے کہنے پر سکینہ ان کی بوتیک گئی وہاں جاکر پتا چلا کہ ابا نے وہاں ایک اور ٹیلر کی بہن سے نہ صرف شادی رچالی ہے بلکہ اس کے ہی گھر میں رہائش بھی اختیار کرلی تھی۔

یہ خبر ان تینوں ماں بیٹیوں کے اعصاب پر بم کی طرح گری۔ جس نے ان کی ہستی کے مان اور غرور کو چکنا چور کردیا۔ مزید پڑھنے کا خواب اب خواب ہی بن گیا۔ اماں چارپائی سے لگ گئیں اور گڑیا کی دوست سعدیہ کے بھائی سکندر کے توسط سے ہی سکینہ کی اماں اور پھر بینش سے ملی۔ اب اگرچہ گھر کے دگرگوں حالات بہتری کی جانب گامزن تھے لیکن اماں کی مسلسل گرتی صحت اور بیماری ان دونوں بہنوں کو ہراساں کیے رکھتی۔

"جیسی نظر آرہی ہوں، ویسی ہی ہوں۔" وہ جلے کٹے انداز میں بولی۔

"خیر۔ دیکھنے میں تو بہت اچھی ہیں لیکن آج منہ کچھ بنا ہوا ہے، یقیناً بینش باجی نے کچھ کہا ہوگا۔"

وہ ایک آنکھ میچ کر شرارت سے بولتا ہوا اس لمحے سکینہ کو سخت زہر لگا۔ نا چاہتے ہوئے بھی سکینہ کی آنکھیں اشکبار ہونے لگیں۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں ایسا اٹکا کہ وہ بولنے سے ہی گریزاں ہوگئی۔ سر جھٹک کر آگے بڑھنے کو ہی تھی جب وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"میں نے کیا کہا ہے آخر۔ جب بات کرتا ہوں پتھر مار دیتی ہو۔ میں فون کرتا ہوں تو نمبر بلاک کردیتی ہو۔ بندہ پوچھے میں تو خود یہاں ملازم ہوں۔ وہ جو آپ کے ساتھ کرتی ہیں، میں بھی صبر کے گھونٹ پی کر برداشت کرتا ہوں۔ بارہا کہہ چکا ہوں کسی اور ڈیزائنر سے کانٹیکٹ کرادیتا ہوں، وہ بات بھی نہیں مانتیں۔ وہی ڈھاک کے تین پات۔ آنا بھی یہیں ہے اور شکوہ بھی کرنا ہے...... موڈ بھی خراب کرنا ہے۔"

"مجھے آپ کی صفائی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔" وہ چادر سے اپنی آنکھیں اور ناک صاف کرتی ہوئی بولی۔ اس کا دھواں دھواں چہرہ اور سرخ آنکھوں نے سکندر کو متوحش کردیا۔ وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"مانتا ہوں، میں یہاں کام کرتا ہوں۔ ہر بات سے بینش باجی کو باخبر کرنا میری ڈیوٹی میں شامل ہے۔ اپنی ڈیوٹی سے روگردانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس بات کا تعلق میری ذات سے ہے، اسے نظرانداز کردوں۔ وہ ناانصافی کرتی ہیں۔ کئی دفعہ تمہارے ریجیکٹ کیے ڈریسز ان کی شو اسٹاپر نے پہنے ہیں اور ان کی پکس بھی میں نے تمہیں خود دکھائی تھیں، ورنہ تم تو انجان ہی رہتیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے تمہیں بارہا کہا ہے کہ میں تمہارا کسی اچھے ڈیزائنر سے رابطہ کرادیتا ہوں، اندر تبریز عالم موجود ہیں۔ کہنے کو وہ بینش باجی کے کزن ہیں لیکن اخلاقیات اور انسانیت میں ان سے کہیں بلند ہیں۔"

"مجھے دیر ہو رہی ہے، میں چلتی ہوں اب۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولی۔

"میں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ سر پر مارتے ہوئے بے بسی سے بولا۔

چھ ماہ ہونے کو آئے تھے، جب اس لڑکی نے سکندر کے دل کے بند کواڑوں کو اپنے ہاتھوں سے اس طرح کھولا کہ اب وہاں کسی کا گزر ہونا ناممکن سا ہوگیا تھا۔ پہلے پہل شادی کا تذکرہ ہونے پر وہ ٹال جاتا پھر اس نے اماں کے سامنے ڈھکے چھپے لفظوں میں سکینہ کا ذکر کردیا۔ شروع شروع میں اماں انکاری تھیں اور اسے بھی سمجھانے کی کوشش کی لیکن پھر اس کی لگن اور دلچسپی دیکھ کر خاموشی اختیار کرلی۔

"میں خود جا سکتی ہوں۔" وہ اس کا خلوص ایک پل میں اس کے منہ پر مار کر بولی۔ وہ حیرت سے اس کو لمحہ بہ لمحہ خود سے دور ہوتا ہوا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

"واہ بھئی۔ اس دفعہ کام بہت زبردست کروایا ہے تم نے، ورنہ ہر دفعہ تمہیں یہی سمجھانا پڑتا ہے کہ کپڑے کی کوالٹی پر کمپرومائز نہ کیا کرو۔"

پورے پندرہ دن بعد وہ ان کے ڈرائنگ میں موجود تھی۔ بینش باجی کا بھائی اور شوہر بھی وہاں موجود تھے۔ تینوں ایک ایک آؤٹ فٹ کو اچھی طرح جانچنے میں لگے ہوئے تھے۔

"آپی۔ سکینہ نے خود کو بھی تو امپروو کیا ہے۔ یاد ہے شروع شروع میں آتی تھی تو بالکل پینڈو لگتی اور عجیب وغریب کلرز اور ڈیزائنر کے سوٹ پہنتی تھی۔ کہیں سے بی۔ اے پاس نہیں لگتی تھی۔" بینش باجی کے بھائی آصف نے ناک سکیڑ کر بڑی بے رحمی سے تبصرہ کیا، جس پر دونوں میاں بیوی نے قہقہہ لگایا۔ البتہ خفت وبکی سے سکینہ کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ اس کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔

"اور نہیں تو کیا...... یہ تو ہم ہی ہیں جنہوں نے اس کو گروم کیا ہے۔ اس کے کام میں پرفیکشن آتی جارہی ہے۔ ورنہ تو الٹے سیدھے ڈیزائن چھپوا کر کام تو ہر کوئی کروا لیتا ہے۔"

ان کے بے لاگ تبصروں اور ہتک آمیز رویوں نے سکینہ کا دل مکدر کر دیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس برستی بارش میں ہی لوٹ جائے کیونکہ آج بینش باجی نے اس سے کہا تھا کہ رات کا کھانا وہ ان کے ساتھ کھائے گی اور پھر وہ خود اس کو ڈرائیور کے ہاتھ گھر چھڑوا دیں گی۔ ان کے اصرار کرنے پر ہی وہ ایسے موسم میں گھر سے نکلی تھی۔

"بس بہت ہو گیا مذاق۔ اب کام کی بات کر لیتے ہیں۔ سکینہ! میری بات غور سے سنو۔ ان پینتیس آؤٹ فٹس کے پیسے میں دے رہی ہوں لیکن باقی پندرہ کے دبئی سے آنے کے بعد دوں گی۔"

بینش باجی کی بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ اس کو یقین تھا کہ وہ دو یا تین سوٹوں میں ڈنڈی ماریں گی لیکن اب کی بار وہ پورے پندرہ آؤٹ فٹس کی بات کر رہی تھیں۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی، ان پندرہ سوٹوں کی ادائیگی پھر کبھی نہیں ہوگی۔

"باجی مجھے سب کے پیسے آج ہی چاہئیں اور جو پہلے والی پے منٹ رہتی ہے، ان کا حساب بھی کر دیں۔" اس نے جی کڑا کر کے کہہ دیا۔

وہاں بیٹھے نفوس کو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا۔ اشاروں کنایوں میں باتوں کا سلسلہ ابھی شروع بھی نہ ہو پایا کہ بینش باجی بھڑک کر بولیں۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے سکینہ۔ کون سے باقی پیسے، میں ہر دفعہ ہاتھ کے ہاتھ ہی تمہیں پیسے دیتی رہی ہوں۔ کوئی واجبات باقی نہیں ہیں تمہارے۔ ان تھرڈ کلاس سلائیاں، کڑھائیاں کروانے والیوں کے ساتھ ایک ہی مسئلہ ہے، ذرا سا منہ لگا لو اوقات بھول جاتی ہیں۔ منہ کو آنے لگتی ہیں۔ بی بی تم ہو کیا شے...... یہ تمہارے گھسے پٹے اور فضول ڈیزائن ہی تھے جن کو میرے کاریگروں نے صبح وشام عرق ریزی سے ڈیزائنر آؤٹ فٹس میں تبدیل کیا ہے۔"

"پر باجی...... میری بات تو سنیں......" اس نے کئی بار بولنا چاہا۔ لیکن ان کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ وہ غصے میں پیچ وتاب کھاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپی۔ کول ڈاؤن۔ آخر ایسا بھی کیا کہہ دیا ہے بے چاری نے، جو آپ یوں ہائپر ہو رہی ہیں۔"

"بے چاری...... مائی فٹ۔ یہ تمہیں بے چاری لگ رہی ہے۔ دوسرے لوگوں سے زیادہ معاوضہ دیتی ہوں اس کو اور اس کی زبان دیکھو کیسے فراٹے بھر رہی ہے۔" غصے اور نفرت سے وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی تھیں۔

"نکلو یہاں سے...... اور اپنا یہ کچرا بھی لے جاؤ۔ نہیں چاہئیں تمہارے کپڑے مجھے۔" انہوں نے اس کو دروازے کی طرف دھکا دیا۔

”باجی۔ اتنی بارش ہے باہر، میں کیسے جاؤں گی۔ آپ کو اللہ کا واسطہ......“ بولتے ہوئے سکینہ کے آنسو نکل پڑے۔

”ایک منٹ نہیں...... ایک سیکنڈ نہیں...... ابھی نکلو اور خبردار جو دوبارہ یہاں آئیں۔“ ان پر تو جیسے جنون سا سوار تھا۔ اس کا بازو پکڑ کر باہر کی جانب زور سے دھکا دیا۔ وہ برآمدے میں آگری۔

ہاجرہ نے افسوس بھرے انداز میں اس کے کپڑے برآمدے میں رکھتے ہوئے اس کے ننگے سر اور ننگے پاؤں کی جانب دیکھا۔ اس کی کلائیوں میں بجی سرخ چوڑیاں کب کی ٹوٹ چکی تھیں۔ اب وہاں سرخ خون نظر آرہا تھا۔

وہ کسی توٹے بکھرے، لٹے پٹے مسافر کی طرح وہیں بیٹھی رو رہی تھی۔ اتنی ہتک اذیت تو شاید اس نے زندگی میں کبھی برداشت ہی نہیں کی تھی جتنی کہ اس لمحے کر رہی تھی۔

تب ہی کوئی آہستگی سے چلتا ہوا اس کے عین پیچھے آکھڑا ہوا۔ اس مانوس انسان نے اس کی کالی چادر اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دی۔

سکینہ نے اشک بار نگاہوں سے ہڑبڑا کر اوپر کی جانب دیکھا اور اس کو دیکھ کر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

”پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے سکندر۔ اتنے شارٹ نوٹس پہ اس نے جاب چھوڑی ہے کہ اب اس جیسا کوئی اور اتنی جلدی مل نہیں سکتا۔ وہ تھا بھی تو بہت ایمان دار اور قابل بھروسا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے جاب کیوں چھوڑ دی ہے اچانک سے۔“ بینش ایزی چیئر کی پشت پر سر ٹکائے فون کان سے لگائے مسز رحمٰن کو بتا رہی تھیں۔ تب ہی آصف آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ انہوں نے بات کو سرعت سے سمیٹا اور دوبارہ سے کال بیک کرنے کا کہہ کر اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

”کچھ پتا چلا سکندر کا؟“

”جی۔ لیکن اس سے پہلے آپ ٹی وی دیکھ لیں۔“ اس نے میز پر رکھا ریموٹ اٹھا کر آن کیا۔ ایک چینل سلیکٹ کیا۔ دبئی فیشن ویک جو کہ دو دن پہلے ہی اختتام پذیر ہوا تھا، اس کا لائیو شو آج تیسری بار دکھایا جا رہا تھا۔ ماڈلز دائیں بائیں کھڑی تھیں اور اب ڈیزائنر کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی تھی۔

”مسز سکینہ سکندر۔“

دونوں میاں بیوی کے درمیان تبریز عالم کو اسٹیج پر چلتا دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی۔ ان کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے کی سکینہ اور اب کی سکینہ سکندر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

ان کا غصہ تو دو ہفتے بعد ہی کہیں جا سویا، اس کے بعد بارہا انہوں نے سکینہ سے رابطہ کرنا چاہا لیکن ہر بار یہی پتا چلتا کہ اس کی شادی ہو گئی ہے۔

آصف نے ٹی وی کی آواز آہستہ کردی۔

”ایک اور بری خبر ہے آپی...... ہم نے جو برائیڈل ویک کے لیے ڈریسز کی پکس بھیجی تھیں وہ ریجکٹ ہو گئی ہیں۔ اب کی بار ڈیزائنرز بہت زیادہ ہیں اور جانتی ہیں سب سے زیادہ کس ڈیزائنر کے ڈریسز پسند کیے جا رہے ہیں، سکینہ سکندر کے...... آپ کے دو ورکرز جواب دو نہیں رہے، گیارہ بن گئے ہیں۔ بہرحال ان نقصانات کا ازالہ تو ممکن ہے لیکن آپ کی پیٹھ پیچھے پیچھے ایک چہرا تبریز عالم نے بھی گھونپا ہے۔“

بینش ابھی ان جھٹکوں سے سنبھلی نہ تھیں جب آصف واپس جاتے ہوئے مڑا۔

”سکندر اور تبریز مل کر ہماری بوتیک کے سامنے اپنی بوتیک کھول رہے ہیں۔ سکینہ اور سکندر وہ دو پتھر تھے، جن کو تبریز نے پارس بنا دیا ہے۔ آپ نے اس دن کھلے دروازے سے، برستی بارش میں خدا کا واسطہ دیتی اس لڑکی کو نہیں بلکہ اپنی قسمت کو نکالا تھا۔“ وہ کہہ کر رکا نہیں اور بینش سود و زیاں میں ابھی خالی اسکرین کو تکتی رہیں، جہاں کچھ دیر پہلے گونجتی تالیوں نے ان کو سناٹے میں تنہا کھڑے ہونے کا احساس دلایا تھا۔

☆☆

نازیہ کنول نازی

جنہیں راستے میں خبر ہوئی

تیرے ہونٹوں سے بہتی ہوئی یہ ہنسی
دو جہانوں پہ نافذ نہ ہونے کا باعث تیرے
ہاتھ ہیں
جن کو تو نے ہمیشہ لبوں پہ رکھا مسکراتے ہوئے
تو نہیں جانتی نیند کی گولیاں کیوں بنائی گئیں
لوگ کیوں رات کو اٹھ کے روتے ہیں
سوتے نہیں
تو نے اب تک اگر کوئی شب جاگتے بھی
گزاری تو وہ
پارٹی نائٹ تھی
تجھ کو کیسے بتاؤں کہ تیری صدا کے تعاقب میں
میں کیسے دریاؤں، صحراؤں، جنگلوں سے گزرتا ہوا
ایک ایسی جگہ جا گرا تھا جہاں
پیڑ کا سوکھنا عام سی بات تھی
جہاں ان چراغوں کو جلنے کی اجرت نہیں مل رہی تھی
جہاں لڑکیوں کے بدن صرف خوشبو بنانے کے
کام آتے ہیں
مجھ کو معلوم تھا
تیرا ایسے جہاں ایسی دنیا سے کوئی تعلق نہیں
تو نہیں جانتی کتنی آنکھیں تجھے دیکھتے دیکھتے
بجھ گئیں
کتنے کرتے تیرے ہاتھ سے استری ہو کے
جلنے کی خواہش میں
کھونٹی سے لٹکے رہے
کتنے لب تیرے ماتھے کو ترسے
کتنی شاہرائیں اس شوق میں پھٹ گئی ہیں
کہ تو ان کے سینے پہ پاؤں دھرے
میں تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا ہوں
اب مجھے تیری موجودگی چاہیے
اپنے ساٹن میں سہمے ہوئے سرخ پیروں کو اب
میرے ہاتھوں پہ رکھ
میں نے چکھنا ہے ان کا نمک!

پوری وادی دھند کی لپیٹ میں جکڑی ہوئی تھی۔ بلیک جینز پر اونی جیکٹ پہنے ساری دنیا سے بے خبر وہ اوپر پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھا نیچے وادی میں بھیڑوں کے پیچھے بھاگتی اس خوب صورت سی کشمیری سیب جیسی بچی کی چابک دستی کو نہایت محویت سے دیکھ رہا تھا۔ جو مہارت سے بھیڑوں کو ایک قطار میں ہانکتی اپنے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

یہ پانچواں دن تھا اس وادی کے لوگوں نے

ناولٹ

سورج کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ دن بھر سرد ہواؤں کا سلسلہ جاری تھا اور رات میں برف پہاڑوں پر اپنا ڈیرا جمالیتی۔ وہ جب پہلی بار یہاں آیا تھا تو پہلی رات کی برف باری سے بیمار پڑ گیا تھا مگر...... اب اس نے یہاں کی قاتل برفیلی ہواؤں کے ساتھ ساتھ، رات کی برف باری کو بھی برداشت کرنا سیکھ لیا تھا۔ تب ہی فرصت کے لمحات میں بے فکری سے جہاں دل چاہتا، چہل قدمی کو نکل جاتا۔

دوپہر میں تازہ بکرے کے شوربے نے خاصی تقویت دی تھی مگر اب جب کہ اندھیرا بڑھ رہا تھا، اسے بھوک ستانے لگی تھی۔ پرندے اپنے اپنی آشیانوں کو واپس پلٹ چکے تھے۔ برف کی وادی میں، وادی کے گنے چنے گھروں سے اٹھتے دھوئیں نے گویا سردی کے سحر کو توڑنے کی معمولی سی کوشش کی تھی۔

وہ ابھی اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا جب اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ حسب توقع کرمو چاچا فکر مند چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تب ہی وہ بولے تھے۔

''ٹھنڈ بڑھ رہی ہے بیٹا! یہ گرم چادر لے لو۔ نہیں تو بیمار پڑ جاؤ گے۔''

وہ مسکرایا تھا۔

''فکر نہ کریں چاچا! بڑا سخت جان ہوں میں۔ اتنی جلدی یہاں کی ٹھنڈ سے بیمار پڑ کر مرنے والا نہیں ہوں میں۔''

اس کی مسکراہٹ پھیکی اور اداس تھی۔ بالکل اس کی لائٹ براؤن آنکھوں کی طرح۔ کرمو چاچا (جن کا اصل نام تو کرم دین تھا مگر وادی کے لوگ انہیں کرمو چاچا کے نام سے پکارتے تھے) ہمیشہ کی طرح سر جھکا کر رہ گئے۔

''آج رات بہت شدید برف باری ہونے والی ہے۔ تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے کی بھی قوی امید ہے۔ بہتر ہے آج رات آپ آرام کریں۔'' کرمو چاچا ہمیشہ اس کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ وہ پھر مسکرا دیا۔

''آرام میری قسمت میں نہیں ہی کرمو چاچا!''

''مگر......''

''چھوڑیں اگر مگر کو، یہ بتائیں کھانا تیار ہوا کہ نہیں۔''

وہ اپنے لیے ان کے جذبات واحساسات سمجھتا تھا۔ تب ہی ان کی بات تیزی سے قطع کرتے ہوئے اس نے اپنا بازو ان کے بوڑھے کندھوں کے گرد پھیلا کر انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا تو وہ دل مسوس کر رہ گئے۔

''جی، تیار ہو گیا ہے۔''

''گڈ۔ کیا ہے آج کھانے میں؟''

''چھوٹا مغز ہے۔ مچھلی کے کباب اور ساگ ہے مکئی کی روٹی کے ساتھ۔''

''ساگ اور مکئی کی روٹی۔'' کچھ کلک ہوا تھا۔ ساری بھوک لمحوں میں دم توڑ گئی۔

''کیا ہوا بیٹا! پسند نہیں آپ کو؟'' اس کا اترا ہوا منہ دیکھ کر کرمو چاچا پوچھے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ بس بھوک نہیں ہے ابھی۔''

''بیٹا......!''

''کل ملتے ہیں کرمو چاچا! ابھی چلتا ہوں۔ ایک جگہ کام سے جانا ہے۔ آپ پلیز وہ جو کمرے کے انتظام کا کہا تھا، وہ صاف کروا دیجیے گا۔ میری دوست کل پہنچ جائیں گی یہاں۔''

تیزی سے ایک مرتبہ پھر ان کی بات قطع کرتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ پیچھے کرمو چاچا اداس نگاہوں سے اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

اس رات بہت بارش ہوئی تھی۔ طوفانی ہواؤں کے تیز جھکڑ درجہ حرارت کو مزید گرانے میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ وہ کھڑکی کی دونوں پٹ کھولے کھڑا طوفانی ہواؤں کے زور کو خود پر برداشت کرتا رہا۔ دل کے زخم تھے کہ ادھڑتے چلے جا رہے تھے اور وہ بے بس کھڑا جیسے خود اپنا ہی تماشا دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

بارش اپنے زور پر تھی۔ وہ پنسار کی دکان سے نکلا تو سامنے بینک کی سیڑھیوں سے اترتی انجشاہ سے ٹکرا گیا۔

اس کی طرح وہ بھی جلدی میں تھی۔ سوزان کو غصہ آ گیا۔
"خیر ہے، اتنی تیز بارش میں تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"
"یہی سوال میرا تم سے بھی ہے۔"
بنا اس کے غصے کو خاطر میں لائے وہ بے نیازی سے بولی تو اس کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔
تب ہی تپ کر بولا۔
"میں لڑکا ہوں۔ سو کام ہوتے ہیں باہر کے مجھے۔ تمہیں کیا مصیبت پڑی تھی جو اتنی تیز بارش میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔" اب وہ باقاعدہ کلاس لے رہا تھا۔
انجشاء مسکرا دی۔
"امی کی دوا ختم ہو گئی تھی، وہی لینے نکلی تھی۔ گھر سے جب نکلی تھی تو بارش نہیں تھی۔ یہ تو ابھی پندرہ بیس منٹ پہلے شروع ہوئی ہے۔"
"جو بھی ہے، ایسے موسم میں تنہا باہر نکلنے سے گریز کیا کرو۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔"
"تم پاگل ہو سوزان! اور کچھ نہیں۔"
"کیوں؟" جتنا وہ غصے میں تھا اتنا ہی وہ سکون سے بولی تو وہ تپ اٹھا۔
"دیکھو، جب میرے سگے باپ کو میرے کہیں آنے جانے سے کوئی مسئلہ نہیں تو تم کیوں دادا ابا بنے رہتے ہو میرے؟"
"شاباش ہے۔ تمہیں برا لگتا ہے میرا روکنا ٹوکنا؟"
"نہیں، برا کیوں لگے گا۔ ویسے ہی کہہ رہی تھی۔"
پل میں وہ سنجیدہ ہوا تو اسے بے ساختہ نظر چرانی پڑی۔ سوزان کے چہرے پر خفگی برقرار رہی۔
"جب برا نہیں لگتا تو زیادہ سوال جواب بھی مت کیا کرو۔ تمہارا خیر خواہ ہوں دشمن نہیں ہوں۔"
"پتا ہے مجھے۔"
"کھتے سو اپتا ہے تمہیں۔" سر جھٹکتے اس نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی، پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ "چلو بارش رکنے والی نہیں ہے ابھی۔ کافی پی کر چلتے ہیں۔"
وہ ہمیشہ خود فیصلہ کر کے اس پر صادر کرتا تھا اور انجشاء کے پاس سوائے اس کے حکم کی تعمیل کے اور کوئی آپشن نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔ کافی شاپ میں بارش کی وجہ سے کافی رش تھا۔ وہ دونوں ایک کونے میں خالی ٹیبل دیکھ کر اسی طرف بڑھ گئے۔
"آنٹی کیسی ہیں؟ اب تو جھگڑا وغیرہ نہیں کرتے انکل ان کے ساتھ؟" اپنی کرسی سنبھالتے ہی اس نے مخصوص انداز میں پوچھا تھا۔ انجشاء نے کپڑوں پر خشک ہاتھ پھیر کر بارش کی نمی کم کرنے کی کوشش کی۔
"کیوں، اب کیا ہوا ہے؟"
"یار! اتنی بیمار جو رہتی ہیں آنٹی اب۔"
"تو کیا ہوا؟ وہ مر بھی جائیں، تب بھی ابو ان کی جان چھوڑنے والے نہیں۔"
"ہاں یہ تو ہے۔ کیا پھر سے کوئی بات ہوئی ہے؟"
"ہوں۔"
"کیا؟" چونک کر بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا، جب وہ نظر جھکاتے ہوئے بولی۔
"میری وجہ سے کل پھر بہت مارا ہے ابو نے امی کو۔"
"واٹ...... مگر کیوں؟" وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔ انجشاء کے لبوں پر مجروح سی مسکراہٹ بکھر گئی۔
"ابو اپنی اکلوتی بہن کے اکلوتے بیٹے کے ساتھ میری شادی طے کرنا چاہتے ہیں، مگر مجھے وہ پسند نہیں۔ لہٰذا میں نے انکار کر دیا۔ ابو کو میری یہ جرأت پسند نہیں آئی۔ لہٰذا وہ امی پر غصہ نکالنے لگے کہ انہوں نے خود میری تربیت کیوں نہ کی دونوں بڑی بہنوں کی طرح جو ان کے باندھے ہوئے کھونٹوں کے ساتھ چپ چاپ بندھ گئیں۔"
"ہوں، بات تو ٹھیک ہے ان کی۔ امی کے لاڈ پیار نے بہت بگاڑ دیا ہے تمہیں۔ خیر...... تمہیں اپنی پھوپھی کا لڑکا کیوں پسند نہیں۔" دل کی ہارٹ بیٹ مس ہونے کے باوجود وہ خود کو لاپروا ظاہر کر رہا تھا۔
انجشاء مسکرا دی۔
"بس میری مرضی، مجھے شادی ہی نہیں کرنی ابھی۔"
"ابھی نہیں کرنی تو کب کرو گی، جب منہ میں

ایک بھی دانت نہیں رہے گا۔ پوپلے منہ کے ساتھ یمن بنی خاک اچھی لگو گی۔"

"تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تم پر منہ دھو کر نہیں بیٹھی میں۔"

"شکر اللہ، الحمدللہ۔ یہ کلیئر کر کے تو یقین مانو بالکل ہلکا پھلکا کر دیا تم نے مجھے۔" انجشاء کے چڑنے پر اس نے حظ اٹھایا تو وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"کیوں اتنی بری ہوں میں؟"

"نہیں نہیں۔ تم اس سے بھی زیادہ بری ہو۔"

"مرو تم۔ خبردار جو آج کے بعد بھی مجھ سے بات کی تو۔"

کافی کی پے منٹ کر کے وہ اٹھا تو انجشاء دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"بہت شکریہ۔ جو حکم......اب چلو۔"

وہ کہاں اس کی دھمکیوں میں آتا تھا۔ انجشاء اپنا خون جلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ دونوں گھر پہنچے تو بارش ختم ہو چکی تھی۔ انجشاء سوزان سے خفا خفا سی، پورچ میں گاڑی رکتے ہی گاڑی سے اتر کر اندر ہال کمرے کی طرف چلی آئی۔ اس کی توقع کے عین مطابق مسز ساحر سامنے صوفے پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ وہ متوازن قدموں سے آگے بڑھتی ان کے قدموں میں آ کر بیٹھ گئی۔

"ڈاکٹر نے کہا بھی ہے کہ آپ کی قریب کی نظر متاثر ہو رہی ہے مگر مجال ہے آپ کتابیں پڑھنے سے باز آ جائیں۔"

اپنے مخصوص دھونس جمانے والے لہجے میں کہتے اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔ مسز ساحر اس کی آواز پر کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھتے ہوئے مسکرا دیں۔

"کیا کروں بیٹا! تنہا بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتی ہوں۔ پہلے تو تم سارا دن پاس رہتی تھیں، وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اب تو نہ تم آتی ہو، نہ سوزان زیادہ دیر گھر پر ٹکتا ہے۔ اپنے انکل کو تو تم جانتی ہی ہو، اس عمر میں بھی بیمار بیوی سے زیادہ دوست احباب اہم ہیں ان کے لیے۔ ایسے میں یہ کتابیں ہی ہیں جو تنہائی بانٹ لیتی ہیں۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے آنی! لیکن اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں ناں آپ۔"

"کیا کرنا ہے انجو! قبر میں مٹی نے بھی کھا جانا ہے سارا جسم۔"

"شاباش ہے۔ کبھی کچھ اچھا نہ سوچیے گا۔" وہ خفا ہوئی تھی، مسز ساحر کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"کہاں مصروف رہتی ہو، اتنے اتنے دن شکل ہی نہیں دکھاتیں۔"

"بس کیا کروں آنی! جاب ہی سر کھانی ایسی ہے کہ ایک منٹ کی فرصت نہیں ملتی۔ آفس سے واپسی پر امی ابو کے دل چسپ سین دیکھنے کو ملتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ پتا نہیں ضمیر بھائی کو کب عقل آئے گی۔" مسز ساحر نے سرد آہ بھر کر کہا، تب ہی سوزان وہاں چلا آیا۔

"اس کو عقل نہیں آنی امی! چاہے صدیاں بیت جائیں۔" اس نے آدھی بات سنی تھی۔ تب ہی ٹکڑا دیا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے محترم سوزان ساحر صاحب!"

"الحمدللہ۔ اپنے بابا کا ذہین و فطین، سمجھ دار اکلوتا بیٹا ہوں۔" وہ اسے چڑا کر مزا لیتا تھا اور وہ چڑ رہی تھی۔

"آنی دیکھ رہی ہیں آپ اسے؟"

"ہاں، مگر میں اسے کچھ نہیں کہوں گی کیونکہ میں اس سے ناراض ہوں۔"

"ہیں، وہ کیوں؟" اسے اچنبھا ہوا تھا۔ سوزان بے نیاز بنا رہا۔

"ذلیل کر رہا ہے اپنی فرینڈز میں مجھے۔ ایک سے ایک خوب صورت، پڑھی لکھی، ذہین لڑکی دکھا چکی ہوں مگر مجال ہے اس کی ناک تلے آ جائے کوئی۔"

مسز ساحر نے بتایا تھا اور جانے کیوں اس کے دل

کی ایک بیٹ مس ہوئی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ وہ بھی اپنے دل کے نہاں خانوں میں اس کی محبت چھپائے بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کے چہرے سے اس کے دل کا راز جان پاتا، سوزان بول اٹھا۔

''آپ کو خود باتیں سننے کا شوق ہے امی! ورنہ میں تو صاف لفظوں میں ہزار مرتبہ بتا چکا ہوں کہ میں شادی خالص اپنی پسند سے کروں گا۔''

''اور خیر سے وہ وقت آئے گا کب؟ چوبیس سال کے تو ہو چکے ہو تم۔ تمہارے ابا اس عمر میں تمہارے باپ بن گئے تھے۔''

''وہ وقت اور تھا امی! اب لوگ اتنی جلدی شادیاں نہیں کرتے۔''

''ہمیں لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے لہٰذا جتنی جلدی اس کا فرض ادا ہو جائے، اتنا اچھا ہے۔''

''ہو جائے گا فرض بھی ادا۔ فی الحال تو میں بہت تھکا ہوا ہوں، سونے جا رہا ہوں۔ اس چڑیل کو کہنا جاتے ہوئے ایک نظر میرے کمرے پر ڈال جائے۔''

''کیوں؟ تمہارے کمرے میں کپاس کی فصل اگ آئی ہے۔''

''آہو۔ کچھ ایسا ہی ہے۔ دیکھو گی تو پتا لگ جائے گا، کپاس اگی ہے یا گندم۔''

بنا اس کے معترض لہجے کو اہمیت دیے وہ اپنا حکم صادر کرتا چلا گیا تھا۔ پیچھے انجشاء دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''اسٹوپڈ...... کام چور...... نکما......'' جو منہ میں بڑبڑائے گئی۔

مسز ساحر نے ان دونوں کی نوک جھوک کو ہمیشہ کی طرح بے حد دلچسپی سے دیکھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے مسکرا دیں۔

انجشاء ان کے لیے سوپ بنا کر اوپر سوزان کے کمرے میں آئی تو چکرا کر رہ گئی۔ پورا کمرا کسی لنڈے بازار کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسے کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنا کمرا خود اپنے ہاتھوں سے کبھی بھی صاف کر لے۔ سب سے پہلے اس نے بیڈ پر مسلی ہوئی بیڈ شیٹ اتار کر نئی بیڈ شیٹ بچھائی۔ پھر وارڈ روب سے میلے کپڑے نکال کر صاف سوٹ پریس کیے اور میلے کپڑوں کو بیڈ شیٹ کے ساتھ مشین میں دھکیلا۔ بکھری کتابیں جمع کر کے الماری میں سیٹ کیں۔ سارے کمرے میں ایک ایک چیز کو اچھی طرح جھاڑ پونچھ کر برش لگایا۔ جس وقت وہ کمرے سے نکلی، کمرا کسی نئی دلہن کی طرح انوکھی چھب دکھا رہا تھا۔

''سوزان!'' وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا، جب اس نے جھنجوڑا۔

''کیا ہے؟ کیوں ماس نوچ رہی ہو؟'' اپنے جھنجوڑے جانے پر وہ خفا ہوا تھا۔ انجشاء کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''ماس کے بچے! تمہارے کمرے کی حالت درست کرتے میری حالت بگڑ گئی۔ اوپر سے گھر سے نکلے اتنے گھنٹے ہو گئے ہیں کہ اب تک تو امی نے مسجد میں اعلان بھی کروا دیا ہوگا۔ باہر سڑکیں ساری دریا کا منظر پیش کر رہی ہیں اور تم ہو کہ بجائے خود مجھے گھر چھوڑ کے آنے کے یہاں مزے سے بیٹھے اونگھ رہے ہو۔''

''چیخ کیوں رہی ہو، اونچا نہیں سنتا میں۔ دو قدم کے فاصلے پر گھر ہے، خود ہی چلی جاؤ۔ میں تمہارا نوکر نہیں۔'' اس کا مطلب نکل گیا تھا لہٰذا لہجہ بھی بدل لیا۔ انجشاء تو مارے صدمے کے گنگ رہ گئی۔

''اچھا...... میں نوکر تھی تمہاری جو کمرا صاف کر کے آ رہی ہوں۔''

''نہ کرتیں، میں نے پاؤں نہیں پکڑے تھے۔''

''سوزان کے بچے......'' دانت کچکچا کر اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں، جب وہ مزے سے دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا۔

''ابھی انتظار کرو۔ دنیا میں آئے نہیں، جب آ جائیں تب کوس لینا۔ اب جاؤ شاباش۔'' وہ صاف آنکھیں پھیر چکا تھا۔ انجشاء روہانسی ہو گئی۔

''مرو تم...... خبردار جو آج کے بعد بھی میرے منہ لگے تو...... منہ توڑ دوں گی میں تمہارا۔''

''بہت بہتر۔ اب جاؤ۔'' وہ کہاں اس کی دھمکیوں میں آنے والا تھا۔

انجشاء پاؤں پٹختی وہاں سے چلی آئی۔ مسز ساحر کی کوئی سہیلی آگئی تھیں، وہ ان کے پاس بیٹھی تھیں لہٰذا وہ ملازمہ کو اپنی وہاں سے رخصتی کا بتاتی "ساحر ولا" سے نکل آئی۔ ایک روڈ کراس کر کے گلے روڈ پر اس کا گھر تھا مگر جگہ جگہ کھڑے پانی کی وجہ سے اتنے میں ہی وہ اچھی خاصی خوار ہوئی تھی۔ ابھی گھر پہنچ کر اس نے چادر ہی اتاری تھی کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ پرس سے موبائل نکال کر اس نے نمبر دیکھا تو وہاں سوزان کا نام جگمگا رہا تھا۔

"کیا ہے؟" کال اٹھا کر وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی تھی، جب آگے سے وہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"گھر پہنچ گئی ہو؟"

"جی ہاں۔ تم نے کیا سمجھا تھا، تم چھوڑنے نہیں آؤ گے تو گھر نہیں پہنچوں گی؟" اسے نئے سرے سے غصہ آیا۔ سوزان نے بے حد انجوائے کیا۔

"گڈ، شاباش۔ بس یہی معلوم کرنا تھا۔ تمہیں پتا ہے ایسے موسم میں تمہارا کہیں بھی اکیلے جانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"مروتم......" اس کے بناوٹی شرارتی لہجے پر غصے سے کھولتے ہوئے اس نے کال ہی کاٹ دی۔

"الو کا پٹھا نہ ہو تو...... پتا نہیں ہمیشہ میرا خون جلا کر اسے ملتا کیا ہے۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے موبائل ہی سائیڈ میں پھینک دیا کہ فی الحال سوزان کا غصہ اسی موبائل پر اترنا تھا۔

☆☆☆

وہ دونوں بچپن سے ایک ہی کالونی میں پل کر جوان ہوئے تھے۔

دونوں کی مائیں آپس میں گہری سہیلیاں ہی نہیں منہ بولی بہنیں بھی تھیں۔ یوں جب انجشاء کی ماں سوزان کے گھر جاتیں تو انجشاء بھی ساتھ جاتی اور جب سوزان کی ماں انجشاء کے گھر جاتیں تو سوزان بھی اپنی ماں کے ساتھ آتا اور یوں دونوں پہروں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے رہتے۔ دونوں کچھ بڑے ہوئے تو ان کا ایڈمیشن بھی ایک ہی اسکول میں کروا دیا گیا۔

صبح اکٹھے اسکول جاتے، اسکول سے آکر اکٹھے ٹیوشن جاتے۔ ٹیوشن سے فارغ ہو کر اکٹھے سپارہ پڑھنے جاتے۔ چھٹی کے دن اکٹھے کھیلتے، اگر ایک بیمار پڑتا تو دوسرا بھی ساتھ ہی بیمار پڑ جاتا۔

وہ دونوں "کے جی" میں تھے جب مسز ساحر نے ایک بے حد خوب صورت ننھی پری کو جنم دیا۔ انجشاء اس سے پیار کرتی مگر سوزان جیلس ہوتا۔ اسی جیلسی میں اسے چٹکی کاٹ کر بھاگ جاتا۔ مسز ساحر ڈانٹتیں تو اسے اپنی بہن پر اور غصہ آتا، پانچ ماہ یوں ہی بیت گئے تھے جب ایک روز وہ ننھی پری نمونیہ کا شکار ہو کر مر گئی۔ مسز ساحر کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ وہ مہینوں اپنی بچی کے لیے روتی رہیں۔ خود سوزان بھی اداس ہو گیا تھا۔ اپنی جان سے پیاری دوست کا یہ حال دیکھ کر مسز عظیم نے اپنی انجشاء مسز ساحر کے حوالے کر دی۔

ان کی انجشاء کے علاوہ بھی دو بیٹیاں تھیں، مگر مسز ساحر بہل گئی تھیں۔ اپنی بچی کے لیے دل میں موجود ساری محبت انہوں نے انجشاء پر لٹادی۔ اس کا ٹوٹل تمام خرچ اب وہ خود اٹھاتیں۔

وقت گزرتا گیا تھا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی کب وہ دونوں بچپن سے نکل کر جوانی میں آگئے۔ انجشاء پر جوانی ٹوٹ کر آئی تھی جبکہ دوسری طرف سوزان کی خوب صورتی نے جیسے بڑے بڑوں کو مات دے دی۔ ایک ہی گھر میں، ایک ہی چھت تلے رہتے انہیں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ ان کے درمیان دوستی اور دشمنی کے علاوہ بھی کوئی تیسرا تعلق ہونا چاہیے۔

ان دنوں مسز ساحر کی بھانجی کی شادی تھی اور انہیں تین دن کے لیے کراچی سے اسلام آباد جانا تھا۔ ساحر صاحب نے اپنی کاروباری مصروفیات کی وجہ سے شادی میں جانے سے معذرت کر لی تھی۔ لہٰذا مسز ساحر نے اپنی تیاری شروع کر دی۔ انجشاء نے سوزان کے ساتھ خود مارکیٹ جا کر اپنے لیے کپڑے اور باقی ساز و سامان پسند کرنا تھا سو سوزان کو اچھی طرح جی بھر کر خوار کرنے کے بعد کہیں جا کر ان کی

تیاری مکمل ہوئی تھی۔
زندگی میں پہلی بار انجشاء نے اس شادی میں سنگار کیا تھا۔ وہ بھی اس نیت سے کہ مسز ساحر کے میکے میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کی بیٹی پیاری نہیں۔ مگر اسے کہاں خبر تھی کہ اس کا یہ سنگار سوزان کی سٹی گم کردے گا۔ فل میک اپ اور جیولری میں اپنے سامنے ایک قطعی مختلف انجشاء کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔
"یہ کیا ہے؟"
کچھ دیر اس کے سامنے کھوئے حواس کے ساتھ کھڑا رہنے کے بعد اس نے اسے ڈپٹ کر پوچھا۔ جواب میں انجشاء نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
"کیا؟"
"یہ جو حلیہ بگاڑا ہوا ہے تم نے اپنا؟"
"کیا حلیہ بگاڑا ہوا ہے۔ میک اپ کیا ہے۔"
"وہی تو پوچھ رہا ہوں، کیا ضرورت پیش آ گئی تھی اس کی؟" اس کے تیور جارحانہ تھے۔ انجشاء کی حیرانی بڑھ گئی۔
"کیا کہہ رہے ہو سوزان! ہم شادی پر آئے ہیں۔ سب لڑکیاں تیار ہوئی ہیں، اچھی لگ رہی ہیں اس لیے میں نے......"
"ادھر آؤ میرے ساتھ۔" بنا اس کی مکمل وضاحت سنے وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ تقریباً کھینچتے ہوئے واش روم کی طرف لے آیا۔
"چلو منہ دھوؤ۔"
"کیوں دھوؤں، اتنی محبت سے میک اپ کیا ہے۔ تم پاگل ہو گئے ہو؟"
"ہاں پاگل ہو گیا ہوں، اسی لیے کہہ رہا ہوں۔ میں...... سوزان ساحر! بچپن سے تمہارے ساتھ پل بڑھ کر جوان ہونے والا...... جب میں تمہارا یہ روپ دیکھ کر پاگل ہو سکتا ہوں تو سوچو، یہاں تو سینکڑوں لڑکے ہیں۔ کب کس کی نیت خراب ہو جائے، کوئی پتا ہے؟" اس کا بازو سختی سے دبوچے اس نے اپنے عمل کی وضاحت کی تھی۔
انجشاء کو غصہ آ گیا۔
"میں منہ نہیں دھوؤں گی، ہوتی ہے کسی کی نیت خراب تو ہو جائے۔ تمہیں کیا تکلیف ہے؟"
"ابھی بتاتا ہوں۔"
انجشاء کے غصے سے کہنے پر اس نے زبردستی اس کا سر پکڑ کر اپنے ہاتھ سے نل کھولا اور اس کے منہ پر کئی چھپاکے مار دیے۔ وہ مچلتی رہی مگر اس نے پروا نہیں کی۔
"بہت شوق ہے نا تمہیں دنیا کی نظروں میں آنے کا۔ مگر افسوس میرے جیتے جی یہ ممکن نہیں ہے۔" اچھی طرح اس کا میک اپ خراب کرنے کے بعد درشتی سے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھہرا تھا۔
پیچھے انجشاء بری طرح روتے ہوئے اسے بددعائیں دیتی رہ گئی تھی۔
☆☆☆
وہ بری طرح رو رہی تھی جب مسز ساحر کی نظر اس پر پڑی تھی۔
"ارے...... کیا ہوا انجو! ایسے کیوں رو رہی ہو؟" وہ ڈر ہی تو گئی تھیں
انجشاء نے ان کے قریب آنے پر فوراً آنکھیں رگڑ لیں۔
"کچھ نہیں۔"
"جھوٹ مت بولو۔ بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔ نہیں تو میں ابھی باہر جا کر سب کی خبر لیتی ہوں۔"
"اف آنی! آپ بھی اپنے بیٹے کی طرح اپنے نام کی ایک ہی ہیں۔"
اس کا میک اپ بری طرح خراب ہوا تھا لہٰذا اس نے الف سے یے تک ساری داستان امیر حمزہ ان کے گوش گزار کر دی۔
"اچھا، تم روؤ نہیں۔ اچھی طرح منہ دھو کر باہر آ جاؤ۔ میں لیتی ہوں اس سر پھرے کی خبر۔"
سوزان اور اس کی لڑائی میں مسز ساحر نے ہمیشہ غیر جانبداری سے پرہیز کرتے ہوئے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اور وہ یہ بات بہت اچھی طرح جانتی تھی

تب ہی ان کے حکم پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے منہ بسورتے چل دی۔

منگنی کے پورے فنکشن میں اس کا موڈ آف رہا جبکہ سوزان کا پتا ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں جا کر چھپ گیا تھا۔ رات کے تقریباً تین بجے تھے جب فنکشن کے اختتام کے بعد مسز ساحر کو وہ ٹیرس پر کھڑا دکھائی دیا تھا۔ وہ وہیں پہنچ گئیں۔

"سوزان!"

"جی امی!" ان کی آواز پر بے ساختہ چونکتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔ تب ہی وہ غصے سے بولیں۔

"کہاں تھے اب تک؟"

"کیوں، خیریت؟"

"جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔"

"دوست کے ساتھ باہر......"

"فنکشن کیوں نہیں اٹینڈ کیا؟"

"بس ویسے ہی، دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"کیوں؟ اچانک دل کو کیا ہو گیا۔ ابھی صبح تک تو کافی پر جوش تھے تم۔"

"پتا نہیں امی۔"

"انجو کا میک اپ کیوں خراب کیا؟" اس کی بے نیازی پر وہ فوراً ہی اصل بات کی طرف آ گئی تھیں۔

سوزان نے رخ پھیر لیا۔

"اچھی نہیں لگ رہی تھی میک اپ میں، اس لیے۔"

"اچھی نہیں لگ رہی تھی یا پھر کچھ زیادہ ہی اچھی لگ رہی تھی اس لیے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں امی؟" اس بار وہ جھنجلایا تھا۔ مسز ساحر نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"وہی جو تم بتانا نہیں چاہ رہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسی بات ہے، وہ بتا دو۔"

"امی پلیز۔ میں ابھی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے۔ معافی مانگو اس سے۔ وہ ویسی بالکل بھی نہیں، جیسی تم نے سمجھ لیا۔"

"میں نے اسے غلط نہیں سمجھا۔"

"غلط سمجھا نہیں مگر غلط کیا ہے اس کے ساتھ۔ میں نہیں چاہتی وہ تم سے بدگمان ہو، اس لیے فوراً دل صاف کرواس کا۔"

"او کے امی۔ کر دوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں پلیز۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھنڈ کافی بڑھ رہی ہے، نیچے جا کر سو جاؤ اب۔"

"سو جاؤں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں، میں آتا ہوں ابھی۔"

مسز ساحر کو وہ بے حد الجھا الجھا سا لگ رہا تھا۔ لہٰذا اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہ خود سونے چلی گئی تھیں۔

اگلے روز بارات آنی تھی۔ انجشاء نے کپڑے بدل لیے تھے مگر میک اپ نہیں کیا تھا، تب ہی وہ پاس آیا تھا۔

"میرے کپڑے کہاں ہیں؟"

"مجھے نہیں پتا۔"

"تمہیں نہیں پتا تو کسے پتا؟"

"پتا نہیں۔"

"یار برات آنے والی ہے، میں نے کپڑے بدلنے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔ میں نے بدلوانے ہیں تمہیں کپڑے؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میرے اور امی کے کپڑے تم گھر سے لائی ہو تو تم ہی دو گی۔"

"کیوں......؟ تمہاری ملازمہ ہوں میں؟" سوزان کے جھنجلانے پر وہ تنک کر بولی تو اس نے لب بھینچ لیے۔

"اگر تم کل رات والی بات پر ناراض ہو تو ایم سوری۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اس کی بدتمیزی اور غصے کو یکسر نظر انداز کیے اس نے صلح کی کوشش کی تھی، جب وہ پھر غصے سے بولی۔

"مجھے تمہاری سوری کی ضرورت نہیں ہے۔"
"تھپڑ کی ضرورت ہے؟" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔ انجشاء گھور کر رہ گئی۔
"بات سنو، تمہیں لگتا ہے تمہیں خوب صورت نظر آنے کے لیے ہار سنگار کی ضرورت ہے؟"
کچھ ہی دیر بعد اس کے گھورنے پر وہ لائٹ براؤن آنکھوں میں الوہی چمک لیے قدرے راز داری سے بولا تھا۔ جواب میں انجشاء کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔
"ہاں۔"
"پاگل ہو تم۔ اپنی آنکھوں کا علاج کرواؤ۔"
ہلکی سی چپت اس کے سر پر مارتے ہوئے مسکرا کر کہتا وہ پلٹ گیا تھا۔
پیچھے انجشاء حیران و پریشان سی کسی پتھر کے بت کی مانند ساکت اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

شادی بخیر و عافیت اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔ مسز ساحر دلہن کے رخصت ہوتے ہی فوراً واپسی کے لیے پر تولنے لگیں کہ پیچھے ساحر صاحب اکیلے تھے اور ان کی شوگر جب کم ہو جاتی تھی تو پھر گھر کے ملازمین کی جان خطرے میں پڑ جاتی تھی کیونکہ اس وقت ان کا خود پر سے کنٹرول ختم ہو جاتا تھا۔
بہکی بہکی باتیں کرتے یا غصہ آنے پر سامنے پڑی کوئی بھی چیز اٹھا کر کسی نہ کسی کو دے مارتے۔ صرف مسز ساحر ہی تھیں جو ایسے وقت میں نہ صرف انہیں سنبھالتی تھیں بلکہ ان کی شوگر کو کنٹرول کرنے کے جتن بھی کرتیں۔
انجشاء نے ان کی واپسی کا سنا تو وہ بھی ساتھ ہی تیار ہو گئی۔ سوزان کا ارادہ شادی ختم ہونے کے بعد واپس آنے کا تھا لہٰذا وہ وہیں رک گیا تھا۔
انجشاء مسز ساحر کے ساتھ گھر واپس تو آ گئی تھی مگر اپنا چین و قرار جیسے وہیں اسلام آباد میں چھوڑ آئی۔ سوزان کی مسکراتی شرارتی نگاہوں کا پیغام اس کا سکون برباد کر چکا تھا۔ نہ بستر پر نیند آتی، نہ کسی کام میں دل لگتا۔ عجیب الجھن میں زندگی پھنس کر رہ گئی تھی۔ اپنے کمرے سے اس نے میک اپ کی ساری اشیاء بھی اٹھا کر پھینک دی تھیں کہ جو سوزان کو پسند نہیں تھا وہ اسے کیسے گوارا کرتی مگر...... یہ سب کر کے بھی دل کی بے چینی تھی کہ کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
مسز ساحر نے اس کی بے چینی نوٹ کی تھی مگر وہ خاموش رہیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ سوزان خود اپنے منہ سے اپنے جذبات کا اظہار کرے تب وہ بات کو آگے بڑھائیں۔ اسلام آباد میں شادی اختتام پذیر ہو گئی تھی مگر سوزان تھا کہ آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ شادی کے ختم ہوتے ہی وہ اپنے کزنز کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے مری کی طرف نکل گیا تھا۔
انجشاء کو اس کے تفریحی پروگرام کا پتا چلا تو اس کا دل جیسے بجھ کر رہ گیا۔ جتنا زیادہ وہ اس کی واپسی کے لیے بے چین تھی، اتنا زیادہ وہ اسے اذیت دے رہا تھا۔ وقت جیسے زہریلا سانپ بن گیا تھا، ہر لمحہ ڈستا رہتا۔ خود کو اک نامعلوم سی آگ میں جلنے سے بچانے کے لیے وہ بے حد مصروف رہنے لگی۔ صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی۔ ملازمہ کی بھی اس نے چھٹی کروا دی تھی۔
یونیورسٹی میں ان دنوں پڑھائی نہ ہونے کے برابر تھی لہٰذا کبھی وہ موڈ ہوتا تو یونیورسٹی چلی جاتی ورنہ گھر پر رہ کر مسٹر اینڈ مسز ساحر کی خدمت کرتی۔
اس روز صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ امتحانات قریب تھے لہٰذا کچھ ضروری نوٹس کے حصول کے لیے وہ موسم کی پروا کیے بغیر یونیورسٹی چلی آئی تھی۔ ساحر صاحب اسے آفس جاتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔
ہادیہ ضمیر چوہدری یونیورسٹی میں سوزان کے بعد اس کی واحد عزیز دوست تھی جس سے وہ دل کی ہر بات بلا جھجک شیئر کر لیتی تھی۔ اس وقت بھی وہ دونوں کینٹین میں بیٹھی تھیں، جب ہادیہ نے اس سے پوچھا۔
"کیا بات ہے انجو! مجھے تم ذہنی طور پر کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔''
''جھوٹ تمہارے ماتھے پر صاف لکھا نظر آ رہا ہے۔''
''نہیں یار! میں سچ کہہ رہی ہوں۔''
''کیا انکل آنٹی نے کوئی بات کی ہے؟''
''نہیں تو...''
''پھر یقیناً سوزان سے جھگڑا ہوا ہوگا۔''
''نہیں۔ وہ تو شادی سے واپس آیا ہی نہیں۔''
نظر جھکاتے وہ اداسی سے بولی۔
''اوہ۔ تو تم اسے مس کر رہی ہو۔'' ہادیہ نے جیسے اس کی چوری پکڑ لی۔
''ہوں......''
''واؤ۔ پہلے کیوں نہیں بتایا اسٹوپڈ؟'' وہ خوش ہوئی۔ انجشاء نے نظر پھیر لی۔
''مجھے خود ابھی پتا چلا ہے کہ میں اسے مس کر رہی ہوں۔''
''سوزان کو بتایا تم نے؟''
''نہیں۔''
''کیوں؟''
''بس ویسے ہی۔ اس نے اتنے دنوں سے رابطہ نہیں کیا تو میں نے بھی نہیں کیا۔''
''پاگل...... چلو میں بات کرتی ہوں آج اس سے۔''
''نہیں...... تمہیں معید کی قسم۔ جو تم میرے حوالے سے کوئی بات کرو اس سے۔''
''یار! تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟''
''نہیں ہوئی، جب ہو جاؤں گی تو بتا دوں گی۔''
''چلو ٹھیک ہے، پھر میں تو دعا کر سکتی ہوں تمہارے لیے۔''
''مہربانی۔''
''اب گھر چلیں اس سے پہلے کہ بارش تیز ہو جائے۔''
''ہوں، مجھے بس نوٹس ہی لینے تھے، تم کیسے جاؤ گی؟''
''گاڑی ہے میرے پاس۔ تمہیں ڈراپ کرتی ہوئی چلی جاؤں گی۔''
''گڈ۔'' ہادیہ کی آفر پر کپڑے جھاڑتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''اچھا، بات سنو۔''
ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھیں کہ ہادیہ نے اچانک کچھ یاد آنے پر اسے روکا۔
''ہوں۔'' وہ ٹھہر گئی تھی۔
''ایک بات بتانی تھی تمہیں۔''
''کیا؟''
''یار! وہ زرنشا نہیں ہے..... آئی جی کی بیٹی۔''
''ہاں ہاں، کیا ہوا اسے؟''
''اسے کچھ نہیں ہوا۔ تمہارے سوزان پر دل و جان سے فدا ہے وہ۔ تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں تاکہ تم سوزان سے جلد اپنے معاملات کلیئر کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر بازی لے جائے۔ آخر کار اپنے حسن، ذہانت اور دولت میں تم سے کہیں آگے ہے وہ۔'' ہادیہ نے اپنے تئیں اسے بہت بڑی بات بتائی تھی مگر انجشاء کو چپ لگ گئی۔
''تمہیں کیسے پتا یہ سب؟'' کچھ دیر خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔ تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''بس یہ نہ پوچھو، تمہیں تو پتا ہے میں یونیورسٹی میں اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھ کر چلتی ہوں۔''
''ہوں، شکریہ۔ میں خیال رکھوں گی۔''
اثبات میں سر ہلاتے اس نے ہادیہ سے تو کہہ دیا تھا مگر اس کے اپنے اندر جیسے اک آگ سی لگ گئی تھی۔ سوزان پر سب سے زیادہ حق اس کا تھا پھر کیوں کسی اور لڑکی نے اس کے بارے میں ایسے خواب دیکھے، یہ بات اسے رہ رہ کر غصہ دلا رہی تھی۔
طویل روش پر خاموشی سے چلتی وہ دونوں یونیورسٹی سے باہر نکلیں تو سامنے ہی سوزان کو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے دیکھ کر اس کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔
''ارے واہ۔ تم تو کہہ رہی تھیں سوزان شہر میں

نہیں ہے۔" ہادیہ بھی اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ جب وہ بولی۔
"صبح تک تو نہیں تھا ورنہ میں انکل کے ساتھ کیوں آتی۔"
"ہاں یہ تو ہے۔"
اس کی وضاحت پر اثبات میں سر ہلاتی، وہ سوزان کے ساتھ ہیلو ہائے میں مصروف ہو گئی تھی۔
انجشاء نے نظر بچا کر دیکھا تو اسے سوزان پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت اور وجیہہ لگا۔
بارش زور پکڑ رہی تھی لہٰذا ہادیہ کو خدا حافظ کہہ کر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے۔
"کیسی ہو؟" گاڑی یونیورسٹی کے احاطے سے نکالتے ہی اس نے خاموش بیٹھی انجشاء کی طرف نگاہ کی تھی جب وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔
"جیسی بھی ہوں، تم سے بہرحال اچھی ہوں۔"
"ہاں جی، اس میں تو کوئی شک نہیں۔" اس کی حاضر جوابی پر وہ مسکرایا تھا، تب وہ بولی۔
"اسلام آباد سے کب آئے؟"
"آج صبح ہی...... تمہارے یونیورسٹی کے لیے نکلنے سے ٹھیک پندرہ منٹ بعد۔"
"کیوں، اتنی صبح صبح؟"
"ہاں...... بس دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔"
"گڈ شاباش۔ دل نہیں لگ رہا تھا تب ہی پندرہ دن لگا دیے، دل لگ جاتا تو تم نے تو آنا ہی تھا۔" جس انداز میں اس نے کہا تھا، سوزان کی بے ساختہ ہنسی نکلی تھی۔
"لگتا ہے بہت مس کیا ہے تم نے۔"
"جی ہاں۔ کوئی اور میسر جو نہیں تھا لڑنے کے لیے۔" حاضر جوابی میں تو وہ ماہر تھی۔ وہ پھر ہنس پڑا۔
"ہاں یار! یہ صحیح کہا تم نے۔ میں بھی کہوں مجھے تم کیوں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں۔ اب سمجھا، مجھے بھی کوئی میسر نہیں آ رہا تھا جس سے متھا لڑا سکتا۔"
اس کی لائٹ براؤن آنکھیں چمک رہی تھیں۔
انجشاء نے پہلی بار محسوس کیا، وہ ہنستے ہوئے نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت دکھائی دیتا تھا۔ اس نے فوراً نظر چرالی مبادا اسے اس کی نظر ہی نہ لگ جائے۔
"یہ کہاں جا رہے ہیں، گھر کا راستہ تو نہیں ہے۔" اچانک کھڑکی سے باہر دیکھتے اس نے رستے پر غور کیا تو پتا چلا وہ اس کے گھر کا رستہ نہیں تھا۔ سوزان نے کی ان کی کردی تب ہی وہ پریشان ہوئی تھی۔
"سوزان...... کچھ پوچھ رہی ہوں میں......"
"شش...... تمہیں اغوا کر کے لے جا رہا ہوں، چپ کر کے بیٹھی رہو۔"
"اف...... میں تو ڈر گئی۔" دل میں پریشان ہونے کے باوجود اس نے اسے چڑایا۔ جواباً وہ مسکرا کر رہ گیا۔
بارش گزرتے ہر پل کے ساتھ تیز ہو رہی تھی جس کی وجہ سے ڈرائیونگ میں بھی مشکل پیش آ رہی تھی۔ شام سے پہلے جیسے رات سر پر آ گئی تھی۔ تب ہی وہ اس کا پریشان چہرہ دیکھتا ہوا بولا۔
"ہارٹ فیل نہ کر دا بیٹھنا کہیں، ایک دوست کی والدہ شدید بیمار ہیں اور وہ خود اس وقت شہر سے باہر ہے۔ اسی لیے اس کی کال پر اس کے گھر اس کی والدہ کی دوائیاں پہنچانے جا رہا ہوں۔ موسم کے تیور تو تم دیکھ رہی ہو۔ اگر تمہیں گھر چھوڑ کر آتا تو بہت لیٹ ہو جانا تھا۔"
"ہوں، کوئی بات نہیں۔ یہ تو واقعی بہت ضروری ہے۔"
"بس دیکھ لو، نیکی کریں گے تو کل کو ضرورت پڑنے پر دعائیں کام آئیں گی۔"
"کیسی ضرورت؟"
"ضرورت کا کیا کوئی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ مثلاً کل کو میں کسی لڑکی کو پرپوز کروں اور وہ انکار کر دے تو اس کا دل نرم کرنے کے لیے دعائیں تو چاہیے ناں۔" وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔
انجشاء کا دل اس کی بات پر اچھل کر حلق میں

آ گیا۔ آج تک سوزان اور اس کے درمیان کبھی ایسے کسی موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔ مگر کوئی عقل کی اندھی ہی ہوگی جو تمہیں ریجیکٹ کرے گی۔"

"کیوں...... میں کوئی مسٹر پرفیکٹ ہوں؟"

"مسٹر پرفیکٹ نہ سہی مگر ہر لڑکی کے آئیڈیل جیسے ضرور ہو۔"

"اوہ ہو...... آج خیر ہے؟"

"کیوں؟"

"بڑی تعریفیں کر رہی ہو۔"

"بس دیکھ لو۔"

"چلو دیکھ لیں گے وقت آنے پر۔ کتنا کوئی قبول کرتا ہے ہمیں۔"

"دیکھ لینا مگر فی الحال سامنے راستہ دیکھو۔ سڑک بالکل نظر نہیں آ رہی، کسی گٹر یا کھڈے میں نہ جا پھنسیں کہیں۔" اس کا دل قابو سے باہر ہوتا جا رہا تھا، تب ہی اس نے سوزان کا دھیان ہٹانے کی کوشش کی اور کامیاب رہی۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد گاڑی ایک درمیانے درجے کے مکان کے سامنے رکی تھی۔ سوزان نے ڈیش بورڈ پر پڑا، دوائیوں کا شاپر اٹھایا جو شاید وہ یونیورسٹی آتے ہوئے راستے میں خرید لایا تھا پھر اس نے اسے دو منٹ ویٹ کا کہہ کر خود گاڑی سے نکل آیا۔ اس کی بیل کے جواب میں گیٹ کھولنے والی ایک حسین دوشیزہ تھی، سوزان نے اپنے تعارف کے بعد شاپر اس لڑکی کے حوالے کر دیا۔

انجشاء کی نظریں چوکس دستے کی طرح ان دونوں پر جم کر رہ گئیں۔ لڑکی کچھ کہہ رہی تھی اور سوزان مسلسل مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا پھر جانے اس لڑکی نے ایسا کیا کہا کہ وہ پلٹ کر اسے ویٹ کا اشارہ کرتا خود گھر کے اندر چلا گیا۔ انجشاء کو اس کی یہ حرکت بے حد بری لگی۔ کسی حسین لڑکی کی دعوت پر، اسے تنہا گاڑی میں چھوڑ اکیلے اجنبی گھر میں گھس جانا، کسی لحاظ سے بھی درست نہیں تھا تب ہی اس کا خون کھول اٹھا۔

وہ گھر کے اندر گیا تو پھر جیسے باہر آنا ہی بھول گیا۔ ایک منٹ، دو منٹ، پانچ منٹ یہاں تک کہ دس منٹ گزر گئے مگر وہ پلٹ کر باہر نہ آیا۔ انجشاء کو لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا تب ہی غصے سے کھولتے بند دماغ کے ساتھ اس نے اسٹیئرنگ سنبھالا اور گاڑی ریورس کر لی۔

سوزان جب تک گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر باہر آتا، وہ موسم کی پروا کیے بغیر گاڑی بھگا کر لے گئی تھی۔

☆☆☆

امید طلسم ٹوٹا
تو دل نے پوچھا
مزید کب تک چلے گا یوں ہی
حقیقتوں کے قریب رہ کر بھی خواب بننا
محبتوں کے فسوں میں رہ کر سراب بننا
مزید کب تک
ریاضتوں کا سفر رہے گا
اپنی باتیں بس ایک اپنے ہی دل سے کب تک
اگر خبر ہے
کبھی بھی منزل نہیں ملے گی
تو راہ گزر کی تلاش کیوں کر
تم ہی کہو اے طلسم گر کہ جواب کیا دوں
کہ اب تو خود پر یقین نہیں ہے
جو مان جاؤں تو ہار ہے یہ
جو میری سرشت میں نہیں
تم ہی بتاؤ
نہیں تو کوئی امید ہی دو
جسے کنارہ سمجھ کر یوں ہی
تمام رستہ گزار ڈالوں
یہ زندگی کی نوید دے دو
امید دے دو

رات بھر کی بارش اور برف باری کے بعد وادی کے نشیبی طرف بنے تمام گھر جیسے برف کا حصہ بن گئے

تھے۔

سوزان کی آنکھ صبح فجر کی نماز کے بعد لگی تھی۔ تب ہی وہ ظہر کے بعد تک سوتا رہا۔ ہادیہ ظہر کے بعد ہی پہنچی تھی۔ اس کے لیے بھی یہ علاقہ اور یہاں کے مکین نئے نہیں تھے لہٰذا اپنی آمد پر بغیر اسے جگائے وہ خود بھی لمبے سفر کی تھکان اتارنے بستر میں دبک گئی تھی۔

سوزان اٹھا تو وہ سو رہی تھی لہٰذا بنا اسے بے آرام کیے وہ اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ عصر کے بعد وہ واپس آیا تو رات کی برفیلی ہواؤں کا زور قدرے ٹوٹ چکا تھا۔ فضا میں خنکی اور خاموشی تھی۔ وہ کافی دیر کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ شام ہنوز کسی اداسی رقاصہ کی طرح اردگرد کے ماحول پر آنچل پھیلانے کو تیار تھی۔

"سوزان......"

اوپر عمودی چٹان کے کنارے پر کھڑا وہ نیچے وادی میں تاحد نگاہ پھیلے سبزے کو بغور دیکھ رہا تھا جب ہادیہ نے اسے پکارا۔

وہ چونکا اور اس نے بے ساختہ پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑی ہادیہ ضمیر کو دیکھا تھا جو گرم سرخ شال کندھوں کے گرد لپیٹے اپنے خوب صورت سرخ و سفید چہرے اور روشن کالی آنکھوں کے ساتھ بے حد جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی۔

"ہوں۔" ایک سرسری نظر اس پر ڈالنے کے بعد اس نے پھر سے اپنا رخ نیچے وادی کی طرف کر لیا تھا۔ جہاں تاحد نگاہ پھیلے سبزے کے ساتھ اب بھیڑوں کا ریوڑ بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"آفس سے جلدی آگئے آج؟"

"ہوں، کچھ خاص کام نہیں تھا۔"

"رات زرنشاہ کی کال آئی تھی۔ اپنی شادی پر انوائٹ کیا ہے اس نے مجھے؟"

"واٹ؟" اس بار وہ پورے کا پورا گھوم کر اس کے مقابل آیا تھا۔

"زرنشاہ کی کال...... دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟"

"جی ہاں۔ میں خود حیران رہ گئی تھی جب ایک نئے نمبر سے کال اٹینڈ کرنے پر اس کی آواز سنائی دی۔ اتنے سالوں بعد اس نے کال کی، وہ بھی اپنی شادی میں انوائٹ کرنے کے لیے، شاید اسے کہیں سے پتا چلا ہوگا کہ ہم دونوں اکٹھے ایک ہی پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ یوں میری وساطت سے وہ تم تک اپنی شادی کی اطلاع پہنچانا چاہ رہی ہوگی۔ لڑکی بھولی نہیں ہے تمہیں ابھی۔"

"ہوں۔"

"تم شروع سے تو اتنے کم گو نہیں تھے سوزان!" اپنی لمبی چوڑی اطلاع کے جواب میں اس کے محض "ہوں" پر وہ گلہ کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

سوزان کے لبوں پر نیم مردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یعنی دنیا کے ساتھ ساتھ اب تم بھی یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں بدل گیا ہوں؟"

"جی ہاں۔"

"چلو ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔" لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے وہ پھر مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات کہوں سوزان! مانو گے؟"

ہادیہ اب دو قدم آگے چل کر اس کے برابر میں آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی برفیلی ہوا کے تھپیڑوں نے اس کے گالوں کی سرخی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ کندھوں کے گرد لپٹی سرخ شال سردی کی شدت کو روکنے کے لیے ناکافی ثابت ہو رہی تھی، تب ہی وہ بولا تھا۔

"کہو، تمہاری تو ہر بات مانتا ہوں میں۔"

شاید اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہنے جا رہی ہے۔ اندازہ ہوتا تو شاید کبھی کہنے کی اجازت نہ دیتا۔

"تمہیں برا تو نہیں لگے گا۔"

"تمہاری کوئی بات بری نہیں لگتی مجھے۔"

"تو پھر پلیز اسے بھول جاؤ۔ بہت سال اس کے ہجر میں برباد کر دیے تم نے۔ اسے تو خبر بھی نہیں ہوگی کہ تم نے اسے کتنا چاہا ہے۔ اب بس کرو سوزان!

نکل آؤ اس کی محبت کے سحر سے۔ تمہارا بھی حق ہے زندگی پر۔ زندگی کی خوشیوں پر۔"

بہت تیزی میں ہادیہ نے اپنی بات مکمل کی تھی، مبادا وہ اسے جھڑک کر چپ ہی نہ کروا دے۔ مگر اس بار خلاف توقع وہ خاموش رہا تھا۔

"سوزان......! کچھ کہا ہے میں نے تم سے۔"

اس کی خاموشی جب طویل ہوئی تو بے چین ہوکر اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ دھرا۔ تب ہی وہ پلٹا۔

"تمہیں لگتا ہے، یہ میرے اختیار میں ہے؟"

"کیا تمہارے اختیار میں نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"مگر کیوں...... ایسا کیا تھا اس میں جو تمہیں دنیا کی کسی اور لڑکی میں نظر ہی نہیں آتا۔" سوزان کے ٹھنڈے ٹھار "نہیں" پر اسے بے ساختہ غصہ آیا تھا۔

وہ جیسے تھک کر وہیں چٹان کے کونے پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں لگتا ہے، میں نے اسے بھلانے کی کوشش نہیں کی ہوگی؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے ویران آنکھوں سے اس کے سرخ چہرے پر سوال چھوڑا تھا، جواب میں وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"سات سال ہوگئے ہیں، اسے بھلانے کی کوشش کرتے ہوئے۔ کیا کیا نہیں کیا اسے بھلانے کے لیے میں نے۔ دن رات پاگلوں کی طرح کام کرتے خود کو مصروف رکھا ہے۔ نشے کی لت لگائی خود کو۔ سینکڑوں دل توڑے...... صرف ایک اسے بھلانے کے لیے...... زرنشاہ جیسی اچھی لڑکی کو بھی کانچ کی طرح پاش پاش کردیا میں نے۔ ابھی بھی تم چاہتی ہو میں اسے یاد نہ کروں؟ وہ اسٹوپڈ جو صبح سانس آنے سے پہلے یاد آتی ہے اور رات میں آنکھ کے بند ہونے تک ساتھ رہتی ہے اسے کیسے یاد نہ کروں میں؟"

کتنا بے بس اور قابل ترس دکھائی دے رہا تھا وہ اس وقت۔ ہادیہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"پلیز، ریلیکس سوزان! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" اس کے مقابل بیٹھ کر وہ اب اس کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے اسے تسلی دے رہی تھی۔

سوزان مسکرایا۔

"ہرٹ نہیں ہوتا میں اب۔ یوں سمجھ لو، دل پتھر ہوگیا ہے۔"

"لیکن ایسا کب تک چلے گا سوزان! انکل، آنٹی دونوں تمہاری خوشی کے لیے ترستے دنیا سے چلے گئے۔ بہن بھائی کوئی ہے نہیں۔ اتنا بڑا محل سا گھر ہے، کس کام کا یہ سب، اگر دل ہی آباد نہیں ہے تو۔"

"کیا کروں دل آباد کرنے کے لیے۔ سب کچھ تو کرکے دیکھ لیا، مگر نہ کہیں دل لگتا ہے نہ وہ ملتی ہے۔"

"وہ نہ سہی تم کہو تو میں کہیں اور شادی کے لیے بات چلاؤں تمہاری۔"

خلوص دل سے ہادیہ نے کہا تھا وہ ہنس پڑا تھا۔ ہنستے ہنستے اس کے گال سرخ ہوگئے تھے، جب وہ غصے سے بولی۔

"اس میں اتنا ہنسنے والی کون سی بات ہے، میں مذاق نہیں کررہی۔"

"جانتا ہوں، مگر میرے لیے اس سے بڑھ کر مذاق کی اور کوئی بات نہیں۔"

"کیوں، تم نے کنوارے مرنے کی قسم کھائی ہے؟"

"پتا نہیں، مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ نہیں، نہ محبت...... نہ وقت...... نہ توجہ......"

"لیکن سوزان......!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں ہادو! شادی ہی کرنی ہوتی تو زرنشاہ کو دلہن کے لباس میں چھوڑ کر کیوں جاتا۔"

"وہ سات سال پہلے کی بات ہے۔ اب تو بہت کچھ بدل گیا ہے سوزان!"

"ہاں...... لیکن ایک دل نہیں بدلا۔"

حزن لٹاتی براؤن آنکھیں اپنے اندر کی

وحشت کا پتا دے رہی تھیں۔ حادثہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سر نیہوڑائے خاموش ہو گئی تھی۔ یوں جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

بارش تھم چکی تھی۔

وہ بنا راستے کے تعین کے، غصے میں بند دماغ کے ساتھ گاڑی بھگاتی رہی۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد سڑک میں گہرے کھڈ کے باعث گاڑی جھٹکے سے رکی تھی۔ تب ہی اس کے ہوش بھی ٹھکانے آئے۔ سڑک سنسان تھی۔ علاقہ اجنبی تھا۔ اوپر سے بارش کے باعث تالاب بنا راستہ وہ اچھی خاصی پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔ گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر گہرے کھڈ میں ٹائر پھنسنے کے سبب وہ اسے آگے بڑھانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ کئی بار کی کوشش بے کار گئی تھی۔

اب اسے رہ رہ کر سوزان پر غصہ آ رہا تھا۔ جس کی چیپ حرکت کی وجہ سے اس کے دماغ نے اسے خواہ مخواہ اشتعال دلا کر مصیبت میں پھنسا دیا۔ ادھر اُدھر پریشانی سے دیکھتی وہ کسی خدائی مدد کے انتظار میں تھی، جب سامنے سے اسے ایک ادھیڑ عمر شریف سا شخص اپنی موٹر سائیکل احتیاط سے چلاتا دکھائی دیا۔ انجشاء نے موقع ضائع کیے بغیر جلدی سے اسے آواز دے ڈالی۔

"انکل پلیز۔ میری بات سنیے۔"

وہ شخص چونکا تھا۔

سنسان سڑک پر، خراب موسم میں، ایک حسین جوان اکیلی لڑکی...... قیمتی گاڑی کے ساتھ کھڑی اسے حیران ہی تو کر گئی تھی۔

"جی کہیے۔" موٹر سائیکل سے اتر کر اس کے پاس آتے ہوئے اس نے سر تا پیر باریک نگاہوں سے اس کا مکمل جائزہ لیا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک حسین اور کم عمر لڑکی تھی۔

انجشاء کو اس کا یوں سر تا پیر گھور کر دیکھنا بہت کھلا تھا۔ تاہم اس کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے اپنے غصے کو کنٹرول میں رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"میری گاڑی یہاں گہرے کھڈ میں پھنس گئی ہے، اگر آپ مہربانی کر کے تھوڑا دھکا لگا دیں تو میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔"

سامنے موجود شخص کی آنکھوں کی چمک انجشاء سے مخفی نہیں تھی۔ تاہم اس کی بات پر جو خبیث مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی تھی، اس نے ایک لمحے اسے بے حد خوف زدہ کر دیا تھا۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ وہ پریشان نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھتی قدرے سائیڈ پر جا کر کھڑی ہو گئی۔

وہ شخص اب اس کی گاڑی کو دھکا لگا رہا تھا۔ تقریباً دو منٹ کی کوشش کے بعد اس نے ہاتھ جھاڑ لیے۔

"بھئی مجھ اکیلے کے بس کا کام نہیں ہے یہ۔ ایک دو آدمی اور دیکھنے پڑیں گے۔"

"ایک دو آدمی اور کہاں سے ڈھونڈوں میں۔ سڑک پر تو کوئی آتا جاتا دکھائی نہیں دے رہا۔" وہ پریشانی میں کہہ گئی تھی مگر بعد میں اندازہ ہوا اسے، اس شخص سے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ ماشاء اللہ تم خود جوان جہان صحت مند لڑکی ہو۔ ایک طرف سے میں دھکا لگاتا ہوں، دوسری سائیڈ سے تم لگاؤ۔ منٹ میں گاڑی کھڈ سے باہر نکل جائے گی۔" اس کے قریب کھڑا اب اسے مشورہ دے رہا تھا۔

انجشاء کا حلق خشک ہو گیا۔ اب وہ اس لمحے کو پچھتا رہی تھی، جس لمحے میں اس نے اس شیطان صفت شخص کو شریف سمجھ کر مدد کے لیے آواز دی تھی۔

"چلو شاباش۔ مجھے اپنے کام سے بھی جانا ہے جلدی، موسم کا کچھ پتا نہیں پھر بارش شروع ہو جائے۔"

وہ کہہ رہا تھا اسے گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر۔

انجشاء جلد از جلد اس مصیبت سے نکلنا چاہ رہی تھی لہٰذا سر اثبات میں ہلا کر وہ گاڑی کی پچھلی سائیڈ پر آ گئی تھی۔ یہی اس کی بڑی فحش غلطی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

ان ظرنہ فاطمہ

"سائیں سچ تو وہی ہے جو آپ کے منہ سے نکلے، گواہی تو ہم وہی مانیں جو آپ دیں۔ بس کہہ دو جو بھی سچ ہے۔"

سعد غوری عجب دوراہے پہ کھڑا تھا سامنے بے مغز قبیلہ تھا تو دائیں طرف زیرک نگاہ آغا غوری، جن کے سامنے سچ کے بھی سات خانے تھے اور ہر خانے میں سات چھلنیاں تھیں جن سے سچ کو چھانا جاتا تھا تب بھی وہ سچ کی تعریف پہ پورا اترے ضروری نہیں تھا۔

"دیکھیں میرے پیارے کم دیکھنے والوں...... ایسا کچھ نہیں ہے جس کا پلاٹ تم سب کے دماغ میں قسط وار تحریر ہو رہا ہے بس ایک دھوکا، وہ بھی تمہاری کمزور نگاہوں کا اور کچھ نہیں۔"

سعد کو سچ پر آمادہ کرنے والے اس کے سچ کو تسلیم نہ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ وہ سترھویں مرتبہ لفظوں کے ردوبدل سے سچ بتلا چکا تھا مگر مجال ہے۔ کہ اس کا کہا ان کے بنائے سچ کے پیمانے پر پورا اترے۔ اوپر سے آغا غوری کی خاموشی تو اور بھی سعد غوری کی جان ہلکان کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا اس خاموشی نے جب بھی بند توڑا ہے کوئی سونامی ہی آیا ہے۔

"بس سچ وہ نہیں جو تم سب سننا چاہتے ہو اور نہ ہی وہ جو اس نامراد کے منہ سے نکلے سچ وہ فیصلہ ہے جو میں کر چکا ہوں اور اس پر مہر بھی میں نے تم سب کی مدد کے بغیر ہی لگا دی ہے۔" آغا غوری نے حتمی لہجے میں کہا۔

وہی ہوا جس کے ہونے کی صدا سعد غوری کے اندرونی خانوں سے کافی دیر سے آ رہی تھی۔ آغا غوری نے تھیلے سے بلی نکال دی تھی۔

"سعد غوری اور ایثار نقیب آج ہی شام نکاح کے بندھن میں باندھ دیے جائیں گے۔"

☆☆☆

سعد غوری کے پیدا ہوتے ہی انابی نے اعلان کر دیا تھا کہ نومولود آغا غوری کو دن میں تارے دکھانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ اب جانے یہ پیشن گوئی تھی کہ انابی کے چپکے سے دی صلاح کہ سعد غوری نے آغا غوری کو ستانے کا وہ نان اسٹاپ پروگرام اسٹارٹ کیا کہ پھر ہر روز نت نئے تماشے ہوتے ہی گئے۔

آغا غوری کے مزاج میں کچھ تو قدرتی جاہ وجلال وافر مقدار میں تھا تو کچھ حسن پہ نزاکت کے بطور انہیں والد گرامی کی طرف سے فتح پور کی گدی نشینی اور پنچائیت کی سربراہی کیا عطا ہوئی تھی ان کا غضب دو آتشہ ہو گیا تھا۔ اب اس کی طوفانی شعاعوں سے نہ تو اہل قبیلہ کی جان بچی ہوئی تھی نہ اہل خانہ کی۔ بہنیں تو پچکار کے بھی کبھی کبھار دل کی منوا ہی لیا کرتی تھیں۔ مگر بیوی کی، جو علاقے کی انابی مشہور تھیں تو کبھی سنی ہی نہ گئی۔ پہلے پہل تو وہ اس سلوک کی وجہ اولاد نرینہ نہ ہونے کو قرار دیتی تھیں مگر سعد غوری جیسے عظیم سپوت کی پانچ بیٹیوں کے بعد آمد بھی انہیں من چاہی کی سیڑھی نہ چڑھا سکی۔ ایسے میں آغا غوری کو اگر کسی نے دن میں تارے دکھائے تھے تو وہ اکلوتے اور منہ

تمغے سپوت سعد غوری ہی تھے۔

☆☆☆

”آغا جی! گھر سے نہ نکلا تو مہندی اور چوڑیوں میں مقبرہ بن جائے گا میرا۔“

یہ پہلی آفیشل ضد تھی جو سعد غور نے آغا غوری کے سامنے کی تھی۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک جانا چاہتا تھا۔ پشاور بورڈ سے امتیازی نمبروں سے میٹرک تو اسے کرا دیا گیا تھا مگر اب وہ اپنے بل بوتے پر مزید کا خواہاں تھا۔ اسے ہمیشہ سے یہ بات چبھتی تھی کہ آغا غوری کا اثر و رسوخ اس سے قبل اس کی منزل تک پہنچ جاتا تھا۔ اور پھر حاصل کردہ کامیابی پہ سینہ

اس کا نہیں اس کے ابا جان کا فخر سے تن جاتا تھا جس کا تنتنا اٹھتے بیٹھتے طعنوں کی صورت سعد غوری کے کانوں میں انڈیلا جاتا۔

”برخوردار! اگر میں پاؤں کے نشان نہ چھوڑوں تو دو قدم چل کر تو دکھاؤ۔“

اور یہی وہ طعنہ تھا جو سعد غوری کی ضد بن چکا تھا وہ بنا نشان کے قدم بڑھانا چاہتا تھا مگر آغا غوری کی حدود کے اندر رہ کر یہ ممکن کب تھا؟ سو ابتدا ہونی چاہتی تھی۔

”ارے مرد پچاس عورتوں میں رہ کر بھی مرد ہی ہوتا ہے اپنا آپ پہچان۔“

اس کا حربہ کارگر ثابت نہ ہوا تھا۔ آغا غوری نے

اس کی مضبوط دلیل پھونک مار کے اڑادی تھی۔ اپنی پانچ بہنوں اور پھوپھیوں کی بیٹیوں کو ملا کر کل اکیس بہنوں کے ساتھ وہ مردانہ وار ہی رہتا تھا مگر یہ تاویل تو آغا غوری کا دل دہلانے کے لیے تھی، جسے خاطر میں نہ لایا گیا تو اس نے بھی اپنی منوا کے چھوڑنے کی ٹھان لی۔

پھر تو نہ دن کی قید نہ رات کی پروا، وہ تمام وقت ایک ہی راگ الاپے جاتا۔

جینا ہو گا مرنا ہو گا۔ دھرنا ہو گا۔ دھرنا ہو گا۔

اگرچہ آغا غوری پر دھرنے کی دھمکی تو کیا مرنے کی بھی اہمیت کچھ نہ تھی مگر سعد غوری ان کا واحد سپوت اور نسل کا امین تھا۔ اس کے بہتر مستقبل اور اعلا مقام تک رسائی کا خواب ہر باپ کی طرح ان کا بھی تھا۔ سو بے جا ضد اور خالی خولی نخرے دکھانے کے بعد وہ اس کی ذات پر احسانات کی بارش کرتے ہوئے مان گئے تھے۔ اور یوں سعد غوری بیرون ملک ان کی ناک تلے سے نکل کر سدھار گیا تھا۔

دوسری بڑی جنگ عظیم اس وقت فتح پور میں چھڑ گئی جب سعد غوری نے من پسند تعلیم اور ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد روایتی گدی نشینی اختیار کرنے کے بجائے خود کا بزنس اختیار کرنے کی ضد کی۔ آغا غوری کی تمامتر وراثت اور پشتینی زمینی معاملات کی دیکھ ریکھ کوئی ایسے عوامل تو نہ تھے جسے وہ پسر واحد کی خواہش کی خاطر فراموش کر دیتے۔ سو اس معاملے میں سعد غوری کی چٹانی ہمت سے واسطہ پڑا۔

انا ئی سب سے زیادہ پسینے والی عوام، ایک بار پھر پنڈولم کی طرح دائیں بائیں ڈولتی رہیں۔ کبھی شریک حیات کی منتیں کرتے پائی جاتیں تو کبھی برخوردار پر جھپٹتیں لتاڑتی نظر آتیں۔ مگر ہر دو طرف ضد گویا رگوں میں خون کی طرح دوڑتی تھی۔

اور یہی وہ موقع تھا جب ایثار نقیب کی حویلی آمد نے سعد غوری کے دل کی دنیا تہ و بالا اور ضد کی دیوار ریت و چونا کر دی تھی۔

☆☆☆

نقیب حسن آغا غوری کے چچازاد بھائی اور دلعزیز دوست تھے اور پڑوسی ہونے کا رشتہ بھی اضافی تھا سعد اور ایثار کا بچپن ایک ساتھ ہی کھیلتے گزرا تھا۔

مگر سعد غوری کے بیرون ملک چلے جانے کے بعد ایک طویل عرصہ جو درمیان سے سرک گیا تھا۔ اس میں نہ صرف سعد غوری کی دلچسپیاں، ترجیحات اور من مانیاں سب ہی تنزل و تغیر کا شکار ہو گئی تھیں وہاں اسے بچپن کی باتیں نقطے برابر بھی یاد نہ تھیں۔

ایثار نقیب کو چار بہن بھائیوں میں بڑا ہونے کی پاداش میں انٹر کرتے ہی علی احمد کے ساتھ بیاہ دیا گیا۔ مگر قسمت کا پھیر کہ ایک ماہ کی دلہن مہندی کے مٹے نقوش لیے نقیب حسن کی دہلیز پر بیوگی کی چادر لیے لوٹ آئی تھی۔ جائیداد کے تنازعے میں علی احمد کو اپنوں ہی نے زندگی سے محروم کر دیا تھا۔

ایثار نقیب اپنی شوخی، شرارتیں، امنگیں سب ہی چند دن کی رفاقت میں گویا ہار آئی تھی۔

والدین کے گھر واپس لوٹی ہوئی بیٹی کی بھی کبھار وہی اہمیت ہوتی ہے جو سو روپے کے نوٹ میں سے دس روپیا بقایا جات کی ہوتی ہے کہ چاہو تو جیب میں رکھو چاہو تو ٹپ دے دو۔

تب آمنہ بی (سعد غوری کی بڑی پھوپھی) نے اسے اپنی بیٹی کے جہیز کے کپڑے سلائی کرنے کے لیے حویلی طلب کیا تھا۔ وہ مددگار کی حیثیت رکھتی تھی مگر اسے ملازمہ کے طور پر دیکھا گیا کیونکہ وہ تو شوہر سے محروم ہو جانے والی عورت تھی۔

☆☆☆

سعد غوری جس نے زندگی کے ہر ماش کے دانے جتنے معاملے میں بھی اپنی منوانے کی روش اپنائی تھی اور آغا غوری سے بحث و مباحثہ اور ضد میں بھی پیٹھ نہیں دکھائی تھی۔ وہ اپنی زندگی کے سب سے اہم فیصلے پر بالکل خاموش رہا تھا۔ اس کی بہنیں اکثر و بیشتر متجسس دکھائی دیتی تھیں۔

”ویرا اب ٹاکرے کا مرحلہ آنے والا ہے۔ ابا جی اور تم میں سے کس کی پسند اس حویلی کی اکلوتی بہو

بنے گی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" بڑی آپا نے دل میں مچلتے خیال کو آواز دی تھی۔

"میرا پتر اپنے اباجی کو کبھی بھی دکھ نہیں دے سکتا۔ خالی برتن کو پھونکیں نہ دو۔" اناپی ہر ماں کی طرح اپنے بیٹے میں ٹس ٹھسا کے فرماں برداری بھرتے ہوئے بولی تھیں۔

"اللہ کرے، ایسا ہی ہو اناپی...... پر جہاں چاول کھانے کہ دال پر بھی دو گھنٹے مناظرہ ہو وہاں بھوشیتوں کی ہوگی کہ آرائیوں کی...... اففف! اس پر کتنا طوفان اٹھے گا مجھے تو یہی سوچ کے ہول اٹھ رہے ہیں۔"

سب بہنوں کی مشترکہ سوچ کو چھوٹی آپی نے زبان دی تھی۔ مگر حیرانی کی حد تھی کہ سعد غوری نے حویلی کے زنانے کو ہولانے اور مردانے کو برس جانے کا موقع نہ دیا تھا، اور تین بار قبول کا لفظ نہایت سعادت مندی سے جرگے اور آغا غوری کے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے ادا کیا تھا۔ اب تک اپنے ہر چھوٹے چھوٹے معاملے پر اپنی الگ ٹرین چلانے کی سعی کرنے والا سعد غوری زندگی کے سب سے اہم معاملے میں ایک ذرا سی غلطی کے باعث کپڑے کا گڈا بن گیا تھا۔ جسے آغا غوری نے کمال مہارت سے روئی نکال کر گردن کو پتلا کر کے سوئی سے گزار دیا تھا۔

وہ پہلی نظر کی محبت کا ایسے ہی شکار ہوا تھا جیسے اسے ہر فیصلے کو دفعتاً کرنے کی عادت تھی۔ ایثار نقیب سے جب وہ ملا تب وہ کسی اور کے نام کی بیوگی کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ مگر سعد غوری کے لیے اس چادر سے زیادہ اس میں لپٹا بے رنگ اور بے ریا وجود توجہ کا مرکز تھا وہ ایثار نقیب کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لیے اتنا گہرا سوچ رہا تھا کہ اس نے ذاتی بزنس کرنے کی ضد بھی چھوڑ دی تھی اور آغا غوری کی منشا کے مطابق تمام تر پشتینی معاملات سنبھالنے لگا تھا۔

آغا غوری آج کل اس کی فرمانبرداریوں پر بھی حیراں تو کبھی شاداں نظر آتے تھے۔ اگرچہ اختلاف کی صورت اب بھی موجود تھی کیونکہ آغا غوری کا برتاؤ ایثار نقیب سے زیادہ مناسب نہ تھا۔ وہ ان مردوں میں سے تھے جنہیں مطلقہ بیوہ ہر عورت گھر نہ بسانے والی باغی ہی لگتی تھی۔ ایسے میں سعد غوری کو ایثار نقیب سے ملن خواب و خیال معلوم ہوتا تھا۔

☆☆☆

عدالتی کاروائی جاری تھی قسمت نے یکدم ہی ایسی کروٹ لی تھی کہ سعد غوری کی آرزو اور تمنا بطور سزا اس کی جھولی میں ڈال دی گئی تھی۔

وہ بظاہر جرگے کے فیصلے سے خفا اور نالاں دکھائی دینے والا اندر سے کن ہواؤں میں رقصاں تھا یہ زیرک نگاہ آغا غوری جان پائے نہ سمجھے مگر اپنی انصاف پسندی کی دھاک بٹھائے نفوس میں سے کسی کو بھنک پڑی، اور اس کے دل کا چین ایثار نقیب اس کی آنکھوں کا نور بنی اس کے ساتھ زندگی کے سفر میں ہم قدم ہو گئی تھی۔

"اے حسن و لطافت کے باغیچے، اس بیمار عاشق کی طرف نگاہ کرو جو تمہاری آنکھوں کی جان لیوا وبا میں جان دینے کا متمنی ہے۔"

ایثار کی نگاہوں میں حیرت سوڈگری سے تجاویز کر گئی تھی۔ ایک بے ضرر، بے توجہ وجود کو جیسے ایک ناگہانی خطا نے بطور سزا جس کے پلے باندھ دیا تھا وہ اسے ان الفاظ میں خراج دے گا۔ یہ تو اس کے لیے غیر متوقع بات تھی۔

"دیکھیے آپ کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی ہے میں اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ مجھے چھوڑ دیتے ہیں تو کوئی گلہ نہیں کروں گی اور اگر اپنائے رکھتے ہیں تو تمام زندگی آپ کی باندی بن کر رہوں گی۔"

ایثار نقیب کی آواز میں خود اعتمادی مفقود تھی اور التجا اور خوف کی آمیزش تھی۔ وہ ایک پراعتماد پڑھی لکھی اور سوگنوں کی حامل لڑکی ہمارے معاشرے کے بدترین چہرے سے دیکھے جانے کے باعث انمول سے بے مول ہو گئی تھی۔ پہلے تقدیر کے فیصلے نے بیوگی

کا دکھ دیا اور پھر انجانے میں ہوئی خطا نے ان چاہی شریک حیات بننے کا زہر پلا دیا وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"ایثار میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں شریعت میں خودکشی حرام ہے اور اپناؤں گا ضرور مگر باندی بنا کر نہیں دل کی رانی بنا کے رکھوں گا۔"

ایثار کے خوف و خلفشار کو اس نے نرم لفظوں اور گرم جذبوں سے تسکین دی تھی۔ وہ اسے اس کی خود ترسی کے خول سے نکالنے کے درپے تھا، چاہتوں کی پھوار برسا رہا تھا۔ مگر اس کی تمام تر دلاسے بھی ایثار کو وہ لمحہ بھلانے میں ناکام تھیں جب اسے اپنی سادگی کے باعث عجیب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جس نے اس کی رہی سہی ہمت اور عزت نفس بھی ختم کر دی تھی۔

☆☆☆

اس دن وہ تمام وقت دلہن کے ساتھ رہی تھی گھر میں شادی عروج پر تھی۔ اور جانے انجانے دور، نزدیک کے مہمان یہاں سے وہاں مصروف درقصاں تھے۔ وہ اپنی نحوست سے بنا کسی کے جتائے واقف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کسی کی نئی زندگی کی شروعات میں اپنی شرکت سے داغ نہیں لگانا تھا، اس لیے وہ خود کو محض ایک کمرے میں مقید کیے ہوئے تھی۔

سعد غوری نے اسے بطور خاص طلب کر کے شادی کے ہنگاموں میں شریک ہونے کو کہا تھا۔

وہیں اپنے سابقہ شوہر علی احمد کے دوست احسن کو دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوئی تھی مگر یہ سوچ کے حیرت رفع کر دی تھی کہ یقیناً غوری کی فیملی سے ان کا کوئی تعلق ہو گا جبھی مدعو تھے۔ مگر یہ جان کے وہ دہل گئی تھی کہ اناجی سے آغا غوری نے اس اجنبی کے بارے استفسار کیا تھا۔

"یہ کون شخص ہے اور کس نے انوائٹ کیا اسے؟"

آغا غوری متذبذب تھے اناجی اور پھوپھیوں میں سے کوئی بھی اس کا مدعو کرنے والا نہ تھا۔ تب سعد غوری نے ہی بتایا کہ وہ دولہا کے دوستوں میں سے تھا ہو را نہی کی طرف سے شریک تقریب تھا۔ بات آئی گئی ہو گئی تھی اور ایثار نقیب کے لیے تو ویسے بھی اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مگر رات گئے تقریب کے اختتام کے کافی دیر بعد جبکہ سب شرکا تھک ہار کے سو بھی چکے تھے کہ اسے ایک ملازمہ نے خط لا کر دیا تھا۔

وہ پہلے پہل تو اس افتاد کو ردی کی نظر کرنے والی تھی مگر مکتوب پر لکھے "انتہائی اہم" کے لفظ نے اسے خط کو کھولنے پر مجبور کیا تھا۔

"بھابھی! علی احمد کی اچانک موت کی خبر دیر سے ہوئی ورنہ آپ سے تعزیت وقت پر کرتا۔ خیر میری تعزیت اور علی احمد کی ایک امانت مجھ سے وصول کریں۔ یہ امانت آپ تک پہنچانے کے لیے بطور خاص اس شادی میں بن بلائے چلا آیا ہوں۔ آیئے اور امانت لے جایئے۔ تاکہ میں سرخرو واپس لوٹ سکوں۔"

وہ شدید کشمکش و پیچ میں تھی ایک ایسے شخص کے بلاوے پر جانا جسے سوائے سابقہ شوہر کے دوست کے وہ کچھ اور نہ جانتی تھی۔ دوم ایسے وقت میں امانت لینے تو کیا کسی کی جان بچانے کا معاملہ بھی ہو تو جانا نامناسب تھا۔ مگر ایک دوسری سوچ جو اسے پریشان کر رہی تھی کہ آخر امانت تھی کیا۔ اور پھر وہ شخص اس کے نہ جانے پر بنا امانت اس کے حوالے کیے، لوٹ جاتا تو یہ چیز کیا اسے کبھی اطمینان دے سکتی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے کی اعصاب شکن سوچ و بچار کے بعد بالآخر وہ مکتوب پر لکھے مقام یعنی چھت پر جانے کے لیے خود کو تیار کر پائی تھی۔ وہ اپنی سفید چادر اچھی طرح خود کے گرد لپیٹے تھی اور مکتوب دائیں ہاتھ میں اچھی طرح دبائے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔ مگر دو ہی زینے چڑھتے سعد غوری جانے کہاں سے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ایثار اس وقت چھت پر کیوں جا رہی ہو۔ کیا کچھ بھول آئی تھیں؟" عام حالات میں بھی سراسیمہ دکھنے والی ایثار کی کپکپاہٹ اور پراسراریت نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔ وہ جو سرسری دریافت کرنے والا تھا اب کے گہری نگاہوں سے اسے کھوجنے میں لگا تھا۔

"ایثار کیا کرنے والی ہو، کہیں جان لینے کا

ارادہ تو نہیں۔" ہر وقت کی گھٹن کس سمت جا سکتی تھی یہی سوچ کے سعد غوری فکر مند ہوا تھا مگر ایثار کے منہ سے ہوا بھی نہ نکلی اور آنکھوں میں دہشت کی برف یکدم رواں ہو گئی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے چھت پر جانے کے واپس کمرے کی طرف دوڑ گئی تھی۔ سعد غوری بھی خود ہی سے معاملہ اخذ کیے لوٹ جاتا مگر نگاہ اس سفید کاغذ پر جم گئی جس پر انتہائی اہم لکھا تھا اور بھاگنے کے دوران جو ایثار کے ہاتھوں سے گر چکا تھا۔

سعد غوری نے معاملے کو وہیں ختم کرنے کے بجائے کاغذ کو تمام کے ابھی کھولا ہی تھا کہ بڑی پھپھو اور کچھ کزنز کی اچانک آمد ہوئی تھی وہ گہری رات میں بیچ زینے پر کھڑے سعد غوری کے ہاتھ میں تھامے خط کو دیکھ کر مشکوک ہوئی تھیں۔ کچھ ہی لمحے بعد ان کے با آواز بلند خط کے راقم کو جاننے کی خواہش پر آغا غوری کی انٹری نے ایک نیا ہی ساز چھیڑ دیا تھا۔

سعد غوری نے اپنی طرف توپوں کا رخ دیکھ کر صاف لفظوں میں کہا۔

"یہ خط ایثار نقیب کے ہاتھوں سے بھاگنے کے دوران گرا ہے اور وہ کسی نامعلوم فرد سے ملنے کے لیے چھت پر جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔"

تبھی جرگے نے وہ تاریخ ساز فیصلہ دیا تھا جس نے سعد غوری کو ایثار نقیب کے ساتھ ایک لطیف بندھن میں باندھ دیا۔ پشتوں کے وقار اور جاہ و اکرام کو برقرار رکھتے ہوئے سعد غوری کا محض اس واقعے میں نام آ جانے پر بھی آغا غوری برہم تھے۔ کیونکہ کچھ لوگوں کے نزدیک سعد غوری کا بھی اتنی رات کو بیچ زینے پر ہونا دائرہ شک سے باہر نہ تھا اور ایثار تو تھی ہی معتوب زدہ۔

آغا غوری نے ایک نکتہ برابر بھی خاندانی عزت پر حرف نہ آنے دیا اور ایک فوری اور اٹل فیصلے کے ذریعے ایک نئے رشتے کی بنیاد رکھ دی۔

☆☆☆

"اتنا کچھ ہو گیا تھا وہ بھی صرف چار ہی دن میں مگر اس دوران احسن کہاں تھا؟ وہ امانت کہاں گئی؟ جو سارے فساد کی جڑ تھی؟ سعد غوری کی فرماں برداری تو حیران کن تھی ہی، یہ شدتیں چاہتیں اور وارفتگیاں یہ اچانک سے امڈ آنے والی کیفیات تو نہ تھیں۔ یہ تو وہ جذبات لگتے تھے جو لاوہ بن کر دل کی اندرونی تہوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ سعد غوری کی والہانہ چار دن کی نومولود تو نہ دکھتی تھی۔ یہ تو ماضی بعید کا قصہ معلوم ہوتی تھی۔"

وہ سعد غوری کے برابر لیٹی انہی خیالوں میں غلطاں و پیچاں تھی مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اسے پہلو میں لیے ہوئے سعد غوری بھی نیند کی آغوش میں نہیں تھا۔ بلکہ اپنی کامیابی اور محبت کے حصول پر بارگاہ الٰہی میں سربسجود تھا۔ جس نے ایک مشکل معرکہ یا شاید ناممکن مرحلے کو آسان بنانے کے لیے اسے عقل بھی عطا کی اور تمام معاملات حسب منشا ہو جانے میں مدد بھی فراہم کی۔

وہ ایثار غوری کو اپنی اس محبت سے آگاہ کرنے والا تھا جو اسے پہلی نظر میں ہی ہو گئی تھی۔ وہ ذری سہی معتوب کب اس کے دل آنگن میں چہکنے لگی وہ جان نہ پایا۔ مگر یہ جاننے میں اسے زیادہ وقت نہ لگا کہ روایتی سوچ کے حامل آغا غوری اور زنانہ خانوادے میں اس کی محبت کی کوئی قدر نہ تھی۔ ایسے مزاج کے شہر میں وہ کیونکر محبوب بے ریا کو حاصل کر پاتا۔ تب اس نے پہلی ہی فرصت میں انگلی کو ٹیڑھا کر لیا تھا۔ پہلے آغا غوری کی ہر بات مان کر ان کا اعتماد جیتا اور پھر احسن کو کسی بہانے تقریب میں بلا لیا اور پھر "انتہائی اہم" کا مکتوب اس کے خوابوں کی تعبیر ثابت ہوا۔

ایثار نقیب کے ساتھ اس کا آدھی رات کو بیچ زینے پر ٹکراؤ اور آغا اور پھوپھیوں کی ملازمہ کے ذریعے عین وقت پر آمد سب کچھ اس کے منصوبے کے عین مطابق تھا۔ آغا غوری کا خون جانتا تھا کہ روایات میں گندھے شخص کا آخری فیصلہ کیا ہو گا سو اس نے ایک انتہائی مشکل سفر کی منزل شارٹ کٹ کے ذریعے اپنے لیے آسان بنا دی۔

ایثار کو خود سے قریب کرتے سعد غوری نے مطمئن ہو کر اس راز کو ہمیشہ کے لیے سینے میں دفن کر کے آنکھیں موند لی تھیں۔

☆☆

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:

سوار حسن کو کچھ عجیب سے حالات میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑنا پڑا اور وہ خالی جیب منتشر دماغ لیے بنا سوچے مری کی کوسٹر میں بیٹھ گیا۔ مری میں ایک معمولی ڈھابے کے مالک میاں نذر اسے پہلے مہربان دوست کی صورت میں ملے، میاں جی کے توسط سے سوار کو ایک ہوٹل میں مہینے بھر کے لیے ریسپشنسٹ کی جاب مل گئی۔ ہوٹل کے نیجر رفیق احمد کی بیٹی کہکشاں کالج میں پڑھتی ہے۔ ماضی کے کسی واقعے نے اسے محبت سے سخت بدگمان کر رکھا ہے۔ لیکن سوار سے پہلی ملاقات ہی اس کے دل کی دنیا کو پریشان کن حد تک تبدیل کر دیتی ہے۔

ثمامہ ایک طرح دار جوان بیوہ ہے۔ جس نے مرحوم شوہر کی جائیداد سے مری میں نیا فائیو اسٹار ہوٹل کھولا ہے۔ وہ بھی مری میں نو وارد ہے۔

شازمہ جس نئے محلے میں اپنے شوہر کے ساتھ شفٹ ہوئی ہے وہاں تنہائی اور اکیلا پن اس کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا کیونکہ شوہر اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں۔

ثمامہ کو ہوٹل کے افتتاح میں کچھ مسائل کا سامنا ہے۔

رفیق احمد کے پیر میں سیڑھیاں اترتے شدید فریکچر آ گیا۔ سوار نے ان کی بہت مدد کی۔ شازمہ کی محلے میں آمنہ بھابی سے دوستی ہوئی جو کہ مولوی فیض الحسن کی بہو ہیں۔

ثمامہ نے مری کے راستوں پر سوار کو دیکھا، یہ اس کا سوار سے دوسرا سامنا تھا اور معلوم نہیں کیوں لیکن وہ اسے بہت خاص لگا۔
کنعان کی رابعہ پھوپھو ان کے گھر آئیں تو کنعان کے پکائے بدمزا کھانوں کی وجہ سے دیا اور کنعان دونوں کا داخلہ کوکنگ اسکول میں کروا آئیں کنعان نے وہاں پر سوار کو دیکھ کر خوشی محسوس کی۔

مکمل ناول

سوار کی جاب از میر ہوٹل سے ختم ہوئی تو ثمامہ نے اسے "پیٹران" میں منیجر کی پوسٹ پر اپوائنٹ کرلیا۔ سوار علی پہلی ملاقات میں ہی اسے پسند آ گیا تھا۔

رفیق سر کی طبیعت خراب ہوئی تو سوار ہاسپٹل آیا۔ واپسی میں جس ٹیکسی میں وہ کنعان کو گھر چھوڑنے آیا اس کے ڈرائیور نے کنعان کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کیں۔ کنعان نے اپنی صفائی میں اپنی بہن کی کہانی سنائی کہ کس طرح اس کی بہن نے گھر سے بھاگنے کی کوشش کی تھی اور کنعان اس کا پیچھا کر کے جس ٹیکسی میں واپس اسے گھر لائی، وہ یہی ٹیکسی والا تھا۔ بہن کی شادی تو کر دی گئی لیکن امی نے مرتے وقت اس سے وعدہ لیا کہ وہ کبھی کسی کی محبت میں گرفتار نہیں ہوگی لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکی۔

وقاص کی ملاقات شازمہ سے کاغان میں ہوئی جہاں اس نے شازمہ کو اپنی گاڑی میں لفٹ دی تھی۔ یہیں سے ان کی دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ وقاص نے اس کو اپنے شادی شدہ ہونے کا نہیں بتایا تھا۔ شازمہ کے باپ نے اس کا رشتہ اپنے جیسے سفید پوش گھرانے میں کر رکھا تھا جو اس کو پسند نہیں تھا۔ اسے وقاص اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر آیا۔ کاغان سے واپس آنے کے بعد وقاص کی بات چیت شازمہ سے ہوتی رہی بالآخر ایک دن شازمہ اپنے گھر سے بھاگ کر وقاص کے شہر آ گئی۔ وقاص کے پاس سوائے اسے اپنانے کے کوئی چارہ نہ رہا۔

شازمہ کو وقاص کی پہلی شادی کے بارے میں علم ہو گیا اور اس کی لڑائی وقاص سے ہو جاتی ہے۔

شازمہ نے آمنہ بھابھی کے دیور عبدالعلی سے جسے سب پیار سے آدی کہتے تھے، ٹیوشن پڑھانے کی درخواست کی۔ آدی رضامند تو ہو گیا لیکن شازمہ کی نگاہوں کے مبہم اور خطرناک پیغام کی وجہ سے وہ اس سے کترانے لگا تھا۔ لیکن شازمہ اسے گھر بلانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ نکال ہی لیتی تھی۔

ثمامہ سوار علی کی سالگرہ پر اسے زبردستی ڈنر پر لے آئی اور وہاں پر اس سے شادی کی خواہش ظاہر کر دی۔

ثمامہ کو سوار کی کنعان سے محبت کا علم ہوا تو اس نے کنعان کو اغوا کروالیا کہ اغوا شدہ کنعان اس کے دل سے اتر جائے گی۔ سوار کو کنعان کے اغوا کا علم ہوا تو اس نے کوشش کر کے کنعان کو اغوا کاروں کے چنگل سے نکال لیا۔

دسویں قسط

ثمامہ کی دعا نے دروازے کے باہر تک سوار کا پیچھا کیا جسے یہ دعائیہ کلمات آج بہت خوش آئند بہت اچھے لگے تھے۔ یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ یہیں کہیں پھر ایک ان دیکھا جال دھیرے دھیرے اس کے گرد مضبوط ہو رہا ہے۔

سوار کے نزدیک تو میاں جی کے بعد ایک وہی تھی جس نے اس کا بھروسا کیا تھا۔ بھلا خوشی کیوں نہ ہوتی، انسان کو اپنے سدھار کی کوشش میں سب سے زیادہ تحریک لوگوں کے مثبت رویوں ان کی سپورٹ سے ملتی ہے۔ رفیق سر کے رویے نے تو سوار کو مایوس کیا ہی تھا، کنعان کی خاموشی بھی دل پر چوٹ جیسی پڑی تھی۔

"کنعان موسم نہیں ہے سوار۔ آپ کے لیے میں کبھی نہیں بدلوں گی۔"

یہ جملہ تو جیسے چلتے پھرتے جاگتے سوتے سوار کے کانوں میں بازگشت جیسا بیٹھ چکا تھا۔ پر اس جملے پر کھرا اترنے والی کی خاموشی۔ سوار ایک درد بھری آہ بھر کر رہ جاتا۔ اسے کنعان کا انتظار تھا اور اتنی شدت سے کہ جیسے وقت نزع کوئی مسیحا کی راہ دیکھے۔

ادھر دوسری جانب میڈم ثمامہ تھیں، جنہوں نے حرف بہ حرف نہ صرف اس کا یقین کیا تھا بلکہ ہر قسم کی مدد اور تعاون کے لیے بھی تیار تھیں۔ کل کو پولیس یہاں پیٹران آ سکتی تھی لیکن انہوں نے ہوٹل کی ریپوٹیشن یا اپنی پوزیشن بگڑنے کا خیال بھی نہ کیا، تو پھر کیوں، وہ ان کے خلوص، ان کی دوستی کی قدر نہ کرتا۔ سوار کے دل میں ثمامہ کے لیے پیدا ہوتے خیر سگالی کے جذبات تو بالکل ہی نیچرل اور جائز تھے، یہ قصور بھی شاید اس کی سادگی کا تھا، کیونکہ اس کے

نزدیک چال بچھانے والیاں صرف شازمہ جیسی عورتیں ہوتی ہیں۔

☆☆☆

دل سے ابھرتی کچھ گواہیاں بڑی مضبوط، بڑی سچی ہوتی ہیں۔ ان کے راز دان بھی ایک ہم ہی ہوتے ہیں، اور یہ معجزہ بھی کنعان کو محبت نے دکھایا تھا، آج کل وہ دریافت کے مرحلوں میں تھی محبت سے یک لخت منہ موڑ لینا آسان بھی تو نہیں ہوتا۔ محبوب کو اگلے ہی پل کسی فیصلے کے تحت چھوڑ دینا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اور کنعان کے لیے تو پہلی منزل پر ہی خوش امیدی اپنا دامن وسیع کیے کھڑی تھی۔ تبھی وہ بھاگی بھاگی دیا کے پاس آئی تھی۔ اس کی امی اور بھابھی کچن میں ناشتا کر رہی تھیں۔ بھابھی نے بتایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ بھی ان ہی کے ساتھ تھی لیکن ناشتا کر کے دوبارہ بستر میں دبک گئی۔

"اس کی ٹھنڈ کا بندوبست تو میں کرتی ہوں۔" اس نے آستینیں چڑھا کر اندر کا رخ کیا اور آنٹی اور بھابھی زور سے ہنس پڑیں۔

وہ اندر آئی تو دیا لائٹس آف کر کے بستر میں گھس چکی تھی۔

"کیا کہنے بھئی، چھٹیوں کے خوب مزے لیے جا رہے ہیں۔" اس نے لائٹ آن کی۔

"تم......؟" دیا نے لائٹ جلنے پر آنکھیں چندھیاتے برا سا منہ بنایا۔ "اتنی صبح صبح......!"

"صبح کی بچی۔ تمہیں نیند بھی کیسے آتی ہے، تمہاری دوست کی ناگن سی طویل کالی راتیں جاگتے گزر رہی ہیں۔ اور تم دن کو بھی خراٹے مارنے کا سوچ رہی ہو۔ تف ہے تم پر دانیار باب۔"

"لو اٹھ گئی دانیا۔" وہ ہار مانتے انداز میں اٹھ بیٹھی۔

کنعان نے پیروں کی جانب جگہ بنا کر آلتی پالتی مارتے تھوڑا سا کمبل اپنے پیروں پہ ڈالا، سردی واقعی بڑی شدت کی آ گئی تھی۔ مری میں پہلی برف باری بس آج، کل میں ہی متوقع تھی۔ موسم کے تیور اسی حساب سے شدید تر تھے۔ دیا نے بال سمیٹ کر سرہانے رکھی شال اپنے گرد اوڑھ لی تھی۔ اور اب وہ سوالیہ نظروں سے کنعان کو دیکھ رہی تھی جس کے لبوں پر بڑے دنوں بعد ایک پیاری سی مسکراہٹ دکھائی دی تھی۔

"سوار بھائی سے کوئی بات ہوئی ہے؟" اس نے سیدھے ہی پوچھ لیا کہ حالات تو کچھ انہی سمت کے بہاؤ پر تھے، پھر یہ ہنسی۔

"نہیں۔" وہ سوار کے نام پر نظریں چرا گئی۔

"کچھ...... خوش خوش لگ رہی ہو۔" دیا کا تجسس اپنی جگہ تھا۔

"مجھے سوار سے ملنا ہے۔" اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتے وہ آہستہ سے بڑبڑائی تھی لیکن دیا کے کانوں میں تو سائرن جیسا بجا تھا وہ جملہ۔

"پاگل ہوئی ہو۔ ایسے لمف حالات میں...... اور...... اور وہ بھی اس قسم کے بندے سے۔"

"وہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا دیا......" بے چین سی کنعان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں یقین سے کہہ سکتی ہوں، حقیقت کچھ اور ہو گی۔ ابو کو ضرور اسے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ سوار بھی......"

"بات انکل کے سمجھنے کی نہیں ہے کنعان۔ انہوں نے تو وہی کہا جو انہیں سوار کے والد سے پتا چلا، ایک باپ اپنے بیٹے کے بارے میں غلط کیسے کہہ سکتا ہے۔"

"ہم اس کے ابو کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، ہم صرف سوار کو جانتے ہیں۔ اپنے دل سے پوچھو، کیا سوار کسی کا قتل کر سکتا ہے؟"

"نہیں۔" دیا کا جواب بھی قطعی تھا۔ "سوار بھائی کے بارے میں ایسا سوچنا بھی عجیب لگتا ہے لیکن ذرا دیر رک کر سوچو، کیا پتا سوار اس وقت کیسی کنڈیشن میں ہو، اقدام قتل کبھی کبھی سرزد بھی ہو جاتا ہے، پھر وہ دوسری بات، اگر ہم قتل کے معاملے میں سوار کو بے قصور مان بھی لیں تو مجھے بتاؤ، کردار کا اتنا بڑا جھول تم کیسے اگنور کر سکتی ہو۔"

"کرسکتی ہوں...... بالکل کرسکتی ہوں......"
کنعان کے لہجے میں جوش کی فراوانی تھی۔ "میں نے پوری ایک رات اکیلے میں سوار کے ساتھ گزاری ہے۔ مجھ سے بڑھ کر اس کی شرافت کا گواہ کون ہوگا۔"

"شاید وہ تم پہ اثر جمانا چاہتا ہو۔" دیا قائل ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"بات اثر وغیرہ سے بہت آگے کی ہے دیا......" کنعان نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ "تم میری باتوں کو میری جذباتیت سمجھنے کی غلطی کررہی ہو، لیکن ایسا بالکل نہیں ہے۔ پچھلے چار پانچ دن میں نے ہر پہلو پر بہت اچھی طرح سوچا ہے۔ یقین کرو دیا مجھے اپنے ابو کی عزت، اپنی آنے والی زندگی، اپنے اچھے برے کا خوب احساس ہے۔ میں اپنے ابو کے مان ان سے کیے وعدے کو پورا کرنے کی خاطر سوار کی قربانی دینے سے ایک لمحہ تاخیر نہیں کروں گی، چاہو تو مجھ سے قسم اٹھوالو۔ میری زندگی کا فیصلہ سوائے میرے ابو کے کوئی نہیں کرے گا۔ میں خود بھی نہیں۔"

"تو پھر......" دیا نے تعجب سے جاننا چاہا۔
"پھر اتنی بے چینی کیوں۔"

"کیا مجھے ایک بار بھی سوار سے ڈائریکٹ یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ جو ہوا وہ کیوں ہوا، اور کیسے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"شاید کچھ ایسا سامنے آجائے جو ابو کی بدگمانیاں دور کرسکتا ہو، شاید وہ اپنے فیصلے پر نظرثانی پر مجبور ہوں۔"

"اور تمہیں کیوں یہ خوش فہمی ہے کہ بہتری کی کوئی راہ نکلتی ہوگی۔"

"ہم ابھی اس رات کی بات کررہے تھے دیا۔" کنعان نے ایک آہ بھرتے دیوار کی طرف دیکھا۔ برستی بارش میں جنگل کی تصویر، نگاہوں کے پردے پہ سرائے کا اندھیرا کمرا جیسے چاندنی پڑنے سے روشن ہوا۔ "وہ لمحے جب میرا جسم مکمل فریز ہوچکا تھا، وہ وقت کسی پہ اثر جمانے کا نہیں ایک مرتے ہوئے کی جان بچانے کا تھا۔ میرے جمے ہوئے وجود پر اس وقت صرف میری نیم وا آنکھیں اور کچھ کچھ بیدار دماغ کام کررہے تھے۔ میں نے سوار کی پریشانی...... اس کی بے بسی کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ یہ وہ لمحے ہوتے ہیں جب مردار بھی حلال ہوجایا کرتا ہے۔ اس وقت صرف میری زندگی بچانا اہم تھا، ایسے میں زندہ بچ جانے پر میں بھی اسے بلیم نہ کرتی کیونکہ میں حقیقتاً مررہی تھی۔ اور تم سمجھ سکتی ہو دیا کہ اس وقت میری زندگی بچانا سوار کے لیے کتنا اہم رہا ہوگا۔ لیکن میری عزت میری سیلف ریسپکٹ اس کے نزدیک میری زندگی سے بھی بڑھ کر اہم تھی۔ میں نہیں بھول سکتی دیا۔ کبھی زندگی بھر وہ رات نہیں بھول سکتی۔" کنعان نے لرزتے ہاتھ سے اپنی پلکوں کا پانی صاف کیا۔ "ایک لڑکی کا بے بسی کے عالم میں کسی مرد کے ہاتھوں میں ہونا۔" اس نے بے اختیار ایک خوف بھری جھرجھری لی۔ "میں چاہتی تھی ان آپس میں جڑے دانتوں کو کاش کسی طرح کھول کر سوار سے کہہ پاؤں کہ میرے لیے مرنا اس موقع پر زیادہ آسان ہے، مجھے بچانے کے لیے کوئی حد پار مت کرنا لیکن میں بول نہیں سکتی تھی، اور سوار نے بنا میرے کہے میری بے بسی کو سمجھ لیا۔ میں اس کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ اس کی جگہ اگر کوئی ڈاکٹر بھی ہوتا تو شاید میری زندگی بچانے کے لیے......"۔

"اوہ......" دیا نے بھی جیسے پہلی بار تصور کرکے دیکھا اور کسی سوچ سے بے اختیار جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ "اوکے۔ بتاؤ کیا کرنا ہے؟"

"پتا نہیں۔" وہ روتے روتے ہنس پڑی۔ "کیونکہ وہ تو تمہیں کنوینس کرنے کے بعد سوچنا تھا۔"

"ہائیں۔" دیا نے آنکھیں نکالیں پھر ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے، پہلے تم گرم گرم چائے پیو، پھر کچھ سوچتے ہیں۔" دیا نے بھابھی کو چائے لے کر اندر

داخل ہوتے دیکھا تو بات بدلی۔

☆☆☆

عجیب سی صبح تھی وہ، خوب گہری کالی کالی سی صبح اور سرد پڑتا ماحول۔ ایسی گمبھیر رُکی رُکی سی فضا، جیسے کچھ ہوا چاہتا ہو، بھاری من کو اور بھی بوجھل کرتا کچھ ان کہا، نہ سمجھ میں آنا والا سا کچھ۔ دوسری منزل پر شیشے کی اندرونی جانب بلیک لیدر جیکٹ کی زپ گردن تک اوپر کیے، سر پر بلیک چمڑا کی ٹوپی پہنے، بلیک اور سرمئی مفلر گلے میں لپیٹے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ اس بھید بھری صبح کو دیکھ رہا تھا جب آسمان نے اپنے بھید سفید موتیوں کی صورت آسمان سے نچھاور کرنا شروع کیے۔ تارکول کی گہری سرمئی سڑک پر وہ چاندی تھی کہ پاس، نمک، یا چینی۔ چند ہی لمحوں کے اندر سرمئی سڑک غائب ہوتے وہاں دودھ سی سفیدی چھاتی چلی گئی۔ لوگ چلتے چلتے رک گئے۔ دونوں ہاتھوں کو سامنے پھیلائے اس سفیدی کو ہتھیلی پر محسوس کرتے سب ہی چہروں پر ایک ہی رنگ تھا۔ بے تحاشا خوشی، بے اختیار ہنسی اور اچانک در آئی آنکھوں کی چمک۔ ہنستا مسکراتا ہر شخص اپنی اگلی معروفیت بھول بھال اسی ایک سفید خوب صورتی کے زیر اثر آگیا تھا۔ گہری کالی سی صبح دیکھتے ہی دیکھتے روشنی میں نہا گئی۔ بادلوں نے سفیدی کو بوجھ جیسا کیا اُتارا، ماحول کا بھاری پن بھی جیسے سمٹ کر خلاؤں میں نکل گیا۔

سوار کا چہرا اس آنکھوں دیکھی تبدیلی کے بعد بھی ہر قسم کے جذبات سے عاری ہی رہا۔ وہ ایکسائٹڈ ہو کر باہر نکلنے کے بجائے وہیں رک کر پل پل بدلتے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ مری کچھ عرصے کے لیے کیا سے کیا ہونے جا رہا تھا۔ وہ بس اپنی کیفیت میں پیدا ہونے والی سلگتی آگ سے نبرد آزما تھا جو باہر کی سفیدی اور ٹھنڈ سے یکسر الگ تھی۔ اس برف کے موسم کے لیے اس نے کیا کیا نہ سوچ رکھا تھا۔ وہ جذباتیت، وہ سارا جوش، وہ خوشی کسی بچے کے ٹوٹے کھلونے جیسی سامنے بکھری پڑی تھی۔ وہ کھلونا جواب بھی جڑ نہیں سکتا تھا۔

اچھے دنوں میں... وہ اچھے دن جو ایک ہفتہ پہلے تک سوار کی کمی میں تھے، ان میں وہ کچھ بیسیوں مرتبہ اس برف باری کے بھرپور استقبال کا تذکرہ کنعان سے کر چکا تھا۔ سختی سے لب چباتے اس نے اپنی نم آنکھوں کا پانی اندر ہی روک لیا۔

"کیسی ہوگی وہ اولین برف باری کنعان جو تمہارے ریشمی بالوں سے پھسلتی، میری جیکٹ سے اٹکتی ہوئی زمین پر گرے گی۔ ہم دونوں اپنے ایک ایک ہاتھ کو آپس میں جوڑ کر ایک پیالہ بنائیں گے۔ اس میں جتنی برف جمع ہوگی، اس کے گولے سے ایک دل بنائیں گے، پھر میں اس دل کو احتیاط سے اپنے کمرے میں لے جاؤں گا۔ اس پر سرخ روشنائی ڈال کر اسے بالکل دل جیسا بنا دوں گا۔"

"اُف بس بھی کریں سوار۔" کنعان نے ہنسنا شروع کیا تو ہنستی ہی چلی گئی۔ آپ سے بڑا اسنو فال کا دیوانہ یقیناً کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔

"کیا آپ نے واقعی پہلے کبھی اسنوفال کا نظارا نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔" سوار کا سر دائیں بائیں نفی میں ہلا۔ "کبھی نہیں۔"

"دیا کہتی ہے برف باری میں پٹریاٹہ چلیں گے۔ وہ چاہ رہی تھی اکیڈمی کے گروپ کو جمع کریں گے......اور......"

"گروپ نہیں۔' سوار نے اس کا آئیڈیا رد کیا تو کنعان بھی زیرِ لب مسکرا دی۔ جان گئی وہ کیا سوچ رہا ہے۔

"پتا ہے کنعان میں کیا سوچتا ہوں۔ سوار نے گلا کھنکارا، دونوں فرصت سے بیٹھے موبائل پر ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔

"ہوں، کیا؟"

"میری خواہش ہے کہ برف باری میں جب ہم پہلی بار ملیں تو تم نے سرسوں جیسے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے ہوں، سفید نورانی ماحول میں سوچو پیلا

رنگ کیسی بہار کی تازگی دیتا ہے۔ تمہارے ہاتھوں میں سرخ گلاب ہوں، تمہارے چھوٹے بالوں کی کانوں کے نیچے سے آتی دو چٹیاں، اور ماتھے پر آئی چندا لٹیں۔"

"اچھا۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ "اتنی ڈیپ امیجی نیشن، اور اپنے آپ کو کس حلیے میں دیکھتے ہیں جناب۔"

"یہ تو سوچا نہیں۔ چلو تم ہی بتا دو۔"

"آں۔" وہ ہونٹ پہ انگلی رکھ کر سوچنے لگی۔ "اس روز آپ نے بلیک لیدر جیکٹ پہنی تھی، جب مجھے گفٹ دیا تھا۔"

"ہاں، ابھی بھی وہی پہنے ہوئے ہوں، آخر پیسہ خرچ کیا ہے، اتنی آسانی سے تو نہیں اتاروں گا۔" وہ اپنی لے میں بولے گیا۔ کنعان نے ماتھا پیٹا۔

"توبہ ہے، سارے تصور کا ستیاناس کر دیا۔"

"ہاہاہا۔ اچھا، آگے بولو۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسے گیا۔

"ہاں تو، اگر جیکٹ کے ساتھ گرے ہائی نیک، گرے مفلر اور کالا چشمہ ہوں تو کیا کہنے۔"

"ہوں گڈ۔ تو کب گفٹ کر رہی ہو یہ سب کچھ؟"

"ہیں......ارے......یعنی......" وہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔ "میں...... کیوں...... میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔"

"ایک دم ڈفر ہو کنعان۔" وہ اس کا مذاق اڑاتے ہنسے گیا۔ کنعان نے تعجب سے ابرو سکیڑے، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"ارے......یعنی...... کیوں" کے بجائے اتنا کہنا تھا کہ جب آپ مجھے یلو ڈریس گفٹ کریں گے تب میں بھی دے دوں گی، ہاں لیکن خرچے کی بات نے کنعان بی بی کی بتی گل کر دی۔" وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ لہجے سے ظاہر تھا کہ اس روز وہ کتنا خوش تھا۔

کنعان شرمندہ ہو کر ہنس دی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے، مجھ پر تو آپ کی برتھ ڈے کا گفٹ بھی ڈیو ہے۔"

"پہلی برف باری پر پیاری سی ایک ملاقات۔ بس یہی ہے میرے لیے سالگرہ کا تحفہ۔"

"ہاہ۔" درد بھرے دل سے اٹھتی آہ نے شیشے کو دھندلا کر دیا۔ شہادت کی انگلی سے اس نے شیشے کی دھندلاہٹ پر پہلی مرتبہ "کے اور ایس" لکھا۔ یہ بچکانہ سی حرکت لاشعوری طور پر ہر محبت کرنے والے سے سرزد ہوتی ہے۔ اور اس سے حاصل ہونے والی تسکین بھی کچھ نامعلوم سی ہوتی ہے۔

سوار کچھ دیر یونہی بلاوجہ دیکھتا رہا اور پھر لکھا ہی رہنے دیا۔ شیشے کے باہر برف کی ہلکی تہہ نے سڑک کو پورا ڈھک دیا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ ہوٹل کے ہال میں آیا۔ دن کے گیارہ بجے تھے۔ ہال میں اکا دکا سیاح ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔ ثمامہ ابھی نہیں آئی تھی۔ ریسپشن پر آصف اور نوریز کھڑے تھے۔ وہ کچھ سوچ کر شیشے کا دروازہ کھولتے باہر نکل آیا۔ برف پہ چل کر دل کو تھوڑا اور درد پہنچانے کا ارادہ تھا۔ دور تک دکھائی دیتا راستہ اب تقریباً خالی پڑا تھا۔ برف باری بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ پر اس کی کالی جیکٹ پر سفید پھوار جیسی فوراً دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ پیدل مال روڈ کی طرف چل پڑا۔ نظریں نیچے سڑک پر پیروں تلے آتی برف کی ہلکی تہہ پر تھیں۔ یہ پہلی باریک تہہ تو غالباً کچھ ہی دیر میں پگھلنے والی تھی جب تک کہ اگلی اس سے زیادہ تیز برف باری نہ ہو جاتی۔ فی الحال گھنٹہ بھر البتہ اس کے پگھلنے کا بھی کوئی چانس نہیں تھا۔ غالباً وہ بیس بائیس قدم چلا تھا جب نیچے دیکھتی نگاہیں کسی احساس سے اوپر اٹھی تھیں۔ سرسوں کی پیلی فراک اور ہم رنگ شال اوڑھے وہ کنعان تھی، ہلکا سا مسکراتے جس نے چھتری فولڈ کر کے بازو پر لٹکالی۔ ہاتھ میں سرخ گلاب کی ایک کلی لیے وہ دو چٹیاں بھی باندھے ہوئے تھی۔ سامنے ماتھے پر چھوٹی لٹیں بھی بکھری تھیں۔

سوار نے حیرت سے پہلے اسے پھر آس پاس

کے منظر کو دیکھا، خود کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا۔ اور واقعی بیدار تھا، سامنے سے چل کر آتی کنعان بھی حقیقت تھی۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ کچھ چھ سات قدم جتنا رہ گیا تو دونوں ہی رک گئے۔ سوار نے اب تک اس کی مسکراہٹ کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔ خالی خالی سی سنجیدہ نظر میں پہلی برف باری کے حوالے سے کوئی تحریر چھپی نظر نہیں آئی۔ کنعان کو اپنا آپ، اپنی تیاری، اس کا منہ مانگا تحفہ، سب پھیکا لگنے لگا۔ ایسی حالت میں اول اول یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے کہ بندہ یہیں سے واپس لوٹ جائے، لیکن اس نے ضبط کا سانس کھینچ کر قدم مزید آگے بڑھائے اور اس کے مقابل آ گئی

"آئی ایم سوری۔" اس نے گلاب کی کلی سوار کی جانب بڑھائی جسے ہاتھ بڑھا کر بے ساختہ اس نے تھام لیا تھا، دیکھنے کا انداز البتہ ابھی بھی بے یقینی لیے ہوئے تھا۔ کنعان کا حوصلہ بڑھا کہ قریب آنے پر آنکھوں کی تحریر کچھ اور واضح ہوئی تھی۔ وہ بیزار نہیں منتظر تھا۔ کنعان کی اگلی بات کا، اس سرپرائز کی وجہ کا، جس کی یقیناً وہ توقع نہیں کر رہا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر اس سوری کا جو چند لمحے پہلے کنعان کے لبوں سے ادا ہوئی تھی۔ کنعان نے آس پاس دیکھا۔ یہ جگہ بات کرنے کے لیے مناسب نہیں تھی۔ وہ دل میں کچھ سوچ کر آئی تھی اس لیے بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی۔ اور پیٹر اان کے سامنے سے گزرتی کچھ دیر بعد اکیڈمی جانے والی ذیلی سڑک کو مڑ گئی۔ یہ راستہ آج بھی ہمیشہ جیسا ویران اور خاموش تھا۔ کنعان نے مڑ کر دیکھا، سوار پیچھے آتے خود بھی ذیلی راستہ مڑ آیا تھا اور اب اس سے محض چند قدم پیچھے رک گیا تھا۔

"کیسی لگی پہلی برف باری؟" وہ مسکرا کر اس کے قریب آئی۔

"ہوں۔" اس نے بھی مسکرا کر پلکیں موندیں۔ "اب اچھی لگ رہی ہے۔"

"اداس لگ رہے تھے۔ سامنے سے آتے۔" کنعان نے یاد دلایا۔

"ہاں...... اس وقت......"

"مجھ سے ایسے سرپرائز کی توقع نہیں تھی ناں؟" وہ مسکرائے جا رہی تھی۔

"بالکل نہیں۔" وہ بھی ہنس پڑا۔

"تو......" وہ منتظر تھی۔ "کچھ کہیں گے نہیں؟"

"اچھی لگ رہی ہو۔ بہت اچھی۔ بالکل اس جیسی......" اس نے ہاتھ میں پکڑی کلی سامنے کی۔

گلدستے کا ارادہ تھا لیکن یہ بھی بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے۔

"سوری۔ تمہیں مشکل میں ڈالا۔" وہ فارمل ہوا، جواباً کنعان نے ایک خاموش نظر ڈالی، اس کا بچوں جیسا جوش مفقود تھا۔ کیا وہ اس سوار کو واپس لانے میں ناکام رہی تھی، جس کی خاطر اتنی محنت کی۔

"اور تمہیں ٹھنڈ بھی لگ رہی ہو گی۔"

"نہیں، اندر سے مکمل پیک ہوں، صرف پہلے پہلے نظر آنے پر دھیان نہیں دیا، اب تو سردی کا بڑا سخت تجربہ جھیل چکی ہوں۔" وہ مسلسل مسکرا رہی تھی، اسے مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی لیکن وہ نجانے کیوں میکانکی سا انداز لیے ہوئے تھا۔

"آؤ۔" وہ ذیلی سڑک پر مزید آگے بڑھا۔ کنعان ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ یادوں سے بھرا یہ راستہ کیا کچھ نہ یاد دلا گیا۔

"میم کی برتھ ڈے والی شام۔" کنعان نے یاد دلاتے سوار کی جانب دیکھا۔ "آپ نے واپسی پر وہ جملہ کیوں بولا تھا سوار۔ بھائی کہنے والی بات، کیا میرے رویے سے کچھ شک ہوا تھا؟" کنعان نے آج دوسری مرتبہ پھر پوچھا، کیونکہ پچھلی مرتبہ بات مذاق کی نذر ہو گئی تھی۔

"نہیں...... تم پر شک والی کوئی بات نہیں تھی، تمہارے حوالے سے تو ہمیشہ صرف یہی لگا تھا کہ یا تو تم مجھ سے ڈرتی ہو یا چڑتی ہو، اس پہلی لڑائی کی وجہ سے۔"

"اچھا؟" کنعان کی حیرت دوچند ہوئی۔

"پھر؟"
"میں کمزور پڑ رہا تھا اُس بارش والی شام۔" خود کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے فورس فلی اندر سے نکالا تھا وہ جملہ۔
"کمال ہے۔" وہ امپریس ہوئی۔
"چوری نکلنا پڑا ہوگا؟" سوار کا دھیان کسی اور جانب تھا۔ کنعان نے سر ہاں میں ہلایا۔
"تم نے کیا کہا تھا اس روز۔؟"
"سب کچھ۔" کنعان نے جواب میں تاخیر نہیں کی، سوار نے حیرت سے دیکھا۔
"پھر بھی تم یہاں آگئیں؟"
"ہوں۔" وہ نیچے دیکھتے مسکرا رہی تھی۔ "ہاں پھر بھی میں یہاں آگئی۔"
"کیوں؟" انداز میں استفسار تھا۔
"آپ کے متعلق جاننے کے لیے مجھے دوسروں کو سننے کی ضرورت نہیں۔" وہ پر اعتماد تھی۔ سوار نے ایک گہری سانس لی۔
"تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں کنعان۔"
"تو پھر میں آپ کے بارے میں آپ کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔
"مشکل میں پڑ جاؤ گی۔" سوار نے نظریں چرا کر اونچے درختوں کو دیکھا۔
"مجھے تو نہیں لگتا۔" وہ مصر تھی۔
"پر یقین کیوں ہو؟"
"کیونکہ مجھے آپ کو بہت قریب سے جاننے کا دعوا ہے۔" وہ اب اسی کو ہی دیکھ رہی تھی۔ سوار نے سر تائید میں ہلایا۔
"وہ بھی ٹھیک ہے۔"
"اور وہ...... جو ابو سے سنا؟"
"وہ بھی غلط نہیں۔" سوار کا لہجہ سنجیدہ تھا۔
"تب تو وہ کوئی اور سوار ہوگا۔" وہ سر نفی میں ہلا رہی تھی لیکن لہجے میں یاسیت اتر آئی تھی۔
"تمہیں اپنے ابو کے خلاف نہیں جانا چاہیے۔"
"آپ قاتل نہیں ہو سکتے۔" وہ اب تکلیف میں نظر آنے لگی تھی۔
"تمہارے لیے دوسرا سچ زیادہ تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔" اس نے بھی جیسے پتھر پھوڑنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔
"یعنی......؟" اس بار وہ قدرے گڑبڑا گئی۔
"میں خود کو تبدیل کر رہا ہوں۔"
"لیکن وہ مرڈر......؟"
"نہیں۔" سوار نے قطعی انداز میں سر ہلایا۔
"تم سے ہمیشہ سچ بولوں گا کنعان۔ میرے ہاتھوں کسی کا خون کبھی نہیں ہوا، ہاں گناہ آلودہ ضرور رہا ہے یہ وجود۔" وہ اس کی جانب دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ کنعان کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ وہ کریکٹر کے بارے میں تو پر یقین تھی، زیادہ شبہ قتل کا تھا کہ شاید انجانے میں یہ قتل سرزد ہو گیا ہو۔ لیکن سوار اپنے منہ سے اقرار کر رہا تھا، ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ ایک جذباتی تعلق سے وابستہ ہونے کا۔ یہ بات اسے سوار پر ایک رکیک الزام کے سوا کچھ نہ لگی تھی۔ لیکن وہ تو...... کنعان نے بھیگی شکوہ بھری نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، اور وہ کیا نہیں پہچانتا تھا اس کی آنکھوں کے مفہوم، سوار نے جواباً اسے شازمہ اور اپنے بیچ پیش آنے والا سارا معاملہ مختصر الفاظ میں کہہ سنایا۔
"میں اپنی اس ایک غلطی پر از حد نادم ہوں۔ حتیٰ کہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسا قصور مجھ سے سرزد کیوں ہوا۔ لیکن ہاں میں نے سچے دل سے ان غلطیوں کو نہ دہرانے کا عزم کیا ہے، کیونکہ اس گزر چکے وقت کا میرے ضمیر پر صرف پہاڑ جیسا بوجھ ہے۔ اس کے حوالے سے کسک، خوب صورتی یا کشش جیسی کوئی بات کبھی تھی ہی نہیں۔ وہ میری زندگی کے تاریک ترین دو ہفتے تھے۔ میں انہیں تصور میں بھی دہرانا نہیں چاہتا۔"
"اور مجھ سے محبت سوار۔" وہ نجانے کیوں ایک دم ہی رو دی تھی۔ شاید تصور میں وہ دن پھر گئے

تھے جب وہ ایک معصوم صورت لڑکے کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔ وہ لڑکا جو اپنے ایک گناہ کا ابھی ابھی اقرار کر چکا تھا۔ وہ لڑکا جو اس سے محبت کا دعوے دار تھا۔

''بالکل سچ۔ قدرت کے اس اُجلے منظر جیسی شفاف، پاکیزہ، بے ریا اور بے پناہ۔'' وہ فوراً بولا تھا اور بالکل بے ساختہ۔ کنعان کے تازہ چوٹ کھائے دل پر قدرے مرہم سا ثابت ہوا تھا وہ ایک جملہ۔

''کیا تم مجھے معاف کر پاؤ گی کنعان۔ مجھے اس بھری دنیا میں سوائے تمہاری نظر میں ابھرنے کے کسی سے کچھ سروکار نہیں۔ کیا تم میری غلطی پر اپنا دل کشادہ کر سکتی ہو؟'' وہ کسی آس پر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اور وہ روتی آنکھوں سرخ پڑتی ناک لیے بے چینی سے لب چباتے اقرار میں سر ہلانے کی سعی کر رہی تھی۔ منہ سے الفاظ ادا کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پیلی شال کے پلو سے چہرا اور آنکھیں صاف کرتے اس نے رخ پھیر لیا۔ آنسوؤں پہ اختیار مشکل تھا۔ وہ اب یہاں سے جانا چاہتی تھی اور سوار اس کے متواتر رونے سے خود بھی مشکل میں پڑ گیا۔

''اگر تم مجھے معاف کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو کنعان تو میں دوبارہ رفیق سر کے پاس جانے کو تیار ہوں، شاید اس بار وہ ٹھنڈے دل سے میری بات سننے کو تیار ہو جائیں۔ وہ اب کنعان کے ساتھ ساتھ شاید اپنا بھی حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ کنعان نے بدقت آنسو روکتے رخ پھیرا۔ اتنی سی دیر میں نجانے وہ کتنا رو چکی تھی۔ سرخ آنکھیں اس کے شدت غم کی گواہ تھیں۔ سوار کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''میری زندگی کا سب سے خوب صورت سچ یہ ہے کنعان کہ تمہارے سوا میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی، اور یہ دعویٰ میں ''اب''...... اصل لفظ محبت کو جان لینے کے بعد کر رہا ہوں۔ میرے لیے تم مجھ سے بھی بڑھ کر اہم ہو، کاش میں تمہیں یقین دلا سکتا۔ اگر تم اس برے شخص کا ساتھ قبول کرنے کی حامی بھر لو تو تمہیں زندگی سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ اس کی مسلسل خاموشی سے خائف نہیں تو مایوس ضرور تھا۔

''مجھے یقین ہے سوار۔'' وہ آہستگی سے بس یہی کہہ پائی۔

''تو کیا میں سمجھوں۔'' سوار کو مراد بر آنے کا اشارہ بہار کے جھونکے سا محسوس ہوا۔

''میں بتاؤں گی آپ کو۔'' وہ فی الحال سب ہی کچھ طے کر لینے کی پوزیشن میں نہیں تھی، سوار نے اس کے ابو کے پاس دوبارہ آنے کی بات کی تھی اور ابھی یہ کنعان کو اتنا آسان نہیں لگ رہا تھا۔

''میں انتظار کروں گا کنعان۔ اگلی برف باری کا...... تمہارے جواب کا...... برف سے ایک سرخ دل بنانے کا...... تمہاری آمد کا......'' وہ رسان سے بولتا جا رہا تھا۔

اور وہ تواتر سے بہتے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑتی اب پیٹھ موڑے وہاں سے دور جا رہی تھی۔ سوار کی آواز نے مین روڈ آنے تک اس کا پیچھا کیا۔ روڈ آنے پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سوار ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اسے محبت بھری مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔ برف سے سرخ دل بنانے کی بات نے اسے بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ روتے روتے ہنس کر آگے بڑھ جانے والی کی وہ آخری دید سوار کی آنکھوں میں اس کے دل پر نقش ہوگئی تھی۔ تو کنعان کے لیے بھی اس کی یہ خواہش کچھ معنی رکھتی تھی، اس کی ہنسی تو کم از کم یہی ظاہر کر رہی تھی۔ سوار نے ہاتھ میں پکڑی کلی کو کچھ دیر محبت سے دیکھا پھر جیکٹ کی اندرونی جیب میں احتیاط سے اٹکا دیا۔

☆☆☆

پہلی برف باری کی ایکسائٹمنٹ میں ثمامہ کو اس کی تین کلب ممبرز نے کینٹے ٹیریا بلوا بھیجا، وہ تینوں مال روڈ پر برف باری کی رونقیں دیکھنے آئی تھیں۔ ثمامہ ان کے بلانے پر کچھ ہی دیر میں خود بھی ان کے پاس

پہنچ گئی
"مسز علوی ہوتیں تو ویسے مزا آجاتا۔ جانے کب آئیں گی دبئی سے۔" نادیہ نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا۔
"ان کے ہاں لاسٹ ایئر بہت زبردست باربی کیو پارٹی تھی ثمامہ۔" رومانہ اسے بتانے لگی۔
"تو یار! ہم ہی کچھ ارینج کر لیتے ہیں...... اس...... کلب کے علاوہ کہیں۔"
"ہاں آئی تھنک، ہم چاروں ہی کافی ہیں۔ کلب میں بہت ٹائم دینا پڑتا ہے۔" ثمامہ بھی راضی دکھائی دی۔
"تو چلو پھر میرا گھر ٹھیک ہے۔ میری ساس بھی ان دنوں کراچی گئی ہوئی ہیں۔ ٹھنڈ سے ان کی نہیں بنتی۔" اقصیٰ نے شرارت سے مطلع کیا اور وہ سب بھی ہنس دیں۔
"ٹائم اور دن ڈیسائڈ کرلو۔ سب کی حاضری ضروری ہے۔ اور اس کے بعد تم سب میرے ہاں آؤ گی۔" ثمامہ نے بھی شوخی سے سب کو دعوت دی۔
ان سب میں اب دن اور ٹائم کی بحث چھڑ گئی تھی۔ ثمامہ نے خالی کپ میز پہ رکھ کر ہاتھ اپنے ہینڈ بیگ کی طرف بڑھایا کہ نظریں بے دھیانی میں دروازے کی طرف اٹھیں۔
"مائی گاڈ۔" آنکھیں تحیر سے پھیلیں اور یک لخت ہوش میں آتے اس نے ہینڈ بیگ کھینچ کر گود میں رکھا اور اپنا سر اس پر جھکاتے کھلے بال بھی کان کے پیچھے سے نکال کر چہرے پر گرا لیے۔
چند مردوں کی معیت میں بلاشبہ وہ بلال تھا جو مسکراتا ہوا کیفے کے اندر داخل ہوا تھا۔ ثمامہ نے ادھر دیکھنے کی غلطی نہ کرتے کچھ دیر خود کو یونہی ہینڈ بیگ میں بزی رکھا۔ اور ذرا دیر کے وقفے سے یونہی جھکے جھکے صرف آنکھیں اوپر اٹھا کر دیکھا، بلال ایک کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھ رہا تھا اور صد شکر۔ ثمامہ نے ایک سکون کا سانس لیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی بلال کی اس کی جانب پشت ہوگئی تھی۔ اس نے سر اوپر کرتے سانس بحال کیا۔ خطرہ اگرچہ ٹلا نہیں تھا۔ لیکن بہرحال کوئی نہ کوئی تدبیر کی جاسکتی تھی۔ اس نے پہلے تو کندھے پر پڑی اپنی شال کھسکا کر باقیوں کو دیکھتے اپنے سر پر لے لی۔ بالوں کو یونہی آدھے چہرے پر رہنے دیا۔ چہرے پر اڑتی ہوائیوں کو وہ بلاوجہ کی ہنسی میں چھپاتی اب جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ بلال کی ان کی جانب پیٹھ ضرور تھی لیکن وہ پیچھے مڑ کر تو دیکھ سکتا تھا۔
"یار! باہر نکل کر برف باری کا مزا بھی لینا چاہیے۔" اس نے تائید کے انداز میں ان سب کو دیکھا۔
"ہاں یار! کافی تو ہوگئی۔" نادیہ نے بھی اپنا پرس اٹھایا۔ ثمامہ نے دل ہی دل میں سکون تو محسوس کیا پر عجلت نہیں دکھائی، اسے باقیوں سے پیچھے ہو کر نکلنا تھا۔ ان تینوں کی آڑ لے کر چھپتے چھپاتے، اور جب سب کھڑی ہوگئیں تو وہ ان کے پیچھے ہو کر بلال والی سائیڈ سے شال کا گھونگٹ بنا کر تیزی سے باہر نکل آئی۔
مال روڈ پر نہایت بے دلی سے کچھ دیر ہی ان کا ساتھ دیا اور پھر سر درد کا بہانہ کر کے ان سب سے الگ ہو کر اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ یہاں سے نکل کر اسے تو بس جلد از جلد گھر پہنچنا تھا۔ سوار کو راستے میں ہی کال کر کے بلال کی جانب سے ہوشیار کیا۔
"اوہ...... پھر تو آپ ہوٹل مت آئیے۔" سوار بھی سن کر ایک دم پریشان ہوگیا۔
"جی، میں گھر کی طرف جا رہی ہوں۔ آپ بس کوشش کیجیے کہ آج ریسپشن پر موجود رہیں۔ اگر وہ ہوٹل آئے تو میں چاہتی ہوں آپ ہی ہینڈل کریں۔"
"جی، آپ پریشان نہ ہوں، میں یہیں ہوں۔" سوار نے تسلی دی۔
ثمامہ نے کال آف کر کے اسپیڈ تیز کردی۔ دل ایک دم ہی ہر چیز سے اُچاٹ اور بیزار ہوگیا۔ اول روز سے وہ اس شخص سے چڑتی تھی علیم سے اپنی

شادی کے اس کے علم میں آنے سے لے کر بیوگی اور جائیداد کی فروخت کے دوران وہ اسے بہت قریب سے جان پائی تھی۔ ثمامہ کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی تضحیک آمیز رہا تھا۔ وہ اسے ماں سے زیادہ ایک مانگنے والی کی نظر سے دیکھا کرتا تھا جو اس کے باپ کو لوٹ کر اب اس کے مرنے کے بعد ان کی دولت سمیٹ کر نکلنے والی تھی۔ اپنی جانب اٹھتی ایسی نفرت اور حقیر کی نظر اسے بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔ اور یہاں جبکہ وہ ایک معزز، مالدار، باوقار میڈم بن چکی تھی۔ اسے کسی صورت بلال کی ایسی نظروں کا سامنا نہیں کرنا تھا۔

☆☆☆

کنعان پیچھے کے راستے سے لمبا چکر کاٹ کر گھر کی طرف واپس آرہی تھی۔ جی پی او کے راستے کا اس نے اس لیے انتخاب نہیں کیا کیونکہ اس طرح اسے ازمیر ہوٹل کے آگے سے گزرنا پڑتا اور وہ گھر پہ دیا کے ہاں جانے کا کہہ کر نکلی تھی، اس لیے پیچھے کے طویل راستے سے آخری موڑ کاٹ کر اب اسے اپنی گلی میں مڑنا تھا۔

رفیق احمد کسی آدمی سے بات کرتے اسی وقت ہوٹل کے دروازے کے باہر آئے تھے۔ نظر بلا ارادہ ہی بائیں جانب گئی تو کنعان کو ایسے راستے سے آتا دیکھ کر پہلے حیران ہوئے پھر آنکھوں سے غصہ اور ملامت ظاہر ہوئی۔ کنعان کا دل بھی بڑے زوروں سے دھڑکا۔ تھی تو رسک لے کر ہی تھی۔ لیکن ایسا کچھ ہو جائے گا، یہ واقعی اب تک نہیں سوچا تھا۔ وہ نظریں چرا کر گلی میں اتر گئی۔

سر جھکائے، لب کاٹتے، نظریں نیچے فرش پر گاڑے وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھی تھی اور ابو اس کے سامنے کھڑے استفسار کر رہے تھے۔

''اماں بتا رہی ہیں تم دیا کے گھر گئی تھیں۔ لیکن حد تو یہ ہے کہ تم نہ صرف ایک دوسرے راستے سے آرہی تھیں بلکہ دیا بھی ساتھ نہیں تھی۔ بولو کنعان۔ کہاں گئی تھیں تم......؟''

''کیا تم سوار سے ملنے گئی تھیں؟'' ایک خدشہ جو کچھ دیر سے رفیق احمد کو بری طرح ستا رہا تھا اب شبہ بن کر زبان پہ آ گیا۔ کنعان کی پچھلے دنوں کی اداسی، اس کی خاموشی صاف اس کے دل کا حال عیاں کر رہی تھی۔ اور انہوں نے ہر بار اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی تھی کہ کاش یہ ان کا وہم ہی ہو۔ اب تک جو ہوا وہ اسے بھول کر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ اس لیے دل سے چاہتے تھے کہ کنعان کی یہاں دلی وابستگی کہیں ثابت نہ ہو۔ لیکن آج...... آج کنعان کا ایک مشکوک عمل کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا، اور اس آخری سوال پر اس کا جھکا سر کچھ اور جھک گیا تھا۔

رفیق احمد نے جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر کنعان کے نزدیک پلنگ پر پھینکا

''یہ لو لاکر کی چابیاں۔ جتنا پیسہ، جتنا زیور چاہیے، اٹھاؤ اور بھاگ جاؤ تم بھی ماہین کی طرح...... چلی جاؤ کنعان کہ کھوٹ میری تربیت کا تھا۔ تم دونوں بے قصور ہو، میں ہی سنبھال نہیں پایا جوان بیٹیوں کی ذمہ داری۔ جاؤ کنعان، تم سے کوئی شکوہ نہیں۔'' انہوں نے رخ پھیر کر ہاتھ بلند کیا۔

''نن...... نہیں ابو......''

''ماہین کو اعجاز سے بیاہ تو دیا لیکن سالوں سے جو ایک خاموش شکایت میں ماہین کی آنکھوں میں دیکھ رہا ہوں، تمہاری آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم لوگ اپنے فیصلے شاید مجھ سے بہتر کر سکتے ہو، جاؤ کنعان......'' آخر میں ان کی آواز بھاری سی ہو گئی۔ بے اختیار آنکھوں میں اتر آتے پانی کی وجہ سے گلا رندھ گیا تھا۔ کنعان ڈرتے ڈرتے اٹھ کر ان کے نزدیک آئی

''مجھے معاف کر دیں ابو۔''

''نہیں......'' وہ منہ موڑے سر نفی میں ہلا رہے تھے۔ ''معافی تو مجھے مانگنی چاہیے، اپنی ان امیدوں پر جو میں نے اپنی اولاد سے لگائی تھیں۔'' وہ اب تھکے تھکے پلنگ کے کنارے بیٹھ گئے تھے۔ کنعان روتی آنکھوں کے ساتھ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

دل اب بچے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ آج اگر انہیں کچھ ہو جائے تو ذمہ دار وہ خود ہوگی۔ ڈاکٹر نے ابھی پچھلے دنوں ہی تو انہیں کسی قسم کا ذہنی پریشر لینے سے منع کیا تھا...... اور...... وہ...... وہ یہ کیسے موقع پر رسک لے بیٹھی تھی۔ سارے ڈر خوف آندھیوں کی صورت مجتمع ہو کر ایک ہی فلم چلانے لگے۔ وہ چیختا چنگھاڑتا دن فلم جیسا ذہن کے پردے پر چلنے لگا۔

بس میں بیٹھی ماہین، ہوائیاں اڑاتا امی کا زرد چہرا، بس اسٹینڈ پر ہونقوں کی طرح دوڑتی وہ خود، امی کی بیماری، ان سے کیے عہد، اور...... اور پھر گھر سے اٹھتا ان کا جنازہ۔ اور آج...... آج اس کی کسی غلطی کے نتیجے میں ایک بار پھر......

اس نے تڑپ کر کانپتے ہاتھ باپ کے پیروں پر رکھ دیے۔ آج اگر اس کی غلطی کی وجہ سے ابو کو خدانا خواستہ کچھ ہو جائے تو وہ اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لے گی۔ باپ کی موت کی وجہ بننا ایسا بھاری بوجھ تھا کہ ساری عمر وہ اسے اٹھا ہی نہیں سکتی تھی۔

''میں قسم کھاتی ہوں ابو، کبھی کچھ غلط نہیں کروں گی، جیسا آپ سوچ رہے ہیں، ویسا بھی کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے کچھ سوالوں کے جواب چاہیے تھے، جنہیں جاننے کی خاطر میں نے بلا سوچے یہ قدم اٹھا لیا، لیکن یہ پہلی اور آخری مرتبہ ہوا ہے ابو۔'' اس نے اپنی روئی آنکھیں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''جیسے چاہیں یقین دہانی کروالیں، آئندہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوگا۔'' روتے روتے اس نے سر ابو کے گھٹنے پر رکھ دیا۔

جانے کتنی دیر وہ بلک بلک کر روتی رہی، جب بالآخر ابو کے نرم ہاتھ کا لمس اپنے بالوں پر محسوس کرتے اس نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا، جواباً انہوں نے سر اثبات میں ہلاتے گویا اس پر یقین کر لینے کا اشارہ دیا۔ کنعان کو اور کیا چاہیے تھا۔ دل میں اللہ پاک کا شکر ادا کیا کہ ان کی حالت بھی اب معمول پر آنے لگی ہوگی۔ اس نے بھی پوری ایمان داری سے ان کو یقین دہانی کرائی تھی۔ ان لمحوں میں واقعی کنعان کو یہی لگا تھا کہ وہ ابو کو کھودے گی۔

''تم نے پندرہ سولہ برس کی عمر میں جو حادثہ اپنے اتنے قریب سے دیکھا، اس کے اثرات سے تم نے کیا سبق لیا؟'' وہ نرم لہجے میں پوچھ رہے تھے، کنعان ایک بار پھر رو پڑی۔

''ابو میں گھر سے بھاگنے کی بات کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔'' اب وہ کیسے سمجھاتی انہیں کہ ماہین کے حادثے کو سالوں سے اس نے پلو سے باندھ رکھا تھا۔ دوبارہ کبھی نہ دہرانے کے لیے۔

''ماہین کو اپنی ازدواجی زندگی سے گئی گلے ہوں گے، میں مانتا ہوں۔'' انہوں نے اسی نرم لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ جس راہ کا انتخاب وہ خود کر رہی تھی اس پر چلتے اسے کتنی صبر آزما منزلوں سے گزرنا پڑتا، آج وہ اپنے گھر اور شوہر کے معاملات پر جلتے کڑھتے ضرور مجھے غلط کہتی ہوگی، لیکن وہ نہیں جانتی کہ اگر وہ اپنی من مانی کر کے اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہوتی تو ہر لمحے خود اپنے آپ کو غلط کہنا کتنا اذیت ناک ہوتا۔ پھر ضمیر بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ سوچ بھی بیدار ہو جاتی ہے اور غلطی کرنے والے کو احساس ہونا شروع ہوتا ہے کہ کتنے اپنوں کا دل دکھا کر اس نے اس راہ کا انتخاب کیا تھا، اور یہ سوچ ایک دن اسے ذہنی اور نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے۔ اس لیے ماں باپ کے غلط فیصلوں پر زندگی گزارنے والا نصیب کا رونا تو رو لیتا ہے، اپنے آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اپنے ذاتی فیصلوں کے نتیجے میں جب مشکلات گھیرتی ہیں تو ندامت کا بوجھ پل پل آپ کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ اور...... ہاں...... وہ خوش نصیب اولاد بھی ہوتی ہے جنہیں من چاہی خوشیاں والدین کے فیصلے پر سر جھکانے سے بھی مل جاتی ہیں، لیکن افسوس میری بچیوں کا نصیب شاید اتنا اچھا نہیں نکلا۔''

''مجھے کوئی گلہ نہیں ہے ابو، نہ کبھی ہوگا۔ آپ میرے لیے اچھا ہی سوچیں گے۔'' اس نے ابو کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بدقت چند جملوں کا انتخاب کیا۔ انہوں نے بھی ہاتھ تھپک کر اسے تسلی دی۔

"جاؤ۔ایک گلاس نیم گرم پانی لے آؤ۔"

"جی ابو۔" وہ اپنا چہرا صاف کرتے فوراً وہاں سے اٹھ گئی۔

سوار سے مل لینے کے بعد حالانکہ واپسی کے راستے میں وہ یہ سوچتی ہوئی آرہی تھی کہ ابو کو جمشید کے متعلق ساری حقیقت تفصیل سے بتا دے گی تاکہ وہ اس کے اغوا کا سوار کو ذمے دار ٹھہرانا چھوڑ دیں۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں رہا تھا۔اب وہ سوار کے معاملے میں کسی قیمت پر اپنی کوئی دلچسپی ان پر ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

ثمامہ دوسرے دن بھی ہوٹل نہیں گئی۔سوار نے اگرچہ تسلی دی تھی کہ ایسا کوئی شخص ہوٹل نہیں آیا۔۔ دل کو ایک گونہ سکون تو حاصل ہوا تھا کہ بلال اگر اس کے متعلق کچھ جان کر مری آیا ہوتا تو ہوٹل ضرور پہنچتا۔ ۔پھر ایک خیال آنے پر ندیم کو کال کی۔وہی اسے صحیح بات بتا سکتا تھا۔ اور اس سے بات کر کے اب وہ مکمل پرسکون ہو چکی تھی۔ندیم کو پہلے تو اس کے مری جانے کا علم نہیں تھا لیکن کچھ دیر کا وقت لے کر اس نے سب معلوم کر کے بتا دیا تھا۔ بلال کے کچھ دوست امریکہ سے آئے ہوئے تھے۔اور وہ انہی کو گھمانے پھرانے بس ایک روز کے لیے ہی مری گیا تھا۔اور اب وہ واپس اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔

ثمامہ دو روز بعد بڑے جوش اور تسلی سے تیار ہو کر ہوٹل جانے کے لیے نکلی۔دودنوں سے اس دشمن جاں کو بھی نہیں دیکھا تھا۔اتنی مشکل سے راہ کے چند کانٹے ہٹائے تھے۔اب تو اس نئی نئی دوستی سے لطف لینے کا وقت آیا تھا۔وہ وقت جس کے ایک ایک لمحے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے سوار پر اپنی مہربانیوں کی بارش کرنی تھی۔اسے دوستی کی آڑ میں اپنے اتنے قریب کرنا تھا کہ دور جانے پر وہ اپنا اختیار بھی کھو دیتا۔ پھر اب تو اس کے ماضی کے متعلق جان کر وہ اس کی کچھ کمزوریوں سے بھی آگاہ ہو چکی تھی۔اور اب اسے ندیم کی اطلاع من وعن سوار تک نہیں پہنچانی تھی۔

"مسٹر بلال۔اگرچہ تم میرے سب سے بڑے دشمن ہو لیکن لگتا ہے اس بار انجانے میں کسی اچھے کام آنے والے ہو۔" ثمامہ کے دماغ سے حسب سابق اپنے فائدے کی ترا کیب نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ کچھ اثر بلال کے واپس چلے جانے سے دل میں اترتے اطمینان کا بھی تھا۔وہ بڑے خوشگوار موڈ میں ہوٹل پہنچی تھی۔

☆☆☆

"تم نے سوار بھائی کو بتایا پھر...... جو کچھ واپس آنے پر پیش آیا؟"

میں نے سوار کا نمبر اپنے موبائل سے ڈیلیٹ کر دیا ہے۔وہ اپنی کیونکس کھرچتے بظاہر مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لیکن یار، اسے بھی پتا ہونا چاہیے۔ وہ تو منتظر ہو گا تمہارے جواب کا۔"

"ابھی اگلی برف باری نہیں ہوئی۔" وہ سیریس تھی۔

"ہیں......" دیا نے اس کا جواب سن کر بے ساختہ کھڑکی کے پار دیکھا۔"کیسی برف باری؟"

"سوار نے کہا تھا دوسری برف باری پر وہ میرا انتظار کرے گا، وہ بھی اس صورت میں جب میں اسے معاف کر دوں گی۔"

"تو......؟" دیا کچھ نہیں سمجھی۔

"تو جب میں نہیں جاؤں گی تو اسے خود بخود جواب مل جائے گا۔بس پھر سب ختم۔"

"ہوں۔یعنی اگلی برف باری پر ملاقات طے پائی تھی۔بصورت اقرار......لیکن کھعان......" وہ کچھ سوچ کر چونکی۔"تمہارے وہاں سے واپس آنے پر اگر انکل سے اچانک سامنا نہ ہوتا اور وہ تم پر اتنے خفا نہ ہوتے تو......تب تمہارا جواب کیا ہوتا؟"

"تو میں ضرور جاتی۔" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔بغیر کوئی تاثر دیے جبکہ دیا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"یعنی تم نے اسے معاف کر دیا تھا۔"

"قتل کے معاملے میں ویسے بھی اس کا دامن صاف تھا۔ اور جو غلطی سوار سے سرزد ہوئی، اس میں زیادہ قصور دوسری جانب سے نکلتا ہے، سوار کو پھنسایا گیا تھا۔ وہ خود ویسے یہ کہہ رہا تھا کہ میرے لیے دوسری عورت کی انوالومنٹ والی بات زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو گی لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ جب سوار کے لیے ہی اس کا ماضی سوائے ایک بھیانک یاد کے کچھ نہیں تو میں بلاوجہ کیوں وہموں میں پڑوں۔ گزرے قریب سال بھر میں وہ اپنی ذاتی کوشش سے اس فیز سے نکل آیا ہے۔ وہ اپنے کیے پر نادم ہے تو میں دل کشادہ کیوں نہ کروں۔"

"تب تو تمہیں جانا بھی چاہیے کنعان اور انکل کو بھی کنوینس کرنا چاہیے۔"

"نہیں کر سکتی۔" کنعان نے ایک آہ بھری۔ "بڑی مشکل سے انہیں یقین دلا پائی ہوں کہ میں اس معاملے میں زیادہ سنجیدہ نہیں تھی۔ اب اگر سوار کے حق میں سمجھانے بیٹھ گئی تو انہیں لگے گا میں نے ان کے فیصلے کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ اور مجھے خود کو ثابت کرنا ہے ان پر۔ میں ان سے پرامس کر چکی ہوں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے سختی سے اپنے کہے پر ڈٹی تھی۔ دیا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تمہارے لیے محبت سے دستبردار ہونا اتنا آسان ہے؟"

"نہیں، بہت مشکل ہے، اتنا مشکل کہ شاید اسے جان نکلنے سے تعبیر کروں، لیکن مجھے اپنی محبت کی موت قبول ہے دیا۔ خدانا خواستہ ابو کی جان کی قیمت پر میں اپنی خوشیاں نہیں خرید سکتی۔ اگر میں نے سوار کو ابو کی باتیں بتادیں اور اپنے معاف کرنے کا اور ابو کی ناراضی کا۔ تو وہ لازمی ابو کو سمجھانے کی کوشش کرے گا، اور ابو کو شک ہو جائے گا کہ اس کے پیچھے شاید میرا ہاتھ ہے۔ فی الحال وہ سوار کا نام بھی سننا نہیں چاہتے، اور مجھ سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ میں اس سارے قصے کو اتنی آسانی سے بھول جاؤں جیسا کہ وہ چاہ رہے ہیں۔"

"تو کیا تم سوار کو...... اس کی محبت کو ہمیشہ کے لیے کھو دو گی۔"

"کھو نہیں رہی۔" کنعان نے سنجیدہ نگاہی سے دیکھتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "نصیب پر چھوڑ رہی ہوں۔ اگر اس پروردگار نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے بنایا ہے تو مجھے کوئی ذاتی کوشش شامل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے فی الحال سوار کو مایوس ہو جانے دو، اسی میں ابو کی صحت، زندگی اور میرے لیے بہتری ہے۔"

"یعنی اگلی برف باری اسے تمہاری طرف سے مایوس کر دے گی۔" دیا نے نتیجہ نکالا۔

"ہاں۔ کہتے ہیں نا ہر کام کسی نہ کسی بھلے کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے آخری جملوں کے تبادلے میں بالکل بے ارادہ ہی یہ سب طے پا گیا کہ میں اگلی مرتبہ اسے اپنا جواب بتاؤں گی۔ حالانکہ گھر آنے کے راستے میں، میں یہ سوچ کر پچھتاتی رہی تھی کہ اس وقت ہی کیوں اسے نہ بتادیا کہ میرا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے، اور میرے دل میں تمہاری محبت کا مقام ایک انچ بھی ڈانواں ڈول نہیں ہوا۔ لیکن اس وقت رونا اتنا آ رہا تھا کہ کچھ بھی بولا نہیں گیا۔ اب سوچوں تو لگتا ہے، سب میرے بھلے کے لیے ہوا ہے۔ فی الحال کچھ عرصہ سوار کا مایوس ہو جانا ہی بہتر ہے۔ ورنہ ابو کی سختی کو وہ مجھ پر جبر تصور کرتے کسی اور حل کی تلاش میں لگ جائے گا۔ جبکہ میں نہیں چاہتی آگے بہت عرصے تک ابو کے سامنے سوار کا کبھی نام بھی آئے۔ میرا دل کہتا ہے دیا، ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ابو خود اس کی اچھائی کے قائل ہو جائیں گے۔"

"ہوں، ان شاء اللہ۔" دیا نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو دبایا۔ "اللہ پاک تمہیں ثابت قدم رکھے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

☆☆☆

انیکسی میں ٹھنڈی بادلوں بھری شام کے سایے

اتر آئے تھے۔ ٹمپریچر اس روز خون جمانے کی حد تک ڈاؤن لگ رہا تھا۔ ہر کوئی ہیٹر لگا کر اندر دبکا تھا۔ دوسری برف باری غالباً ایک دو روز میں متوقع تھی۔ ثمر، عادل کے ساتھ اس کے کمرے میں تھا۔ امی کچن میں تھیں۔ وہ سوار کو ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ یہاں بھی سوار کو کال کرتے ہی اس نے ہیٹر آن کر لیا تھا۔

"سوری سوار۔ اتنی ٹھنڈ میں آپ کو تکلیف دی۔ لیکن کیا کروں، بھروسے کے معاملے میں واقعی بہت کنجوس ہوں۔" اس نے سوار کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے خود بھی سامنے کے صوفے پر نشست سنبھالی۔

"مہینوں گزر گئے مری آئے لیکن ابھی تک میں نے آپ کے سوائے کسی کو بھروسے کے قابل نہیں سمجھا، پھر آپ ذہین ہیں ماشاءاللہ۔ معاملے کے ہر پہلو پر ٹھنڈے دماغ سے سوچتے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "یہ کملعت تو مجھے مذاق لگتا ہے اپنے لیے۔ یا شاید میرے ہی کسی کام نہیں آئی میری ذہانت۔"

"جی، ایسا بھی ہوتا ہے۔" ثمامہ نے مسکرا کر تائید کی۔

"میں نے بھی بچپن سے اپنے لیے یہی تعریف سنی ہے، لیکن اپنے معاملات میں دماغ جیسے بند سا ہونے لگتا ہے۔ شاید یہ بدنصیبی ہے ذہین لوگوں کی۔"

"شاید غرور کی سزا۔" وہ بے ساختہ بولا تو ثمامہ نے چونک کر دیکھا پھر ہنس کر گردن ہلائی۔

"ہاں بالکل، ذہین لوگوں کو اپنی تعریف پہ کان نہیں دھرنے چاہئیں، تعریفیں سن سن کر شاید وہ بددماغ ہونے لگتے ہیں۔"

"بعض اوقات ہم دل سے اٹھتی آوازوں اور من مانیوں کو بھی اپنی سمجھ داری پہ محمول کر لیتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے جب دل اور دماغ کا باہم فرق ہی سمجھنا بھول جاتے ہیں، حالانکہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب دل کی بغاوت کو دماغ کے تابع لانا ہوتا ہے لیکن ہم اپنی ذہانت کے زعم میں اپنے جذباتی اقدام کو بھی ٹھیک سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جا، دل کے پیچھے رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہماری عقل ہمیں کچھ غلط نہیں کرنے دے گی۔" سوار ایک روانی میں بولتا چلا گیا۔ ثمامہ محبت سے بغور اس کا چہرہ دیکھتے مسکرا رہی تھی۔ وہ اس سے اتنا بے تکلف کہاں ہوتا تھا۔ اب دھیرے دھیرے ہو رہا تھا تو کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ شمسہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ آگیا۔ ان کے پیچھے آپا کھانے کے لوازمات لیے اندر داخل ہوئی۔ سوار سلام کرتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔" وہ اپنی بیٹی کی پسند کو سراہتے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر واپس چلی گئیں۔ ثمامہ نے اسے اپنے لیے چنا تھا تو وہ بھی اسے داماد جیسی عزت دے رہی تھیں۔ اگرچہ وہ بتا چکی تھی کہ سوار نے اس کا پروپوزل ٹھکرا دیا ہے لیکن شمسہ بیگم کو ثمامہ کی صلاحیتوں کا خوب اندازہ تھا۔ وہ جب کچھ ٹھان لیتی تھی تو کر کے ہی دم لیتی تھی۔ بلکہ ثبوت تو سامنے موجود تھا۔ پروپوزل ٹھکرانے والا اس وقت نہایت دوستانہ انداز میں ان کی بیٹی کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ مسکرا کر باہر نکل گئیں۔ کھانے پر ثمامہ نے کچھ زیادہ ہی اہتمام کر لیا تھا۔

"آپ جانتی ہیں میں رات کو بہت کم کچھ لیتا ہوں۔"

"کبھی کبھار روایت توڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔" وہ اسے لیے ڈائننگ ٹیبل کے پاس آگئی۔

"روایت شکنی نے مجھے بڑے برے دن دکھائے ہیں۔ میں تو روایت پرست ہی بھلا۔" اس نے ہلکے سے کان کی لو کو چھوا۔

"آپ اپنے معاملے میں کافی صاف گوئی سے پیش آتے ہیں سوار۔ اچھا تو ہے لیکن لوگ ایسی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔" وہ کم نگاہی سے

اسے دیکھتے کھانا شروع کر چکی تھی۔
سوار محض مسکرا کر کھانا کھانے لگا۔ اباجی کھانے کے دوران بولنے پر باقاعدہ سر پر تھپڑ لگایا کرتے تھے۔ بچپن کی پختہ عادت وہ آج تک چھوڑ نہیں پایا تھا۔ کاش کے بہکاوے کے جن کو بھی اباجی جھاڑ و مار مار کر اس کے اندر سے نکال دیتے تو اسے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔
کھانا کھا کر وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا وہاں سے اٹھ کر دوبارہ صوفوں کی طرف آیا۔
''میرا خیال ہے بہت ہو گئی اپنی عزت افزائی۔ اتنی بیدار چشمی کہیں بدہضمی نہ کر دے۔'' اس نے آپ اپنا مضحکہ اڑایا۔
''بڑے دنوں بعد آج خوش لگ رہے ہیں سوار۔'' ثمامہ نے اس کے بولنے کی رفتار کو بڑے دنوں بعد رواں پایا تھا۔
سوار نے بھی حیرت سے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔ جانے یہ اس کی ذہانت تھی یا سوار کو شدت سے محسوس کرنے کا کوئی جذبہ، وہ واقعی ہمیشہ اس کی کیفیت بعینہٖ سمجھ جایا کرتی تھی۔ کنعان سے پہلی برف باری کی ملاقات نے دل پہ جمی درد کی تہوں کو اتار پھینکا تھا۔ اور دوسری برفباری سے بھی اسے اچھی امیدیں تھیں۔ جس کا ان دنوں وہ شدت سے منتظر تھا۔
''آج بلال گھر آیا تھا۔''
''ہوں۔'' وہ کھڑکی کے شیشے پر پھیلتی دھند کی نمی سے نظر ہٹا کر بے دھیان سا مڑا۔ ثمامہ مسکرا دی تو وہ شرمندہ سا صوفے کے قریب آیا۔
''سوری، میں سن نہیں پایا۔'' ثمامہ کے قریبی صوفے پر بیٹھتے اب وہ ہمہ تن توجہ تھا۔
''بلال پھر ہری آیا ہوا ہے۔ اور کل گھر آیا تھا۔''
''اوہ...... واقعی......'' سوار کے لیے یہ شاکنگ تھا۔ ''گھر تک پہنچ گیا۔ ڈائریکٹ ہی۔''
''ہاں۔ بس کیا کروں۔'' اس نے ایک مصنوعی آہ بھری ''ایک دن تو فیس کرنا ہی تھا۔''
''کیا کہہ رہا تھا۔ آمد کا مقصد؟''
''اس کی پرانی عادت ہے، چڑانا، پریشان کرنا بلکہ زچ کرنا۔ اور اس بار تو خیر کچھ زیادہ ہی اچھا بننے کا ڈھونگ کر رہا ہے۔ اور میرے لیے یہ زیادہ پریشان کن ہے۔'' ثمامہ نے سر درد کی ایکٹنگ کرتے سر تھاما۔
''تو...... آپ کیسے نمٹنا چاہتی ہیں۔'' وہ بے دھیانی میں اپنی گہری کالی آنکھیں اس پر جمائے ہوئے تھا۔
''کہتا ہے آپ نے مجھے میرے بھائی سے جدا کر رکھا ہے۔ واپس لوٹ آئیں۔ سب ساتھ مل کر رہیں گے۔ ڈیڈ کی روح بے چین پھر رہی ہو گی۔ اور پتا نہیں کیا کیا بکواس...... اور آج کال کر کے کہتا ہے آپ کے لیے فیملی میں ایک رشتہ دیکھا ہے۔''
''واٹ۔'' سوار کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ ثمامہ جز بز تو ہوئی لیکن یہ تو اس کا اصل پلان تھا۔
''سوری، میرا مطلب ہے کچھ عجیب سی بات لگتی ہے۔''
''جی، تو اور کیا۔ میرے بھی سر میں مستقل درد کر دیا۔ کہتا ہے دوست کا بڑا بھائی ہے۔ بزنس مین ہے، ویل سیٹلڈ ہے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے صاف سمجھ میں آرہا ہے سوار۔ اس کی لالچی کی نظریں میرے ہوٹل پر ہیں۔''
''آپ کہہ دیں کہ رشتہ بھیج دیں، پسند آیا تو سوچیں گے، اور پھر ریجیکٹ کر دیں۔''
''اس طرح تو وہ روز کے حساب سے رشتوں کی لائن لگا دے گا۔ آپ نہیں جانتے اسے۔''
''پھر کیا سوچا ہے؟''
''سوچنا کیا، میں تو غصے میں کہہ بھی بیٹھی۔'' ثمامہ نے لب بھینچے جیسے اپنی بے بسی سے پریشان ہو۔ ''میں نے اسے کہہ دیا کہ میں نے منگنی کر لی ہے۔ اس لیے وہ اس بارے میں نہ سوچے۔''
''ہوں۔'' سوار نے کچھ دیر رک کر اس عجیب

سے جواب پر سوچا لیکن تبصرہ محفوظ رکھا۔
"سوری سوار۔ لیکن جب اس نے مجھ سے منگیتر کا نام پوچھا تو میں نے کہہ دیا کہ میرے ہوٹل کے منیجر ہیں سوار علی۔ آئی...... ایم سوری......" ثمامہ نے اس کے حیران پڑتے چہرے کو دیکھ کر جلدی سے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ منگنی کی تفصیل پوچھنے بھی بیٹھ سکتا ہے۔ بس جلدی میں کچھ اور نہیں سوجھا۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔ میں اس آدمی سے دور رہنا چاہتی ہوں، آپ نہیں جانتے ثمر کی وجہ سے میرا دل کتنا ڈرتا رہتا ہے۔ میں چاہتی تھی کسی طرح اسے مکمل مایوس کر دوں تاکہ دوبارہ یہ ادھر کا رخ نہ کرے۔ اور آپ جانتے ہیں ایک آپ ہی ہیں کہ جسے میں سمجھا کر اپنا حمایتی بنا سکتی ہوں۔ آپ کے علاوہ کس کا نام لیتی۔" وہ تو جیسے رو دینے والی ہو گئی تھی۔ "لیکن یقین مانیے، یہ جھوٹ صرف بلال کو ٹالنے کے لیے ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"اٹس او کے ثمامہ۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ کوئی بات نہیں۔" وہ اسی وقت ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے یہاں بلائے جانے کی وجہ تو سمجھ میں آ گئی تھی۔

"بیٹھیں سوار۔ امی کافی بنوا رہی ہیں۔"

"نہیں بہت شکریہ۔ کافی کی ابھی طلب نہیں ہے۔ ہوٹل بھی جلدی پہنچنا ہے۔ آصف کو بخار ہو گیا تھا۔ نوریز ریسیپشن پر اکیلا ہے۔" وہ اپنا موبائل اور کیپ سنبھال کر آگے بڑھ گیا۔

"کب تک بچو گے سوار عبدالعلی۔ کوئی حربہ تو ایسا بھی ہو گا جس سے بچ نکلنا تمہارے بھی بس میں نہیں ہو گا۔" ثمامہ ریلیکس انداز میں ہاتھ آگے باندھے اس کی پشت کو دیکھے گئی۔

☆☆☆

اور وہ دوسری برف باری تھی جو پورے استحقاق سے ہر سو جمی تھی۔ صبح سویرے سوار اٹھا تو مری کا نقشہ ہی تبدیل تھا۔ سفید برف کسی مغرور ملکہ کی طرح اپنی سفید فراک اطراف میں پھیلائے دعوت نظارہ دیتی اپنے حسن پہ نازاں، ایک ایک چہرے پر پھیلی مسرت و خوشی کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے کہتی ہو تمہارے چہروں پر آئی یہ مسکان میرے ہی طفیل تو ہے۔

سوار کام کاج چھوڑ کر باہر کھنچا چلا آیا۔ برف ایک تواتر سے ابھی تک گر رہی تھی۔ دل میں خیال آیا کنعان نے آنا تو ہے شاید برف باری رکنے کے انتظار میں ہو۔ وہ واپس کمرے میں آ کر جلدی سے تیار ہو گیا۔ وہ تیاری جس کے لیے دنوں سے سوچ رکھا تھا۔ ریسیپشن اور آفس میں موجود رہتے بھی وہ کئی بار باہر مال روڈ تک چکر لگا آیا کہ وہ محبوب نظر کبھی بھی کہیں سے آ کر حیران کر سکتی تھی۔ دوپہر ہوتے ہر طرف برف کی دبیز تہ جم چکی تھی۔ سہ پہر ہوتے اس کا دل بری طرح بے کل ہونے لگا۔ عجیب طرح کے خیال ستانے لگے کہ شاید کنعان ہوٹل تک آئی ہو اور اسے وہاں نہ پا کر واپس چلی گئی ہو۔ بار بار اپنا موبائل چیک کیا۔ یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ وہ اگر آئے گی تو کال کر کے اسے باہر بلا سکتی ہے۔ اور جب رات تک اس کا انتظار رائگاں گیا تو یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ شاید وہ اگلے روز آئے کیونکہ برف تو اب رہے گی۔

اور پھر اگلی صبح محبوب سے ملنے کی تڑپ اسے جی پی او تک کھینچ لے گئی۔ بس میں ہوتا تو ازمیر ہوٹل بھی چلا جاتا۔ لیکن ریتی سر...... وہ سر جھٹک کر واپس لوٹ آیا۔ اور پھر دن گیارہ بجے معمول کے سبھی کام نمٹا کر باہر نکلا تو سامنے سے میاں جی اور فخری آتے دکھائی دیے۔ اور یہ برف باری کا پہلا خوب صورت تحفہ تھا۔ وہ بھرپور جوش اور خوشی کے ساتھ میاں جی سے بغل گیر ہوا۔ فخری بھی بھاگ کر اس سے چپک گیا تھا۔ دستانے والے ہاتھوں پہ اس نے برف کا بونا اٹھا رکھا تھا جس کے گلے میں چھوٹا سا مفلر اور آنکھوں کی جگہ بٹن بھی لگے تھے۔

"دیکھو، کتنی ٹھنڈ میں مجھے بھگا لایا ہے۔ کہتا ہے سوار بھیا کے ساتھ مل کر برف کا بڑا سا آدمی بنانا

ہے۔"
"بالکل بنائیں گے یار۔" سوار نے اسے پیار سے ساتھ لگایا۔ "میرے ڈرائنگ ماسٹر تم سے تو بڑا اہم کام لینا ہے۔" سوار کچھ سوچ کر مسکرا دیا۔
"پہلے اندر آؤ، کچھ چائے وغیرہ پی کر پھر باہر نکلیں گے۔ آجاؤ۔" وہ ان دونوں کو لیے اندر ریسٹورنٹ میں آیا۔
"تیس اور سوار۔" میاں جی نے جھجک کر کہنے کی کوشش کی تو سوار نے گھور کر دیکھا۔ میاں جی تو بلاوجہ ہی امارت سے مرعوب ہو جاتے تھے۔ سوار نے تین کپ چائے کے ساتھ کیک، پیسٹری، پیٹیز وغیرہ بھی منگوا لیے۔
"تم کہیں جا رہے تھے؟"
"یونہی گھنٹہ بھر کے لیے مال روڈ کا چکر لگانے۔ اور تم سناؤ۔" سوار نے فخری کے بال بکھیرے۔ "کب پگھلے گا تمہارا یہ برف کا گڈا۔"
"خیال رکھوں تو بہت دن چلے گا۔"
"اچھا واہ، تمہاری مدد تو واقعی لینی پڑے گی یار۔" چائے آئی تو سوار خود ہی انہیں سرو کرنے لگا۔
"آپ کو بھی برف کا گڈا بنانا ہے؟" فخری نے دستانوں سے ہاتھ نکال کر جلدی سے گرم کپ کے گرد لپیٹے، ہاتھ غالباً دستانوں کے اندر بھی ٹھنڈے بخ تھے۔ سوار نے ایک غائت نظر پرانے دستانوں اور اس کے پہناوے پر ڈال کر ہٹالی۔
"پوچھ لو۔ شاید سوار بھائی کو گڑیا چاہیے ہو۔ وہ بھی بڑی سی۔" میاں جی نے نیچی آواز میں جملہ پھینکا۔ سوار کے چائے پیتے بے ساختہ ہنسی سے ہونٹ جل گئے۔
"باز آجائیں میاں جی۔" وہ ہنسی روک نہیں پا رہا تھا۔
"بتائیں نا بھیا۔" فخری نے منہ بنایا، نانا کی مداخلت اسے اچھی نہیں لگی۔
"بتاتا ہوں، پہلے تم یہ سب ختم کرو شاباش۔" سوار نے اس کے کندھے پہ دھپ لگائی اور وہ جلدی جلدی چائے ختم کرنے لگا۔
"آپ یہ کیا کرتے پھر رہے ہیں؟" مال روڈ پہ چلتے فخری نے حیرت سے سوار کے ہاتھوں کو دیکھا۔ پہلے اس نے سرخ روشنائی لی، پھر ایک سرنج اور اب وہ ایک کارنٹس شاپ کے سامنے کھڑا تھا۔
"بتاتا ہوں، پہلے تمہیں گڈا بنالوں۔ تم بھی اس برف سے کم سفید نہیں ہو۔" سوار نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔ اور شاپ میں گھوم پھر کر اس نے فخری کے لیے سویٹر، مفلر، دستانے ٹوپی ٹائپ ہر سامان خرید لیا۔
"چاہو تو ابھی پہن لو، ٹھنڈ بڑھ رہی ہے۔"
"کیا کر رہے ہو سوار۔" میاں جی شرمندہ ہو گئے۔
"آپ بھی اپنے لیے گرم سوئٹر دیکھیں، آپ اسے برف باری کا تحفہ سمجھ لیں۔" وہ اپنے لیے گرے ہائی نیک کا پوچھنے لگا، گرے مفلر پہلے ہی لے چکا تھا۔
"کیوں سمجھ لوں بھائی۔" میاں جی چڑ رہے تھے، سوار ہنسا۔
"کیونکہ میں خوش ہوں۔"
"اور خوشی کی وجہ؟"
"یہاں سے نکل جائیں پھر بتاتا ہوں۔" سوار نے ایک جیکٹ رب نواز کے لیے بھی پیک کروا کے بل بنوایا اور اب وہ تینوں مرحبا مارکیٹ سے نکل کر چرچ کے پچھلے راستے پر نکل آئے تھے۔ مال روڈ پر برف ہٹانے کا کام شروع ہو چکا تھا، یہاں ابھی وہی حال تھا۔
سوار نے سیمنٹ کے جنگلے پر سامان رکھ کر برف کا پہلا گولہ بنایا، ہاتھ تو ذرا سی دیر میں جمنے لگے اور گولہ تھا کہ۔ کسی صورت دل کی شکل میں آ نہیں رہا تھا
"یار فخری، تم ہی بنا دو برف کا ایک دل۔" سوار اپنی صلاحیت سے تو مایوس ہی ہو گیا تھا۔
"برف کا دل۔" میاں جی چونکے۔ "کس کا دل برف کا ہو گیا ہے؟"

"بدشگونی نہ کریں میاں جی۔" سوار نے روشنائی کا ڈھکن کھول کر سرنج بھری، فخری تھوڑی محنت کے بعد ایک ٹیڑھا میڑھا دل بنا کر لے آیا۔

"یار، تھوڑی نفاست دکھائی ہوتی۔"

"آپ کو نفاست کی پڑی ہے، میرے ہاتھوں کی قلفی جم گئی۔ اور ذرا اپنی نفاست دیکھیں۔" اس نے دور رکھے ایک گولے کی طرف ابرو اٹھائے۔ "دل بنایا تھا یا دماغ۔"

"ہاہاہا۔" میاں جی نے بھی کھل کر مذاق اڑایا۔

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" سوار نے قہقہے کو چیلنج کے طور پر قبول کرتے نیا گولا ہاتھ میں لیا۔ "اب دیکھیں میاں جی۔"

"وہاں تک پہنچاؤ گے کیسے، اس نامراد دل کو؟" میاں جی سمجھ تو گئے اتنی محنت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ پھر چٹکلا چھوڑا۔

"پہنچانا کیا ہے۔ خود آئیں گی نا۔"

"اچھا واہ۔ اور ابو جی؟"

"منالیں گے، مل کر۔" سوار کچھ یاد کر کے مسکرانے لگا۔

"بات ہوئی تھی؟" میاں جی نے جاننا چاہا۔

"نہیں ملاقات...... پہلی برف باری پر وہ خود آئی تھی، یہ بتانے کہ وہ ہر سچ میرے منہ سے سننا چاہتی ہے...... لیکن......" سوار کے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ لفظوں کو دل کی دھڑکن بھی تھم گئی۔ "لیکن وہ یہ سوچ کر آئی تھی کہ میں خود پہ لگے ہر الزام کو جھٹلا دوں گا تب وہ مکمل پرسکون ہو جائے گی۔ لیکن میں تو صرف ایک الزام کی صفائی دے پایا۔ ■ واپس تو آئے گی نا؟" دل میں پنپتا خوف پہلی مرتبہ زبان پر آیا۔ وہ چونکہ صرف اچھی امید لگائے ہوئے تھا تو صرف ایک ہی تصور میں جی رہا تھا جب مسکراتی ہوئی کنعان اقرار کی مسکراہٹ سجائے کہیں سامنے سے آتی دکھائی دے گی۔

"کیا اس نے آج آنا ہے؟"

"صرف اس صورت میں کہ اگر وہ مجھے معاف کر پائی۔"

"ہوں۔" میاں جی نے ہنکارا بھرا "اور تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"مجھے صرف ہاں میں جواب چاہیے۔" وہ کسی ضدی بچے سا لگنے لگا۔

"ورنہ......" میاں جی مسکرائے۔

"ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے تھک کر گہرا سانس لیا۔ "پھر شاید میں اتنا اچھا نہ رہوں، منفی سوچیں مجھے باغی کرنے لگتی ہیں۔ آخر انسان ہوں میاں جی، جب میری کوششوں کو کوئی سراہنا ہی نہیں چاہتا۔ میرے آسودہ، پرسکون حال سے نکال کر مجھے ماضی میں دھکیلنے کی کوشش کریں گے تو میرا ری ایکشن کیا ہوگا، بتائیں۔"

"شاید یہ تمہارے امتحان کی آخری منزل ہو، ثابت قدم رہنے کی کوشش کرو، انجام اچھا ہی ہوگا ان شاءاللہ۔"

"کنعان مجھے معاف نہ کرے، یہ کیسا امتحان ہے میاں جی۔" وہ بے کل ہونے لگا۔ فخری نے اچانک ایک نفیس اور خوب صورت سا دل لا کر اس کی ہتھیلی پہ رکھا اور وہ سب بھول گیا۔

"واہ۔ یہ تو بالکل ویسا دل ہے جس کا میں نے تصور کیا تھا۔" اس نے جلدی سے دل کو جنگلے پر رکھ کر سرنج سے سرخ پھوار برسائی ڈائریکٹ روشنائی ڈالنے سے شیپ تبدیل ہو سکتی تھی۔

"واہ بھیا۔ اب تو بالکل دل لگنے لگا۔" فخری نے خوشی سے نانا کی طرف دیکھا۔ "لیکن بھیا۔ بہت خیال رکھنا پڑے گا۔"

"خیال......" سوار نے رک کر کچھ سوچا۔ "چلو پیچھے چلتے ہیں، کسی شاپ سے کوئی ڈبا وغیرہ ڈھونڈنا ہوگا۔" اس نے سامان سمیٹا۔ کچھ ہی نیچے بازار تھا۔ یہاں آ کر ایک سپر اسٹور سے گتے کا ڈبا لے کر سوار نے دل اس میں رکھا میاں جی اور فخری وہیں سے ڈھابے کو چلے گئے اور وہ اپنے ہوٹل آ گیا۔ کنعان کی آمد تک دل کو فریزر میں سنبھال کر رکھنا تھا۔

☆☆☆

"اب کیسی طبیعت ہے بٹیا؟ بخار اتر گیا ہو تو یہ تھوڑا دودھ پی لو۔" اماں نے ماتھے پہ ہاتھ رکھتے کنعان کا بخار جانچنے کی کوشش کی۔

"دودھ نہیں اماں جی۔" وہ اٹھ کر بیٹھنے لگی۔

"اچھا تو پھر کیا۔ کتنی دیر ہو گئی، ابھی تم نے ناشتا بھی نہیں کیا، صاحب تو مجھ پر غصہ ہوں گے۔"

"اچھا تو چائے بنا دیں۔ ساتھ میں بس ایک سلائس۔"

"ارے۔ تمہیں کیا ہوا۔" بلیک جینز، اونی سرخ ٹوپی اور اونی اسٹالر لپیٹے وہ دیا تھی جو صبح صبح ہی وارد ہو گئی تھی۔ کنعان نے تعجب سے دیکھا۔

"میں تو مری کی رونقیں دیکھنے کے ارادے سے نکلی تھی، سوچا ساتھ چلیں گے۔ گپ شپ کرتے کھاتے پیتے۔"

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"دل......" دیا کو کچھ یاد آیا۔ ہاتھ میں پکڑا ڈبا آگے بڑھانے ہی لگی تھی کہ برآمدے سے رفیق احمد کے کھانسنے کی آواز آئی۔ دیا نے جلدی سے ڈبا پلنگ کے نیچے کھسکا دیا۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹا! ناشتا کیوں نہیں کر رہیں۔" انہوں نے کنعان کا ماتھا چھوا "تھوڑی سی حرارت ابھی بھی ہے۔"

"دیا بیٹا تم ہی کچھ سمجھاؤ اسے۔"

"جی انکل، اب میں آگئی ہوں ناں۔ بالکل سیٹ کر دوں گی۔"

"ناشتا کر لو بیٹا، تاکہ دوا کھا سکو۔"

"جی ابو، اماں سے چائے کا کہا ہے۔ آپ ہوٹل جائیں۔ میری طبیعت بھی کافی بہتر ہے۔" اس نے ابو کی تسلی کے لیے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

"اس کا خیال رکھنا دیا بیٹی۔" وہ اسے نرم سی تنبیہ کرتے باہر نکل گئے اور کنعان نے گھور کر دیا کو دیکھا۔

"نیچے کیا چھپایا تم نے؟"

"او......وہ......" دیا کھسیا کر نیچے جھکی اور ایک ڈبا کھول کر اس کے سامنے کیا۔ برف کا سرخ دل۔ کنعان کا دل سکڑا، آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی۔ منہ سے بولا تو کچھ نہیں گیا، بس ایک سوالیہ نظر دیا پر ڈالی، جو کرسی گھسیٹ کر اس کے سائیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھ سے کوئی سوال مت کرنا، جواب شاید اندر کہیں رکھا ہے۔" دیا کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

کنعان اس کی بات سن کر مزید گڑبڑا گئی۔ دل کے ساتھ اور بھی کچھ تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ڈبے کو قریب کیا۔ سرخ دل بے شک بہت محبت اور محنت سے بنایا گیا تھا لیکن اب اپنی خوب صورتی کھونے لگا تھا۔ ہیپ ہٹنے کی وجہ سے کچھ تبدیل ہو گئی تھی۔ دل کے نیچے ایک پلاسٹک کا لفافہ رکھا تھا۔ کنعان نے ایک نظر گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھتے لفافہ باہر نکالا۔ اندر ایک سرخ گلاب کی کلی اور ایک پیپر تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے تہ کھولی۔

ہم تیری رہگزر تھے اور جاناں، تیرے قدموں کے انتظار میں تھے
سوچتے تھے کہ راستوں کے بھی، اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں

"تم تک کیسے پہنچا یہ سب۔" وہ دوبارہ تہ لگا کر بات بدلنے لگی۔

"انہوں نے کال کر کے کہا کہ آپ کے دروازے کے باہر برف میں کچھ چھپا کر جا رہا ہوں، کنعان کو دے دوں۔"

"اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، جب جان چکا ہے کہ میں نے نہیں آنا تو نہ اسے خود کمزور پڑنا چاہیے نہ مجھے کرنے کی کوشش کرے۔"

"تم کمزور پڑ رہی ہو؟" دیا کے اندر شرارت مچلی لیکن اس نے لہجہ سنجیدہ رکھا۔

"نہیں......لیکن یہ برف باری بہت درد دے رہی ہے۔ ہم دونوں کو۔" وہ ایک دم ہی چڑا ہاتھوں

میں دے کر سسک پڑی۔ بخار سے تپتا چہرا کچھ اور سرخ ہونے لگا۔

"بس کرو کنعان، اماں آنے والی ہوں گی۔" دیا نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ "اور دیکھو، پلیز خود کو اتنی اذیت مت دو، کچھ تو سوچو اس بارے میں۔"

"نہیں۔" سختی سے نفی میں سر ہلاتے اس نے اپنی گلابی آنکھیں دیا پر جمائیں۔ "یہی وقت ہے جب مجھے اسے مایوس کرنا ہے۔ نفرت ہی وہ واحد راستہ ہے جو اسے مجھ سے دور جانے میں آسانی دے گا۔ اگر وہ تم سے کچھ پوچھے تو یہی کہنا کہ کنعان بہت بدل گئی ہے۔ کہنا اس یاد دہانی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔" وہ روتی آنکھوں سے پل پل پگھلتے دل کو دیکھ رہی تھی۔ "تمہیں ہماری دوستی کا واسطہ۔"

"او کے...... پرامس۔" دیا نے پلکیں موند کر اپنے ساتھ کا یقین دلایا۔ "چلو اٹھو اب۔ منہ دھو کر فریش ہو جاؤ، میں ناشتے کا پوچھتی ہوں۔" دیا موضوع بدلتے کچن کی طرف چلی گئی اور کنعان کی نظریں ایک مرتبہ پھر اس شعر کے الفاظ پر پھسلنے لگیں۔ وہ گلابی پیپر سامنے کھولے بار بار ان دو لائنوں کو پڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

برف باری شروع ہوتے ہی مری میں سیاحوں کی یلغار ہو گئی۔ ہوٹل میں کمرے کم پڑنے کی نوبت تو سخت گرمی میں بھی نہیں آئی تھی، تب شاید پیٹرا ان کا آغاز تھا، لیکن برف باری میں پہلی مرتبہ روم کم پڑنے کی نوبت آئی تھی۔ اور تھی تو خوشی کی بات۔ ترقی کی رفتار دھیمی ضرور ہوتی ہے لیکن مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں آخر کار آپ کا مقدر ضرور بنتی ہے۔

ثمامہ کا چہرا کھلا پڑ رہا تھا ان دنوں، عملہ بھی خوش تھا۔ ایک اس فرہاد کو چھوڑ کر جس کی شیریں اسے سر منزل ہی دغا دے گئی تھی۔ نہ عہد کا پاس، نہ برف کا سرخ دل، نہ خط کا کچھ اثر۔ وہ اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔ دیا نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ بہت بدل گئی ہے۔ اور اس موضوع پر کچھ سننے کو تیار نہیں۔

برف باری کی طرف نظر پڑتے ہی "وہ نہیں آئی۔ وہ نہیں آئی" کی گردان اس کے سر میں ہتھوڑے کی طرح بجتی رہتی، سیاحوں کو ڈیل کرتے، دن بھر کے دوران مختلف طرح کے کام نمٹاتے نجانے کیسے کیسے خیالات اس کے دل کو ستانے لگے تھے۔ راستے مسدود ہو رہے تھے۔ جینے کی امنگ ختم ہو رہی تھی، کیا رہا تھا اس زندگی میں۔ کیوں جی رہا تھا وہ۔ بے بسی، بے چارگی، خود اذیتی سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ خیالات کی یلغار نے یک لخت اسے چین بخ کر آفس سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ نوریز نے آواز دی۔ آصف پیچھے لپکا۔

"کہاں جا رہے ہیں سر؟"

"کہیں بھی۔ کیوں؟" وہ نہایت بدمزاجی سے پلٹا۔

"ا...... اچھا...... جلدی آ جائیں۔" آصف گھبرا سا گیا۔ "وہ رش بہت ہے نا، ہم سے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"تو......کل کو میں نہ رہوں تو کیا یہ ہوٹل منہ کے بل آ گرے گا۔" وہ اسی تلخی سے سڑا ہوا جواب دیتے باہر نکل گیا۔

دل جیسے مدت بعد جنونی، جبلی، آوارہ سا ہو رہا تھا۔ سوائے ایک راہ کے اس کالی اندھیری رات میں اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ جنون کی یہ راہ اسے کسی بڑی ٹھوکر سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس گھری سرد رات میں اس کے قدم ایک بار پھر بے اختیار ہو رہے تھے۔ آج کیفیت میں چوٹ کھائی محبت کا درد تھا۔ کنعان کی بے اعتنائی تکلیف دہ ہی نہیں جان لیوا تھی۔ دل کہتا آج اور ابھی اگر اسے دیکھ نہ لیا اس سے مل نہ لیا تو شاید زندہ رہنا محال ہو۔

جی پی او سے بائیں ہاتھ مڑتے اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ یہ رات کے قریب نو بجے کا وقت تھا۔ کنعان سے ملنا بھلا کیسے

ممکن تھا، وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا، دھندلا دھندلا ایک احساس یہی تھا کہ اندر کی آگ شاید ان گلیوں میں آ کر کچھ قرار پا جائے۔ یہ راستے محبت کے ایسے نشان تھے جن پر پاؤں رکھ کر چلتے جانا آخری سانس تک نری تسکین تھا۔ چاہے محبت نامراد ہی کیوں نہ ٹھہری ہو، یہی تو اس کی زندگی کا حاصل۔

ہوٹل دکھائی دینے لگا تھا شیشے کے اندر روشنی تھی تو باہر حسب معمول اندھیرا راستہ۔ وہ چہرے کو مفلر سے لپیٹ کر سامنے سے گزرا تو کسی کا دھیان اپنی جانب نہیں پایا۔ رفیق سر اور صدیق سامنے کھڑے تین سیاحوں کے ساتھ بڑی نظر آئے۔ یہاں کی رونق بھی آج معمول سے زیادہ لگ رہی تھی۔ وہ سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ لیکن اب...... ہر بڑھتے قدم کے ساتھ خیالات کچھ اور ہونے لگے تھے۔ رفیق سر اگر ہوٹل میں تھے تو کنعان گھر پر صرف اماں کے ساتھ۔ وہ ڈھلانی گلی کے سرے پر آیا تو یہاں بھی استقبال اندھیرے اور ویرانی نے ہوا۔ یخ ٹھنڈی رات میں کوئی بھی باہر دکھائی نہ دیتا تھا وہ اندھیرے راستے کو عبور کرتے گھر کے دروازے پر پہنچا تو ایک گہرا سانس اندر کو کھینچا۔ اور پھر چند لمحے ہی سوچنے کے لیے کر موبائل پر ایک میسج لکھ بھیجا، فیصلے خود بخود ہی ہوتے جا رہے تھے، وہ اس وقت سراسر ماحول اور اپنی مجبوریوں کے زیر اثر تھا۔ بعض حالتوں میں جبکہ دماغ قطعی طور پر دل کے فیصلوں کی نفی کر رہا ہوتا ہے، آپ وقت کے دھارے پہ بہتے چلے جاتے ہیں۔ رفیق سر ہوٹل میں موجود نہ ہوتے تو وہ دل میں اٹھتے درد اور تمام تر جذباتیت سمیت یہیں سے واپس لوٹ جاتا، لیکن حالات کا خواہشات کے عین مطابق ہوتے چلے جانا بھی ضبط کا امتحان ہوتا ہے اور سوار کا بے کل دل اس وقت ایسے کسی امتحان میں پاس ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

میسج بھیج کر اس نے چند قدم چل کر دیا وغیرہ کی گلی میں بھی جھانک لیا۔ وہاں بھی دور تک ویرانی کا راج تھا۔ پلٹ کر دوبارہ دروازے تک آیا تو کھٹ سے کنڈی کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ آہستگی سے وا ہوا اور کنعان کھڑی دکھائی دی۔ اس کے پیچھے بھی صحن میں اندھیرا دکھائی دیا۔ سوار نے اس کی شکوہ بھری خفا خفا نگاہوں کا نوٹس لیے بغیر گھر کے اندر داخل ہو کر دوبارہ اندر سے کنڈی لگا دی۔

''سس...... سوار......'' بوکھلائی گھبرائی سی وہ واپس پلٹی، یہ تو سوچا بھی نہیں تھا۔

جبکہ وہ اس کی قطعی پروا نہ کرتے برآمدے کی طرف متوجہ تھا، وہاں کی لائٹ آف تھی، اماں یقیناً سو چکی تھیں۔ اماں کی وجہ سے ہی اس نے دستک دینے کے بجائے میسج کر کے اسے یہاں تک بلایا تھا۔ اور اب وہ صحن عبور کرتے کچن کی دیوار تک چلا گیا تھا۔ اس جگہ وہ برآمدے کے جالی اور شیشے والے دروازوں کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ کچن کی بیرونی دیوار کے ساتھ ہی گھر کی سائیڈ والی گلی بھی تھی۔ اندر سے اماں یا باہر سے رفیق سر کے اچانک آ جانے پر وہ اس گلی میں چھپ سکتا تھا۔

کنعان کی اس سر پھرے کو دیکھتے زبان گنگ ہو چکی تھی۔ ٹانگیں اگر بے طرح کانپ رہی تھیں تو دل قابو سے باہر تھا۔ واپس پلٹ کر بے یقینی سے اسے دیکھتی وہ بس رو دینے کو تھی۔

''آ...... آپ......''

''شش۔'' سوار نے اس کی کلائی سے کھینچ کر اسے کچن کی دیوار سے لگایا، مفلر اس کے چہرے سے ہٹ چکا تھا۔ داڑھی کا نفیس ساکٹ آج کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ داڑھی ابتری کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ تنی بھنوؤں اور آنکھوں میں عجیب سی ویرانی لیے کنعان کو گھورتے وہ ایکدم اجنبی دکھائی دیتا تھا۔ کنعان اسے دیکھتے دکھ کی انتہا پر تھی۔ بلیک میل کرنے کے انداز میں میسج کر کے اسے دروازے پر بلانے والا سامنے کھڑا شخص کیا سوار ہی تھا۔ کیا اس جنونی کو وہ سمجھا سکتی تھی کہ ان دونوں کی یہاں ایسے وقت میں اتنی آکورڈ موجودگی کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔۔۔ اور کیا وہ سن اور سمجھ سکتا تھا اس کی بات۔ وہ اپنی بھرائی آنکھوں

میں ڈھیر سارا پانی اور خوف لیے اسے تک رہی تھی۔ اور دیکھ تو وہ بھی اسی کو رہا تھا، ناراضی اور غصہ جس کی آنکھوں کے سرخ ڈوروں سے رفتہ رفتہ معدوم ہو رہے تھے۔ سامنے والے گھر کے بلب کی ہلکی روشنی کچن کی دیوار پہ پڑ رہی تھی۔۔ آنکھیں بھی پہلے کی نسبت اندھیرے کی عادی ہو چلی تھیں۔ کنعان نے غالباً شاکنگ پنک اونی سوئٹر اور بلیک لیڈیز مفلر گلے میں لپیٹ رکھا تھا۔ بال ڈھیلے سے انداز میں کیچر میں بند تھے۔ ماتھے پر کچھ بے ترتیب بال، شفاف چہرا اور روئی سی آنکھیں۔

سوار پہلی بار ہلکا سا مسکرا دیا لیکن کچھ ایسے کہ بے بسی بے چارگی چہرے پہ ثبت تھی۔ نچلا لب دانتوں میں دبائے سر کو دائیں بائیں نفی میں حرکت دی جیسے ان لمحوں کے ہونے پر بے یقین ہو۔

"یہ کیا طریقہ ہے سوار۔" وہ بھی کسی طرح خوف کے اثر سے نکل کر خود کو بولنے کے قابل بنا پائی تھی۔ حلق سے بہر طور آواز نکالنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

"مانتا ہوں تھوڑا غلط ہے۔" وہ اب شوخی سے مسکرا رہا تھا۔

"ابو آ جائیں تو......" وہ ایک بے ربط جملے سے آغاز لیتے خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اسے کیسے سمجھائے۔

"تو میں یہاں سے کود جاؤں گا۔" وہ ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ لیے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"لیکن کیوں؟" وہ دبا دبا چیخ اٹھی۔ "آپ اس طرح کیوں آئے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"میں مر جاتا کنعان۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور قطعی تھا۔ وہ اپنی بات بھول گئی۔ "تم کیوں نہیں آئیں کنعان۔ تمہارا وعدہ......"

"آپ بھول رہے ہیں سوار، یہ وعدہ مشروط تھا۔" اس نے آہستہ سے کہتے اب اپنا رخ موڑ لیا تھا۔ "اگر میں آپ کو معاف کرنے کا ظرف اپنے اندر پاتی۔ مجھے تب ہی لوٹنا تھا۔"

"میں اپنے ہر کردہ ناکردہ گناہ کی معافی مانگتا ہوں کنعان۔ صرف ایک بار بلکہ آخری بار بھروسا کر کے دیکھ لو، تمہاری توقعات پر پورا اترنے کے لیے میں ہر حد سے گزر سکتا ہوں۔" سوار کا لہجہ اس درجہ مجبوری اور بے بسی کی انتہا پر تھا۔

کنعان نے اس یقین دہانی میں اپنا دل ڈوبتا محسوس کیا لیکن لمحے بھر میں ہی خود کو نکال بھی لیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" سینے پر ہاتھ باندھے جب وہ پلٹی تو لبوں پہ تمسخرانہ ہنسی تھی۔ "حد سے گزرنا تو آپ کی پرانی عادت ہے۔ بلااجازت کسی کے گھر میں گھس آنا، دھونس جما کر دروازے پر بلانا، یہ حد سے گزرنے کے مظاہرے ہی تو ہیں...... ہونہہ۔" اس نے غصے سے سر جھٹکا۔

"آپ پر بھروسا کروں۔ آپ پر...... خود تو آپ جو ہیں سو ہیں۔ ارے آپ نے تو مجھے بھی اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے، رات کے اس وقت...... یہاں اس انداز میں جبکہ آپ دیوار پھلانگنے کا پلان بنائے ہوئے ہیں۔ مجھے آپ کے ساتھ دیکھنے والا کیا ایک شریف لڑکی سمجھے گا، بولیں سوار...... کیا میری عزت پر انگلی اٹھنے کے بعد بھی آپ اسی طرح معافی مانگیں گے، اگلی مرتبہ ایسا کچھ نہ کرنے کا وعدہ کریں گے۔"

"کنعان تم......"

"بس کریں سوار۔ خدا کے لیے بس کریں۔ میرے جذبات، میرے احساسات کا خوب مذاق بنا چکے آپ۔ میں نے ہرگز ایک ایسے شخص سے محبت نہیں کی تھی جو دیواریں پھلانگ کر اپنی محبت کا یقین دلانے آتا ہے، اور سچ تو یہ ہے......" اب کے کنعان نے ذرا ٹھہر کر سوچ سمجھ کر کچھ بولنے کا ارادہ کیا۔

"اگر مجھے آپ کے ماضی کا پہلے علم ہو جاتا، ابتدائی دنوں میں ہی...... تو میں اس راہ پر ہرگز اپنے قدم آگے نہ بڑھاتی۔ میرے لیے اپنے قدموں کو روکنا آسان رہتا ہے، بلکہ ہر اس شخص کے لیے محبت دوسرے درجے پر آتی ہے جس کے لیے اپنی، اپنے گھر، خاندان کی عزت اولین ترجیح رکھتی ہو۔ آپ

نے اپنے ماضی میں جو کیا اس نے صرف آپ کے ہی نہیں آپ کی پوری فیملی کی عزت کو بری طرح مجروح کر دیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ ابھی تک اس کرائسس سے نہ نکل پائے ہوں۔ اور میں نے بھی اسی روز ہمارے رشتے کی گرہیں کھول کر خود کو اس تعلق سے علیحدہ کر لیا تھا جب آپ نے اپنے منہ سے اقرار کر لیا تھا۔ اس روز میں گھر سے یہ امید...... بلکہ یقین لے کر نکلی تھی کہ آپ ان سب الزامات کی تردید کر دیں گے اور تب ہمارے بیچ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، لیکن اب نہیں سوار...... اور اگر آپ میری راہ میں آ کر مجھے منانے اور قائل کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ زبردستی ہو گی مجھ پر، کسی کے بدل جانے کے بعد آپ لاکھ سر پٹخیں اس کا دل واپس نہیں موڑ سکتے۔"

کنعان اب اعتماد سے بولنا شروع ہوئی تھی تو کچھ دیر کے لیے خود بھی وقت کی نزاکت کو فراموش کر دیا۔ رسک تو سوار لے ہی چکا تھا۔ کم از کم وہ اس پر یہ تو واضح کر دیتی کہ غرقابی کی اس کوشش میں وہ اس کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ غیرت کی پرچھائیں اس کی چبھتی آنکھوں اور سرد سپاٹ چہرے سے صاف عیاں تھی۔ سوار کے پاس جواباً کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

"اور آپ کا یہ میسج......" کنعان نے ہاتھ میں پکڑا موبائل روشن کر کے سوار کے سامنے کیا۔ "اگر تم ابھی کے ابھی دروازے پر نہ آئیں تو میں سر کے آنے تک یہیں کھڑا رہوں گا۔" یہ میسج میرے منہ پر کسی تھپڑ سے کم نہیں تھا۔" وہ آنکھوں میں نفرت کے تیر لیے چبا چبا کر بول رہی تھی۔ "میں نے اپنے منہ سے محبت کا اقرار کیا، باتیں اور ملاقاتیں کیں۔ یہ دو لائنیں اسی جرم کا شاخسانہ ہیں، لڑکیاں جب اپنے گھر والوں سے چوری کسی اور سے مراسم بڑھائیں گی تو ایک دن یونہی بلیک میل ہوں گی۔ اس لیے قصور وار میں ہوں، آپ نہیں۔" جذبات کی تیزی اور تلخی میں یک لخت بھاری پن پیدا ہوا، پلکوں میں نمی آتے اب باقاعدہ آنسو رواں ہونا شروع ہو گئے تھے۔

"تو ٹھیک ہے سوار، آپ ابو کے آنے تک یہیں رکیں، جو ہونا ہے آج ہی ہو جانے دیں۔ میں اس سے زیادہ بلیک میل نہیں ہو سکتی، بجائے اس کے ابو میری ایک ہی مرتبہ میں جان لے لیں۔ بس ایک بات یاد رکھیے مسٹر سوار علی۔" اس نے روتی آنکھوں سے سوار کو دیکھ کر انگلی اٹھائی۔ "میں کنعان رفیق ہوں، شازمہ نہیں۔ میری عزت پر آپ کی وجہ سے حرف آیا تو میں کبھی آپ کو معاف نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں۔" وہ اسے چبھتی نظروں سے دیکھتے ایکدم پلٹی اور جالی والا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ اور سوار...... اس کے وجود پر جیسے ٹھنڈی یخ رات میں کسی نے پانی ڈال دیا ہو۔ موبائل نکال کر صدیق کو کال ملائی۔

"ہیلو صدیق، کیا حال ہیں یار!؟"

"میں بالکل ٹھیک، تم سناؤ۔ آج تو ہماری یاد آ گئی۔" صدیق کی آواز میں شوخی اور محبت تھی۔

"ہوٹل میں ہو؟" سوار کی پریشانی کچھ اور تھی۔

"ہاں، ڈیوٹی ہے آج۔"

"رفیق سر ہوٹل میں ہیں یا......"

"ہاں، ادھر ہی ہیں، بات......"

"نہیں، ابھی نہیں، اور ان سے کچھ کہنا بھی مت میرے متعلق، میں کچھ دیر میں کال کرتا ہوں۔" سوار نے اطمینان ہو جانے پر کہ سر ابھی ریسیپشن پر موجود ہیں، فوراً کال کاٹ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل کر تیز قدموں سے گلی چھوڑتے واپسی کے لیے پچھلا راستہ اختیار کیا۔

کنعان کی عزت محفوظ رہی تھی، سوار کی بے احتیاطی نے اس کے دامن پر کوئی داغ نہیں لگایا تھا۔ ایک جنونی آوارہ کے ہاتھوں رسوا و ذلیل ہونے سے بچ گئی تھی۔ لیکن آج مدت بعد سوار نے اپنے آپ کو ایک بار پھر دہیں کٹہرے پایا تھا، جب پہلی مرتبہ اپنا محاسبہ کرنے پر اس نے خود اپنے آپ کو ہی غلط پایا تھا۔ اپنی جذباتیت، دیوانگی اور بے خودی پر

خود کو کوسا تھا۔ پنیاں کی زمین پر قدم جمائے ڈوبتے سورج کی وہ آٹھ شامیں اس نے ہمیشہ یاد رکھی تھیں، جب اس نے اپنے من کی کتاب کو آئینے کی طرح دیکھا اور پرکھا تھا۔ اب وہ مزید اپنے آپ سے نظریں چرا کر کسی کھائی میں نہیں گرنا چاہتا تھا۔ لیکن آج احساس ہوا کہ وہ خود کو نہیں بدل پایا تھا۔ وہ جنونی آوارہ آج بھی اپنی خواہشوں کا غلام تھا۔ اور کنعان ضرور اس جنونی کو پہچان چکی تھی جبھی نہ تو اسے معاف کیا اور نہ ہی دوسری برف باری پر ملنے آئی۔ وہ جس راستے کو چھوڑ چکی تھی، سوار بلاوجہ اس کی خاک چھان رہا تھا، لیکن آج شاید اس خوش فہمی کا باب بھی ہمیشہ کے لیے بند ہوا۔

☆☆☆

''مجھے اپنے فیصلوں کے لیے آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی آئندہ آپ ثمر کو بے سہارا سمجھنے کی بھول کریں۔ یہ اللہ پاک کی مرضی تھی کہ اتنی سی عمر میں اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ پر ماں ابھی موجود ہے۔ باقی میری ذات پر کیچڑ اچھالنے سے پرہیز ہی کریں تو بہتر ہے۔ زمانہ دیکھ رہا ہے مسٹر بلال کہ شوہر کی وفات سے لے کر اب تک میں اپنی والدہ اور سگے بھائی کے ساتھ ہوں۔ اور ایسے سگے رشتوں کے ہوتے مجھے کسی اور ہمدرد کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ زحمت مت کیجیے، میرا اچھا برا سوچنے والے موجود ہیں۔ گڈ بائے۔'' اس نے تنگی سے کہتے موبائل سامنے میز پر پٹخ دیا۔

سوار نے ایک نظر دیکھ کر دوبارہ کمپیوٹر پہ دھیان دیا۔ وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا ثمامہ بڑے جوش و خروش سے موبائل پر بات کرنے میں مصروف تھی۔ وہ وہیں سے واپس پلٹنے لگا تا کہ وہ ڈسٹرب نہ ہو لیکن ثمامہ نے ہاتھ کے اشارے سے اندر بلا لیا۔ لامحالہ وہ دور رکھے صوفے پر بیٹھ گیا اور لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ ثمامہ نے بات مکمل کر کے سر ہاتھوں پہ گرا لیا، سوار خود سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے کام میں لگا رہا۔ چونکنے کی نوبت تب آئی جب کمرے میں ہلکی سی سسکی کی آواز ابھری۔ سوار نے اوپر دیکھا وہ ٹشو پیپر سے اپنی روئی روئی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔ سوار کو کام چھوڑ کر ٹیبل کے نزدیک آنا پڑا۔

''کیا ہوا...... آپ...... ٹھیک ہیں؟'' وہ چاہ کر بھی اس کا نام نہیں لے پاتا تھا۔

''جی، اب ٹھیک ہوں، پریشان نہ ہوں۔'' اس نے زبردستی کی ایک مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور ہاتھ سے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بلال؟'' اس نے بالمقابل بیٹھتے سوالیہ کہا۔

''ہوں......'' ثمامہ اپنی بھیگی پلکیں پیپر ویٹ پر جمائے بہت اداس، خاموش اور بجھی بجھی لگ رہی تھی۔ بلیک چیسٹر کے اندر اس نے تیز انگوری وولن جرسی پہن رکھی تھی۔ بال اونچی پونی میں باندھے وہ لائٹ پنچ میک اپ کیے ہرگز ایک بچے کی ماں دکھائی نہ دے رہی تھی۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' سوار کے انداز میں دوستانہ استفسار تھا، اور ثمامہ نے اسی کو غنیمت جانتے اس مرتبہ تفصیل میں جانے کا فیصلہ کیا کہ اگلے کسی جملے میں موضوع ہی تبدیل نہ ہو جائے، جبکہ یہ سارا ڈرامہ تو اس نے رچایا ہی سوار کو دکھانے کے لیے تھا۔ آفس کی ونڈو سے اسے نزدیک آتا دیکھ کر اس نے فوراً ہی موبائل کان سے لگایا تھا۔ اسکرپٹ وہ پہلے ہی دماغ میں ترتیب دے چکی تھی۔ حالانکہ اب تک کے وقت میں اس کی بلال سے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی وہ اس کی یہاں موجودگی سے واقف تھا۔

''پریشان کر کے رکھ دیا ہے اس بندے نے۔ یقین مانیں سوار۔ اس آدمی کی وجہ سے میں مستقل سر درد کی مریضہ بنتی جا رہی ہوں۔ اُف......'' اس نے شدت سے سر جھٹکا۔ ''کب مانگا تھا میں نے ایسا ویل وشر۔ رشتوں کی لائن لگا دی کم بخت نے، میرے منگنی والے جھوٹ کو تو سیریس ہی نہیں لیا۔''

''تو آپ بھی ہاں کیوں نہیں کر لیتیں، کسی ایک

کے لیے؟"

"جی؟" ثمامہ نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔ سوار کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ ثمامہ البتہ کچھ آنے پر اب کی قدر ناراضی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پلیز مجھ سے ایسا مذاق مت کیا کریں سوار۔ بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"مجھے آپ کا پروپوزل قبول ہے۔" اس بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ ایک سنجیدگی اور متانت جھلکنے لگی تھی۔

ثمامہ کو اپنے مختصر وقت میں ترتیب دیے پلان کے ایسے نتیجہ خیز انجام کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ خوشی سے چکر ہی آ گیا۔

"آ..... آپ سچ کہہ رہے ہیں..... لیکن وہ آپ کی کمٹ منٹ......"

"جی، اب نہیں رہی۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ "امید کرتا ہوں آپ اس سے زیادہ کچھ نہیں جاننا چاہیں گی۔"

"او شیور۔" وہ فوراً سنبھلی۔ "آپ نہ بتانا چاہیں تو مجھے ہرگز کوئی تجسس نہیں، میرے لیے آپ کا کہا اہم ہوتا ہے سوار۔ آپ جانتے ہیں۔"

"اور میرے دل میں اس کی بہت قدر ہے، آپ نے مجھ سے جڑے معاملات میں ہمیشہ صرف میری ذات کو اہمیت دی ہے۔"

"زندگی میں ہم سے بہت سے مواقع پر بہت کچھ ایسا سرزد ہو جاتا ہے سوار، جو ہم کرنا نہیں چاہتے لیکن وقت، حالات اور بعض اوقات ہمارے اردگرد موجود لوگ ہم سے وہ کروا جاتے ہیں جو ہم دل سے کرنا نہیں چاہتے۔ میرے لیے بھی سوار علی کا ماضی اہم نہیں، وہ سوار اہم ہے جو حال میں میرے سامنے موجود ہے۔ ہر گزرتا پل انسان میں نئی تبدیلیوں کو جنم دیتا ہے۔ یہاں اگر اچھے اچھوں کو برا بنتے دیکھا ہے تو کئی بگڑے ہوؤں کو سدھرتے بھی دیکھا ہے، گزرے کل میں آپ کسی اور کے ساتھ تھے تو کچھ اور تھے۔ اور آنے والے کل میں اللہ نے چاہا اور آپ میرے ساتھ ہوئے تو آپ کچھ اور ہوں گے۔ لیکن بہرحال......" وہ بڑی دیر بعد مسکرائی۔ "آپ کی شخصیت کا اپنا بھی ایک رنگ ہے۔ اور مجھے وہی سب سے زیادہ پسند ہے، کیونکہ سوار علی کی اپنی خوب صورتی سب سے جدا ہے، لوگوں نے جسے مسخ کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن اب اس کے نکھرنے کا وقت ہے۔ آج آپ اپنے فیصلے پر شاید میرے جتنے خوش نہ ہوں پر بھروسا رکھیے۔ آپ کو پارٹنر کی صورت صرف ایک دوست ایک "عورت" کا سامنا ہوگا، باس سے کہیں ملاقات نہیں ہوگی۔"

"تھینکس۔" سوار میں اس سے زیادہ اس کے سامنے ٹھہرنے کی تاب نہ تھی۔ ثمامہ اتنی خوش تھی کہ وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہونے لگا۔

"میں ذرا کینٹیریا کا ایک چکر لگا آتا ہوں۔"

"ہوں۔" وہ اپنی مسکراہٹ پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی۔ "میں امی کو بتا دوں، وہ بہت خوش ہوں گی۔" اپنے آپ سے بولتے وہ نمبر ڈائل کرنے لگی اور سوار دل پر ایک بوجھ سا لیے باہر نکل گیا۔ ثمامہ کو سوار کی شخصیت کا پتا نہیں کون سا روپ پسند تھا اس کے نزدیک تو سب ہی رنگ ہمیشہ کے لیے اُڑ چکے تھے۔

☆☆☆

سڑک کنارے ایک دکان پر وہ لکڑی کے ناموں والی کی چین کا اسٹینڈ تھا۔ وہ رک کر بلا ارادہ ہی دیکھنے لگا کہ کیا اس کے نام بھی ہوگا ان میں۔ دماغ نے کہا بہت مشکل ہے۔۔ اور پھر دل میں ارادہ کیا کہ اگلی مرتبہ دکان دار سے آرڈر پر اپنے لیے ایک کی چین بنوائے گا۔ اور ایک کنعان کے لیے بھی۔ اور وہ دوسرا خیال بالکل ہی بے ارادہ بس لمحے بھر کو دل میں ابھرا۔

کچھ خالی لمحوں میں ثانوی حیثیت کی کئی حقیقتیں قطعاً شعور میں نہیں ہوتیں، البتہ کچھ پختہ خیال جو اندر کہیں جڑ پکڑ چکے ہوں وہ لاشعور میں بھی ہمہ وقت

بیدار اور حاوی رہتے ہیں۔ انہیں دانستہ شعور میں لانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سوار کی سوچ نے خود اُسے بھی پل بھر کو حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ کنعان کے لیے اپنائیت بھری سوچ جتنی بے ساختہ تھی، ثمامہ کے حوالے سے اپنے نئے رشتے پر سوچنا اتنا ہی مشکل اور عجیب ثابت ہو رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھا ہی تھا کہ اپنے نام کی پکار نے چونک کر پلٹنے پر مجبور کیا۔

”ارے۔“ نظر صدیق پر پڑی تو وہ مسکرا کر آگے بڑھتے اس سے بغل گیر ہو گیا۔

”تم سے اب کیا اتفاقاً ملاقات ہوا کرے گی۔ ہوٹل آنا ہی چھوڑ دیا۔“ دونوں مال روڈ پر آہستہ روی سے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

”بس یار۔ ہوٹل کی مصروفیت کو تم سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے، تم سناؤ کسی کام سے نکلے تھے؟“

”ہاں، یہ کچھ ڈرائی فروٹ لینا تھا۔ لیکن زیادہ ٹائم نکال کر آیا ہوں۔ رفیق سر اور قاسم ریسپشن پر موجود ہیں، میں نے کہا تھوڑا گھوم پھر کر آؤں گا۔“

”تو چلو، یہیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں، ذرا گپ شپ ہی ہو جائے گی۔“ وہ اسے سڑک پار کے اس دو منزلہ کیفے ٹیریا میں لے آیا جس کی اوپری منزل سے مال روڈ کا نظارہ معمول سے زیادہ حسین دکھائی دیتا تھا۔

”میں سوچ رہا تھا صدیق میاں۔ اب اپنی شادی پر بلاؤ گے۔ تمہاری منگیتر ویسے تنگ نہیں آتی تمہاری باتوں سے۔ اور کتنا پکاؤ گے بے چاری کو۔“ سوار نے چھیڑا تو صدیق بے چارے کو جواباً بس قہقہہ ہی سوجھا۔

”بس اب چند مہینوں تک بڑی سسٹر کی شادی ہے، پھر اس کے بعد ہی......“

”اور...... جاوید صاحب کیسے ہیں۔ اور قاسم...... رفیق سر......“ سوار کا لہجہ بے اختیاری دھیما ہوا۔

”جاوید صاحب کی بھی بیٹی کی شادی تھی پچھلے دنوں۔ قاسم بالکل ٹھیک ہے۔ اور رفیق سر کی طبیعت بھی بہتر ہے، اب تو خوش دکھائی دیتے ہیں۔ کنعان بی بی کی رشتے کی بات چل رہی ہے۔“

”ہوں......“ اسے گرم کافی کا گھونٹ بری طرح حلق میں پھنسا۔

”یار۔ اپنے قاسم کا سالا ہے۔ وہ بھی کشمیری ہیں ناں، لڑکا بہت قابل ہے۔“

”رشتہ...... ہو گیا ہے؟“ اس کا چہرا دھواں دھواں ہونے لگا۔

”فی الحال تو آنا جانا لگا ہوا ہے، لیکن میرے خیال سے دونوں طرف سے پسندیدگی اور رضامندی دکھائی دیتی ہے، ہو جائے گا ان ہی دنوں کے اندر۔“ وہ لاپرواہی سے اپنی کہنے میں مگن تھا۔

”ہر طرف رشتوں شادیوں کا موسم چل رہا ہے، تم سناؤ کب جوائن کر رہے ہو؟“

”فی الحال تو بس کام پر لگے ہیں۔“ سوار ہلکا سا مسکرا کر رہ گیا۔ اپنے اور ثمامہ کے رشتے پر بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔

”میں اور قاسم تو آپس میں کہہ رہے تھے تمہارے ابا جی ضرور اسی سلسلے میں آئے ہوں گے۔ سناؤ پھر ملاقات ہوئی تھی، تمہارا پتا پوچھ رہے تھے۔“

”ہوں۔“ وہ اب اور کیا کہتا، بس سر ہلا دیا۔

”مجھے تو یقین کرو ان کے جانے کے بعد پتا چلا کہ تمہارے والد صاحب تھے۔ بہت افسوس ہوا کہ ان سے بات ہی نہیں ہو پائی ویسے جتنے تم ماڈرن ہو، انہیں دیکھ کر کوئی کہہ بھی نہیں سکتا تمہارے ابا جی ہو سکتے ہیں۔“ صدیق اس کے ظاہری حلیے کا موازنہ کرتے ہنس رہا تھا۔ ”حالانکہ پہلی بات ان کی مجھ سے ہی ہوئی، لیکن مولانا صاحب کے حلیے میں اندر داخل ہونے والا وہ اونچے لمبے کمزور سے شخص تمہارے والد ہو سکتے ہیں، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کاؤنٹر پر بس اتنا ہی کہا کہ کسی بڑے بزرگ سے ملوادو۔ تب بھی

تمہارا نام لے لیتے تو بات بڑھانے میں آسانی ہوتی۔ تم تو ویسے داڑھی والے ہو کر بھی مولانا نہیں لگتے۔" وہ اپنی روانی میں بولتے اس کی ٹانگ کھینچ رہا تھا جبکہ سوار سنجیدہ صورت لیے ایک ٹک بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ ماتھے پر پرسوچ سی شکن تھی۔

"کیا حلیہ بتایا صدیق...... ذرا دھیان سے خوب سوچ کر بتاؤ۔"

"کیوں...... خیریت؟" صدیق کو اس کے ایکسپریشن حیران کر رہے تھے۔

"بتاتا ہوں، پہلے تم میری بات کا جواب دو، لیکن پورے یقین کے ساتھ......"

"یار۔ گھنی...... ایک دم کالی داڑھی تھی۔ سر پر کالی نکاح خوانوں جیسی ٹوپی تھی۔ کندھے پر چیک والا رومال، قد تم سے بھی کچھ نکلتا ہوا سا، بالکل جیسے اپنے قاسم کا ہے، بہت کمزور جسامت کے جھکے کندھوں والے۔" صدیق میز پر نظریں جمائے ذہن پر زور دیتے ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا اور سوار بے یقینی سے لب بھینچے ہکا بکا سا بیٹھا تھا۔

"یہ میرے والد نہیں ہو سکتے۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"کیا مطلب...... تم بھی تو ان سے ملے ہو۔" صدیق کی تو خاک سمجھ میں نہیں آیا۔

"نہیں......" سوار مسلسل سر کو نفی میں ہلا رہا تھا۔ "میں نہیں ملا...... صدیق میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"ہاں، بولو۔"

"سی سی ٹی وی کیمرا تو اب بھی ہوتے ہوں گے، مجھے اس روز کی ویڈیو چاہیے۔ وہ میرے ابا جی نہیں ہو سکتے۔ مجھے بھی رفیق سر سے پتا چلا تھا کہ میرے والد صاحب آئے ہوئے ہیں، لیکن مجھ سے وہ نہیں ملے۔ مجھے لگ رہا ہے یہ کوئی اور شخص ہے۔" سوار اب مسلسل جیسے اپنے آپ سے بات کر رہا تھا۔

"لیکن کیوں سوار۔" صدیق بھی تشویش سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ "کسی کو تمہارا والد بن کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"وہ تو نہیں معلوم، لیکن نہ تو میرے ابا جی طویل قامت ہیں نہ ہی کمزور جسامت کے۔ وہ ایک درمیانی قد کے قدرے بھاری جسامت کے مالک شخص ہیں۔"

"پھر تو واقعی تمہیں ویڈیو دیکھنے کی ضرورت ہے، لیکن سوار اتنی پرانی ویڈیو، مطلب تاریخ وغیرہ۔"

"ستائیس دسمبر۔" سوار نے فوراً جواب دیا۔ وہ بھلا اتنی اہم تاریخ کیسے بھول سکتا تھا۔ اسی دن ہی تو وہ میاں جی کے ساتھ کنعان کا رشتہ لے کر گیا تھا۔

"لیکن سوار۔ کوئی اور شخص کیوں آ کر ایسے دھڑلے سے جھوٹ بول جاتا ہے۔ اور......"

"یہی نہیں صدیق۔ وہ شخص میرے حق میں اور بھی بہت کچھ برا کر گیا ہے۔" سوار نے ایک گہرا سانس خارج کرتے بہت کچھ صدیق سے شیئر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ کوئی بہت بڑا کھیل کھیلا گیا تھا۔ صدیق کی مدد کے بغیر اس کے لیے آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا۔ پھر وہ بلاشبہ ایک بھروسا مند دوست تھا۔

"میری بات دھیان سے سنو صدیق۔" سوار کرسی پر آگے کو ہو بیٹھا، صدیق کے چہرے پر بھی گمبھیر سنجیدگی تھی۔

"سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ اس سب کے بارے میں سوائے ہم دونوں کے کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے خصوصاً رفیق سر کو بالکل نہیں دراصل...... وہ مجھ سے تھوڑے خفا ہیں، میں آج کل ان ہی کی وجہ سے ہوٹل کا چکر بھی نہیں لگا پاتا۔"

"اچھا؟" صدیق کو اچنبھا ہوا۔ "لیکن سر تو تمہیں کتنا پسند کرتے ہیں۔ پھر......"

"میں کنعان کا رشتہ لے کر گیا تھا۔"

"ہیں؟" صدیق ایک جھٹکا کھا کر پیچھے ہوا، گول آنکھیں پوری پھیل گئی تھیں۔ سوار کو اس کے

ہونق پن پر ہنسی آگئی۔
"ہاں اور میری خوش بختی دیکھو، عین اسی روز یہ جعلی باپ اچانک کہیں سے نکل کر رفیق سر کے وہ وہ کان بھر گیا کہ ایک بس گولی سے اڑا نہیں دیا سر نے مجھے۔" سوار کی طبیعت دل کا بوجھ ہلکا کرتے جانے سے ساتھ ساتھ بشاش ہونے لگی تو خود اپنی ہی ٹانگ کھینچنے لگا۔
"ارے تو تم رفیق سر سے سی سی ٹی وی والا معاملہ کیوں چھپانا چاہتے ہو، انہیں تو سب سے پہلے خبر ہونی چاہیے کہ......"
"ہاں تبھی بتا دیں گے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو باتیں وہ جعلی بندہ کر کے گیا اس میں سے کافی کچھ صحیح ہیں۔ پہلے مجھے معلوم تو کرنے دو کہ یہ میرا کون سا دشمن ہے جسے میرے ماضی سے متعلق سب کچھ معلوم ہے، حتیٰ کہ یہ بھی کہ عین اسی روز میں ان کے ہاں رشتہ لے کر جانے والا ہوں۔"
"باتیں اس نے سب وہی کہیں جو میرے وہاں سے نکلنے کے بعد وہاں پھیلی ہوں گی۔ لیکن آتا وہ سیدھے رفیق سر کے پاس ہے۔" سوار کی کشادہ پیشانی اب شکنوں سے پر تھی، خود کلامی کے انداز میں بولتے، بہت کچھ ساتھ ساتھ خود بھی اخذ کر رہا تھا۔
"سوچو صدیق۔ یعنی کاؤنٹر پر اتنی احتیاط کہ تم لوگوں کے سامنے وہ میرا نام بھی نہیں لیتا، اور پھر رفیق سر کے سامنے ایک دم اول سے آخر تک ساری اسٹوری سنا ڈالی۔ اور میں بھی کتنا احمق ہوں......" وہ دو انگلیاں لبوں پر پرسوچ انداز میں رکھے گہری نظروں سے صدیق کو دیکھ رہا تھا۔
"میں نے اب تک یہ ہی نہیں سوچا کہ آخر اباجی یہاں کیوں آئیں گے، جبکہ زندگی بھر میری صورت تک نہ دیکھنے کی قسم کھائے ہوئے تھے۔ اور چلو مان لیا کہ میری محبت میں ہی کھنچے چلے آئے تو انہیں رفیق سر کو اتنا سب کچھ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور ویسے بھی میں اباجی کی طبیعت سے خوب واقف ہوں، وہ تو نارمل سے بھی کہیں زیادہ کم گو ہیں۔ پھر یوں بھی اپنی اولاد کی جگہ جگہ کون بدنامی کرتا پھرتا ہے۔ خیر......" اس نے پھر ایک گہری سانس کھینچتے سر جھٹکا۔
"وہ سب کچھ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم میرا ویڈیو والا کام کرو۔ بنا اس آدمی کو دیکھے آگے بڑھنا فضول ہے۔"
"اچھا یقین ہونے کے بعد تو سر کو بتاؤ گے نا۔ یار، وہ تو کنعان بی بی کا رشتہ طے کر دیں گے۔" صدیق کے لہجے سے واضح پریشانی جھلکی تو سوار نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"تمہیں اچھا لگا تھا سن کر......؟"
"بہت زیادہ۔" صدیق نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ "سن کر یوں لگا جیسے......" وہ سوچنے کے لیے رکا۔ "جیسے کہ یہ تو ہونا ہی تھا، تم اور کنعان...... سچ میں، کچھ لیلیٰ مجنوں والی فیلنگ آرہی ہے۔"
"ہاہاہا۔"
سوار کو صدیق کی جذباتیت اتنی پیاری لگ رہی تھی، لگے کو یوں لگا، جعلی باپ بھی پکڑا گیا، رفیق سر کی غلط فہمیاں بھی دور ہو گئیں اور کنعان۔ اس نے بے ساختہ آنکھیں بھینچ لیں۔ دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا اس ایک نام پر۔ اس نے آنکھیں کھولتے نرمی سے ہاتھ کھینچے، پھر رسان سے مسکرا دیا۔
"تم کچھ زیادہ دور نکل گئے ہو میرے بھائی۔ میں نے ویسے یہ رشتہ رفیق سر سے اپنی انڈر اسٹینڈنگ کی بنا پر مانگا تھا۔ کنعان بی بی بلاشبہ بہت اچھی ہیں، مجھے ہر لحاظ سے پسند ہیں لیکن یہ لیلیٰ مجنوں جیسا کوئی معاملہ نہیں۔" کنعان کا غصہ، اس کی عزت کے حوالے سے کی گئی باتیں، رسوائی کا خوف۔ پس منظر میں دوڑنے لگے۔ سوار نے جان بوجھ کر محتاط الفاظ کا چناؤ کیا
"یار، اگر یہ جعلی ابا بیچ میں نہ آتا تو رفیق سر

لازمی تمہیں ہاں بول دیتے۔ میں تو آج ہی ویڈیو نکال لیتا ہوں، آج میری نائٹ ڈیوٹی ہے، لیکن تمہیں کیسے دکھاؤں؟"

"تم یوں کرو رفیق۔ سر جونہی آخری راؤنڈ لے کر گھر چلے جائیں، پہلے تم ویڈیو نکالو، پھر مجھے کال کر کے وہیں بلا لینا۔ ٹائم کی پروا مت کرنا، جتنا بھی لیٹ ہوا میں آجاؤں گا۔"

"ہوں، یہی ٹھیک ہے۔" صدیق اور وہ ایک ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

کینٹے میریا سے صدیق اپنے راستے کو چلا گیا اور آج جیسے بڑی مدت بعد دل میں ڈھیر ساری امیدوں کے چراغ جلائے، اس کے قدم رواں اور چال میں ایک پھرتی دکھائی دیتی تھی۔

☆☆☆

"آج تو اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں، تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔" دیا غضب ناک آنکھیں دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے سخت طیش کے عالم میں اسے گھور رہی تھی۔

"سخت تعجب ہے ویسے مجھے انکل پر۔ جنہیں تمہاری ہلدی رنگت ہی دکھائی نہیں دیتی۔ حد ہو گئی، یعنی کہ کشمیر بھیجنے کی سوچ بیٹھے ہیں، اور بیٹی ہے کہ دو قدم چل کر دروازے کی کنڈی نہیں کھول سکتی۔"

کنعان نے اس کی نان اسٹاپ باتوں کے جواب میں بس ایک خاموش نگاہ ہی ڈالی تھی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو کنعان۔" وہ جیسے تھک کر اس کے نزدیک آ بیٹھی، نہایت دکھ سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ کون سوچ سکتا تھا اس زرد رنگت کو دیکھ کر کہ چند دن پہلے تک یہ لڑکی سفید اور گلابی سی ہوا کرتی تھی۔ "ایک بار ہاں کہو کنعان۔ میں ابو کے ذریعے انکل کو کنوینس کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ دیکھنا وہ ضرور اپنے فیصلے پہ غور......"

"تم کچھ کہہ رہی تھیں آتے ساتھ ہی۔" کنعان نے ٹھنڈے لہجے میں یاد دلاتے بکھرے بال کیچر میں سمیٹے، اٹھ کر کمبل کو تہہ لگاتے بستر سیٹ کرنے لگی۔ بڑے دنوں سے طبیعت میں عجیب سی سستی اور بھاری پن جیسے گھس ہی گیا تھا۔ دیا کے آنے کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ بستر سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"باہر بہت اچھی سی دھوپ نکلی ہے، میں سوچ رہی تھی کچھ شاپنگ وغیرہ کر آتے۔"

"آج؟" کنعان نے رک کر کچھ دیر سوچا۔ دیا کا دل رکھنے کو دل تو چاہا لیکن......

"ارے پلیز، یہ لیکن ویکن نہیں۔" دیا نے ہاتھ جوڑے۔

"بھئی، میں کہہ رہی ہوں، آج نہیں۔ آج میں اپنے چھوٹے موٹے سامان کی لسٹ تیار کرتی ہوں۔ کل صبح ضرور......"

"چلو۔" دیا نے کندھے اچکائے۔ "یہ بھی بڑی مہربانی، لیکن دیکھو، کل کوئی بہانا نہیں۔"

"ہوں۔ اوکے۔" کنعان بھی مسکرادی۔

☆☆☆

ویڈیو بھی مل گئی، یہ یقین بھی ہو گیا کہ وہ محض کوئی اور تھا۔ لیکن اتنے اہم ثبوت کے بعد بھی اس کے ہاتھ کوئی واضح کامیابی نہ لگ سکی تھی۔ سوار کے لیے وہ شخص قطعی اجنبی تھا۔ یہ صورت نہ تو اس نے ہری پور میں کبھی دیکھی تھی نہ ہی مری میں۔ اب کون تھا اور اس کے متعلق کیسے ہر بات جانتا تھا اور عین وقت پر اس نے کیوں اس کے اور کنعان کے رشتے میں رخنہ ڈالا تھا۔ سوار بالکل سمجھنے سے قاصر تھا۔ رفیق سر کو بتانے سے بھی کیا حاصل ہونا تھا۔ تمامیہ ادھر زور و شور سے شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی، اور وہ جو کئی معاملات میں اس کا ممنون احسان تھا، خود میں ہرگز یہ جرأت نہیں پاتا تھا کہ رسے تڑا کر کہیں بھاگ جائے۔ پہلی کوشش یوں بھی کنعان کو یہ یقین دلانا تھی کہ وہ اس کی راہ سے ہٹ چکا ہے۔ تب ہی ایک میسج کر کے دیا کو بھی اپنے رشتے کا بتا دیا تھا۔ اور اب یقیناً ان سب باتوں میں کچھ نہیں رکھا تھا۔ رفیق سر اس کی

کشمیر میں کہیں اچھی جگہ شادی کروا رہے تھے۔ کسی قسم کی مداخلت ایک بار پھر اسے رفیق سر اور کنعان کی نظروں میں برا بنا دیتے۔

صدیق البتہ اس کے سرد رویے سے سخت ناخوش تھا، یہ جان لینے کے بعد کہ ہوٹل میں والد بن کر آنے والا شخص جعلی تھا وہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا ہر بات انہیں بتا دینا چاہتا تھا۔ لیکن سوار کی مجبوری یہ تھی کہ وہ چاہ کر بھی بہت سی باتیں صدیق کو نہیں بتا سکتا تھا۔ تنگ آ کر یہی کہہ دیا کہ وہ اب کہیں اور شادی کر رہا ہے۔ جواباً صدیق نے ڈھیر ساری گالیوں سے نوازتے موبائل آف کر دیا۔ اور سوار نے مسکراتے ہوئے برف پوش چوٹیوں کو دیکھا۔

اس نے جب برف پہ منزل کا پتا لکھا تھا
ہم نے کیوں دھوپ کے موسم میں سفر رکھا تھا

سر جھٹک کر وہ شیشے پار کے منظر سے واپس آیا۔ پیٹرا ان کی دوسری منزل سے نظر آتا گلاس وال کے باہر کا منظر اول روز سے سوار کی فیورٹ جگہ تھی۔ اس جگہ سے مال روڈ کی رونقیں نہیں بلکہ ناظمہ کوکنگ اکیڈمی کو جاتا پرسکون خاموش راستہ، چیڑ اور اخروٹ کے درخت اور نیچے جنگل نظر آتا تھا۔ سوار نے ایک آہ کھینچتے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ثمامہ نے آج اسے خصوصی یاددہانی کی تھی مارکیٹ جانے کی۔ اسے اپنے لیے تھری پیس سلنے دینا تھا۔ ثمامہ نے اپنے برائیڈل ڈریس کی مناسبت سے اس کے لیے فان کلر پسند کیا تھا۔ اس کی ہدایات سن کر آفس سے باہر نکل کر بجائے مارکیٹ جانے کے وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر چلا گیا تھا۔ ثمامہ کی ساری گفتگو آج کل بس شادی کے گرد ہی گھومتی تھی اور وہ سوائے بے بسی محسوس کرنے کے اور کچھ نہ کر پاتا۔ ہمیشہ ہی اسے اپنی غلطیوں کی کڑی سزائیں ملی تھیں۔ نہ وہ اس رات دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کنعان سے ملنے جاتا نہ کنعان اسے اتنا ذلیل و رسوا کرتی کہ غصے میں آ کر وہ ثمامہ کو حامی بھر بیٹھتا۔ اوپر سے کم بخت وہ بلال۔ اس نے بھی عین اسی موقع پر ثمامہ کو رلانا تھا۔ سوار جانتا تھا ایک بار پھر وہ اپنے ایک جذباتی فیصلے کی نذر ہونے جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ثمامہ نے اس سے شادی کی تاریخ پر بات کی تھی۔ اپنی طرف سے اس نے دو ہفتے بعد کا ایک سنڈے منتخب کیا تھا۔ سوار بس بت بنا اسے سنتا رہا تھا۔ رشتہ ہونے کے بعد شادی۔ اور وہ بھی اس قدر جلد۔ معلوم نہیں پہلے اس نے کیوں ان سب باتوں پر دھیان نہیں دیا۔ بس کنعان کی دلجوئی باقی ہر احساس پر یوں حاوی ہوئی کہ اسے ثبوت فراہم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں سوجھا۔

تو اب...... یعنی ثمامہ کی بات مانے بنا چارہ نہیں تھا۔ اس بار وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا، ایک غائب نظر ہال، کچن اور عملے کے معمولات پر ڈالتے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ مال روڈ کی طرف تھا۔ تھری پیس کے آرڈر کے لیے ٹیلر کے پاس جانا نہایت بیزار کن لگا، سوچا اپنے لیے براؤن لیدر شوز ہی دیکھ لے، وہ بھی اس لیے کہ یہ ثمامہ کی فرمائش نہ تھی بلکہ اسے اپنے لیے ایک جوڑی بوٹوں کی اشد ضرورت تھی۔ اب بظاہر اتنی معمولی سی بغاوت کا کچھ حاصل وصول نہ تھا لیکن ثمامہ کی بات نہ مان کر اسے بلاوجہ ایک تسکین ملی تھی۔ اب اللہ کو خبر اطاعت گزار شوہر کی خواہش کرنے والی ثمامہ کی آئندہ لائف کیسی گزرنے والی تھی۔

☆☆☆

پہلی جگہ تو کچھ بھی خاص پسند نہیں آیا، وہ تھوڑا آگے ایک دوسری شاپ کی طرف بڑھتے کافی لینے روڈ کنارے رک گیا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے یونہی دائیں بائیں دیکھتے نظر ایک شناسا سا چہرے پر پڑ کر پلٹ گئی۔ سوار کے ذہن میں کلطے کو کچھ لپک کر معدوم ہوا۔ لمبوترے چہرے، پراسرار آنکھوں اور لمبے قد والے اس آدمی سے وہ پہلے بھی کہیں بھڑ چکا تھا۔

آدمی نزدیک آتے عجلت بھرے قدموں کے ساتھ پاس سے گزر گیا۔ اس نے سوار کو نہیں دیکھا تھا، دیکھ لیتا تو معلوم نہیں پہچان بھی پاتا کہ نہیں۔ لیکن سوار اسے اچھی طرح پہچان چکا تھا، وہ جمشید کا دوسرا ساتھی آدم خان تھا۔ سوار نے کافی لینے کا ارادہ وہیں ترک کرتے اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔ آدم خان محتاط انداز میں نظریں کسی ایک مرکز پہ جمائے ارد گرد سے قطعی بے نیاز قدرے اوٹ لے کر اب کھڑا ہو گیا تھا۔ سوار کو اس کے انداز سر سے پیر تک مشکوک لگے۔ اس نے آدم خان کی نظروں کے تعاقب میں سڑک پار نگاہ دوڑائی، درمیان میں اگرچہ آنے جانے والوں کا رش بھی تھا لیکن آدم خان کی نظریں دوسری جانب کی ایک دکان پر لگی تھیں۔ سوار بھی آدم کو دیکھنے لگتا تو کبھی اس دکان کو، پر کچھ ہی دیر میں اس نے محسوس کیا کہ آدم کی نظریں اس دکان سے ہٹ کر اگلی پہ جا لگی تھیں۔

تو مطلب وہ دکان پر نہیں، وہاں کھڑے کسی خاص بندے پر...... اور اس مرتبہ سوار کی سڑک پار والی دکان کی طرف اٹھیں تو وہیں پتھر ہو گئیں۔ ڈسپلے کی لیڈیز شرٹس پر تبصرہ کرتی وہ دو لڑکیاں جو کچھ دیر پہلے پچھلی شاپ پر کھڑی تھیں اور جن کی پشت سوار کی جانب تھی، کوئی اور نہیں دیا اور کنعان تھیں۔ اور آدم خان...... سوار کا دل جیسے حلق میں آکر بیٹھ گیا۔ آدم خان کنعان کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ دونوں مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھیں اور آدم خان اپنی جگہ سے شکار کی طرف بڑھتی بلی کی طرح دبے پاؤں کچھ اور آگے بڑھا۔ سوار اس وقت آدم سے قریب دس بارہ قدم پیچھے تھا۔ کنعان کو آدم کی موجودگی کی کچھ خبر نہ تھی۔ سوار نے محتاط انداز میں سڑک پار کی اور اب وہ کنعان کی عین پشت پر تھا، کچھ یوں کہ آدم خان اگر جیب سے ریوالور وغیرہ نکالنے کی نیت پر تھا تو کنعان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

"دکان کے اندر چلو کنعان، فوراً......" وہ بنا سنبھلنے کا موقع دیے اس کے کان میں بولا اور کنعان جس نے اب سے پہلے سوار کو دیکھا تک نہیں تھا، حیرت کا ایک سمندر اپنی موٹی آنکھوں میں لیے اسے تک رہی تھی۔

"ہری اپ کنعان، دیا...... شاپ میں گھس جائیں۔ جمشید کا آدمی تمہارے پیچھے ہے۔"

اس مرتبہ سوار نے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کنعان کو اندر کی طرف دھکا دیا اور جمشید کے نام پر کنعان بھی جیسے پہلے جھٹکے سے باہر آئی۔ سوار اس دوران فوراً پلٹ کر تقریباً بھاگتے ہوئے آدم خان کی طرف لپکا تھا۔ اور آدم خان نے مختصر دورانیے میں ہی سوار کو پہچان کر بنا سوچے پنڈی پوائنٹ کی طرف دوڑ لگا دی، سوار کے اس تک پہنچنے تک وہ اس سے آٹھ دس قدم آگے نکل چکا تھا۔ لوگ حیرت سے دو اونچے لمبے آدمیوں کو سرپٹ دوڑتے، رک رک کر اور پلٹ کر دیکھنے لگے تھے۔ کنعان کے جسم میں خوف کی سنسنی خیز لہر دوڑی۔

"چلو کنعان۔ گھر بھاگ چلیں۔" دیا نے گھبرا کر اس کا بازو دبوچا۔

"سوار......" وہ انگلی اٹھا کر پنڈی پوائنٹ کی طرف منہ کیے ان دونوں کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھ رہی تھی۔

"ابھی چلو کنعان۔ پتا نہیں وہ آدمی اکیلا تھا یا اس کے کوئی ساتھی بھی آس پاس موجود ہیں، ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا چاہیے۔" دیا خود بری طرح پریشان ہو چکی تھی۔ ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔

"گھر پہنچ کر سوار بھائی کو کال کر لیں گے۔" وہ اب زبردستی کنعان کو جی پی او کی طرف کھینچ رہی تھی جیسے اگر ہاتھ چھڑوا دیا تو وہ سوار کے پیچھے دوڑ لگا دے گی۔

☆☆

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

روروکے اس نے آنکھیں سجالی تھیں۔ رات کا کھانا بھی گول کر دیا تھا۔ اٹوائی کھٹوائی لیے صبح سے پڑی تھی۔ امی نے کتنی ہی بار اس کی منتیں کر لی تھیں کہ کھانے سے کیا ناراضی مگر اس نے ان کے ہاتھ کا نوالہ ہاتھ سے پرے کر دیا تھا اور پھر سے چھکوں پھکوں رونے لگی تھی۔

''بس کر دے اب، چپ کر جا، کوئی مر نہیں گیا تیرا جو یوں آنسو بہا رہی ہے۔'' امی نے بھی زچ ہو کر ہاٹ پاٹ کا ڈھکن بند کر دیا تھا اور سالن دوبارہ ہنڈیا میں ڈال آئیں۔

''دوسری بھی بیٹی ہے اس گھر میں مگر اس نے اس کے جیسی ضد کی نہ فیشن۔ اس کے تو مزاج ہی نہیں ملتے۔

''ہاں بہت فیشن کر رہی ہوں نا میں۔ چست پاجامے ٹائٹ قمیص پہن کر سینے پر لمبے بالوں کی دو چوٹیاں ہی تو لہرائے پھر رہی ہوں میں۔'' وہ جل ہی تو گئی۔

''دیکھ ذرا اس کو، شرم نہیں آتی۔ ماں کی چار تصویریں کیا دیکھ لیں۔ جب سے اس کے طنز ہی نہیں ختم ہو رہے۔''

امی کی بات سن کر راحیلہ کی ہنسی نکل گئی۔

''ویسے امی وہ چار نہیں بے شمار تصویریں ہیں جو آپ نے نانی، خالاؤں اور ممانیوں کے ساتھ بنوائی ہیں۔ اور سب خواتین کم و بیش اسی حلیے میں ہیں۔''

''تو بھی مل جا اس کے ساتھ، خوب مذاق اڑاؤ ماں کا۔ طعنے دو، طنز کرو۔ یہی دن دیکھنے باقی رہ گئے تھے۔''

''ارے امی آپ تو خفا ہو گئیں میں تو ویسے ہی آپ کو چھیڑ رہی تھی اور اپنی اس یارو کا دکھ کم کر رہی تھی۔'' راحیلہ نے پیار سے انیلا کے چہرے پر سے آئے بال ہٹائے جو اب منہ پھلائے پڑی تھی۔

''ویسے بھیا نے اچھا نہیں کیا اس بے چاری کے ساتھ۔ کتنی محنت سے پورے دو مہینے لگا کر ناخن

حمیرا نوشین

لمبے کیے تھے۔ کیا کیا ٹوٹکے نہ کیے تھے اس نے۔ نجانے لہسن کی کتنی پوتھیاں ان ناخنوں پر گھسائی تھیں۔ جب مطلوبہ مقام تک پہنچے تو بھیا نے ان کا قتل عام کر دیا۔'' اس نے انیلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آپی آپ تو میرا دکھ جانتی ہیں ناں۔ آپ نے تو میرے ناخنوں کے ٹوٹ جانے اور خراب ہونے کے ڈر سے میرے ذمے برتن دھونے تک کا

کام لے لیا تھا۔ اور پھر عابدہ کے ساتھ میں نے شرط لگائی تھی کہ تم سے لمبے ناخن کر کے دکھاؤں گی۔ اب جب کالج جاؤں گی تو دیکھنا ان گنجی انگلیوں کو دیکھ کر وہ میرا کیسا مذاق اڑائے گی۔ کتنی احتیاط کیا کرتی تھی میں کہ بھائی کی نظروں سے یہ بچ جائیں مگر کہاں جی۔ ان کی چیل نگاہوں سے کوئی چیز بچ سکتی ہے بھلا؟ اور پھر تھوڑے، بہت بھی نہیں رہنے دیے جڑوں سے کٹوائے۔ ہائے اب میں عابدہ کا سامنا کیسے کروں گی۔" وہ پھر سے رو دی۔

"ناخن رکھنا کوئی اچھا عمل نہیں۔ مکروہ ہیں یہ۔ کہہ دینا کل مدرسے والی باجی کا بیان سنا تھا۔ ناخن بڑھانے کے ایسے ایسے عذاب گنوائے کہ میں گھر آتے ہی ان کا تیا پانچہ کیا۔ کیا پتا اس کو بھی سن کر شرم آ جائے اور ▪ بھی اپنے چڑیلوں والے ناخن کاٹ دے اور ثواب تیرے حصے میں آ جائے۔" امی نے سادہ سی بات کہہ کر اس کی بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ وہ بھی رونا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب کہاں چلی؟"

"کچن میں جا رہی ہوں، تھوڑا بہت کھا لیتی ہوں ورنہ پھر آپ کو میری فکر ساری رات ستائے گی۔"

"میری پیاری بہنا۔ تم امی کے پاس بیٹھو میں تمہارے لیے یہیں کھانا لے آتی ہوں۔" راحیلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر امی کے پاس بٹھایا اور خود کچن میں کھانا لینے چل دی۔

☆☆☆

"امی۔ خدا کے لیے بھیا کی منت کر لیں، آپ کی بات مان جائیں گے۔ میں صرف تھوڑی دیر کے لیے عابدہ کی مہندی میں جاؤں گی، جلدی آ جاؤں گی۔" وہ ماں کی منتیں کر رہی تھی۔ اور رخسانہ کی ایک ہی بات۔

"میں نہیں کر رہی اس سے بات۔ رات کو نکلنے کی اجازت میرا دل بھی نہیں دیتا۔ چپ کر کے بیٹھ۔ جانے دے ساری دوستوں کو۔ ہر گھر کا اپنا ماحول ہوتا ہے۔ نہیں ہے ہمارے گھر راتوں کو بیٹیوں کو نکلنے کی اجازت۔" وہ اسے صاف انکار کر کے پھر سے اپنے کام میں جت گئیں۔

"زندگی تنگ کر دی ہے آپ نے اور بھیا نے مل کر ہم بہنوں کی۔ جب تک وہ جابر بھائی گھر پر ہوتے ہیں ہم اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتے۔ فیشن کے کپڑے ہم زیب تن نہیں کر سکتے، جو آپ نے لا دیا پسند آئے نہ آئے پہننا وہی ہے۔ بال کٹوانے کی ہمیں اجازت نہیں۔ سر سے دوپٹا اترا تو فاحشہ عورت کے مقابل آ جائیں گی۔ اسکول، کالج سے گھر تک کے راستے کے علاوہ ہمیں کسی گلی، محلے، اور سڑک سے شناسائی نہیں۔ کسی دوست کے گھر ہم نہیں جا سکتے۔ امیر لڑکی ہے دوستی کی ہمیں اجازت نہیں نہ وہ ہمارے گھر آ سکتی۔ کیا زندگی ہے یہ امی، اس سے تو اچھا تھا گلا گھونٹ کے دفنا دیتیں بچپن میں ہمیں۔" وہ بہت تلخ ہو گئی تھی۔

"بہت زبان دراز ہو گئیں تم، قینچی کی طرح چلنے لگی ہے یہ زبان۔ کاٹنی پڑے گی۔" رخسانہ نے سلائی کرتے کرتے اسے گھورا تھا۔

"امی ایک بات بتائیں، آپ بڑی ہیں اس گھر کے فیصلے آپ کو کرنے چاہئیں۔ آپ بھائی کی ہاں میں ہاں کیوں ملاتی ہیں۔ انہوں نے جو کہہ دیا آپ کے لیے حرف آخر ہو گیا۔ آپ ان کی باتوں سے نفی کیوں نہیں کرتیں۔" وہ ماں کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

رخسانہ نے سلائی مشین روک کر اسے بغور دیکھا تھا۔ یک دم آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ ان کے دل کا ٹکڑا تھی وہ، اس کی ہر خوشی سے انکار کرتے، اس کو افسردہ اور روتے دیکھ کر ان کا دل کانچ کی طرح ٹوٹ کے بکھرتا تھا۔ اس کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوتے تھے۔ ان دونوں کی نا آسودہ خواہشیں ان کی نیندیں اڑا دیتی تھیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو مرتے دیکھ کر وہ اندر سے مر جایا کرتی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں اس کی

بات ماننے سے انکار کرنا پڑتا تھا۔ آنسو خود بخود ان کے گالوں پر قطار بنائے چلے آ رہے تھے۔

''امی آپ رو رہی ہیں؟'' راحیلہ بھی اٹھ کر ماں کے پاس چلی آئی۔

انیلا بھی ماں کو روتے دیکھ کر سہم گئی تھی۔

ان کی ماں تو بڑی مضبوط تھی۔ بڑے سے بڑا دکھ بھی اپنے چہرے پر ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔ پھر آج اس کی چند باتوں کے جواب میں یہ آنسو کیوں؟''

''امی پلیز چپ کر جائیں۔ میں...... میں قسم کھاتی ہوں آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گی۔''

انیلا کو ماں کے آنسو تکلیف دے رہے تھے

انہوں نے اس کے گلابی گال پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔

''تمہیں اپنی خواہشوں کے رد ہو جانے پر دکھ ہے ناں؟ تو سنو، جب باپ کا سایہ سروں پر نہ ہو تو پھر بیٹیوں کو زمانے کی تپش سہنی پڑتی ہے۔ ذرا سی لغزش پر لوگ اپنی باتوں سے زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ تمہارے سر پر باپ کی چھاؤں نہیں مگر تمہارا بھائی تمہیں تپش سے بچانے کے لیے بادل بن گیا ہے۔ بیوگی کی چادر اوڑھ کر بیٹیوں کو پالنا آسان نہیں۔ وقت بہت بے رحم ہے اور مجھے تمہاری حفاظت ہر حال میں کرنی ہے۔

تمہارا بھائی بظاہر سخت مگر اندر سے تم سے بے انتہا محبت کرنے والا ہے۔ باپ کا سایہ چھن جانے سے اس نے باپ کی ذمہ داریاں لے لی ہیں۔ اپنا بچپن، لڑکپن بھول کر وہ باپ بن گیا تمہارا۔ مرد کا سایہ عورت کی ڈھال ہے چاہے وہ شوہر ہو، باپ یا بیٹا۔ اور میرا بیٹا میری ڈھال ہے اور تمہارا بھائی تمہاری چھایا۔ (چھاؤں)۔''

آنکھوں سے گرتے آنسوؤں سے انہوں نے دونوں کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا تھا اور باہر کھڑے عدنان کی آنکھوں سے بھی سیل رواں جاری تھا۔ اس کا سینہ پھٹ جانے کو تھا وہ تو ماں، بہنوں کے دکھ پر اپنے آنسو بھی ان کے سامنے نہیں بہا سکتا تھا۔

باپ جب ساتھ چھوڑ جائیں تو بہنوں سے چند سال بڑے بھائیوں کو بھی بہنوں کا باپ بننا پڑتا ہے۔ ورنہ لوگوں کے رویے اور باتیں وہ چابک لگاتی ہیں کہ پورا وجود زخمی ہو جاتا ہے اس کے ذہن میں ابھی تک محلے کی خالہ فریدہ کا فقرہ گونج رہا تھا۔

''ہائے۔ بھری جوانی میں دو بیٹیوں کے ساتھ بیوہ ہوئی ہے۔ میکے میں بھی کوئی اپنا نہیں۔ پتا نہیں یاں کیا گل کھلائے گی محلے میں۔ بیٹیاں بھی اسی کے نقش قدم پر چلیں گی، بھئی اب اپنے شوہروں اور بیٹوں پر نظر رکھنا۔ اس کا اپنا بیٹا تو اتنا بڑا نہیں کہ ماں پر نظر رکھ سکے، سنبھال سکے۔''

اور وہ اسی وقت بڑا ہو گیا تھا، اپنی ماں اور بہنوں پر انگلیاں اٹھانے سے بچانے کے لیے اس نے ایک سخت گیر بیٹے اور بھائی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

☆☆☆

آج راحیلہ اور انیلا کی رخصتی تھی۔ رخسانہ اپنا دل مضبوط کیے پھر رہی تھیں مگر عدنان کی آنکھوں سے آنسو رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

''جھلے کیا ہو گیا ہے؟ کیوں ندی نالے بہا رہا ہے۔ دنیا کی بہنیں رخصت ہوتی ہیں گھروں سے۔ تیری کوئی نرالی تو نہیں جا رہیں۔'' رخسانہ نے دل پر پتھر رکھ کر اسے جھڑکا تھا۔

''امی آج اس گھر سے میری بہنیں، میری بیٹیاں رخصت ہو رہی ہیں۔ مجھ سے دو رشتے جدا ہو رہے ہیں تو کیا آنسو بھی نہ بہاؤں؟'' وہ ماں کے گلے لگ کر سسک پڑا تھا۔

''بہا آنسو، بہا...... مگر خوشی کے...... کیونکہ آج تو سرخرو ہو گیا۔ آج پورا محلہ اور خاندان تیری بہنوں کی نیک سیرت و کردار کی تعریفیں کر رہا۔'' رخسانہ کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

ہاں، آج وہ واقعی سرخرو ہو گیا تھا اس کی بہنیں عزت کے ساتھ اس گھر کی دہلیز پار کر رہی تھیں۔ وہ سجدہ شکر ادا کرتا نہ تھکتا تھا۔

☆☆

ناولٹ

نادیہ آمین

انتقام

وہ جب سے یہاں آئی تھی کئی بار اس سے سامنا ہوا تھا لیکن کبھی بات کرنے کی ہمت نہ ہو سکی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی جو اسے مقابل کی طرف کھینچتی تھی وہ اس کی مردانہ وجاہت تھی۔ اس نے کبھی اپنی زندگی میں اس قدر حسین مرد نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس قابل تھا کہ جس کے لیے سولی پر چڑھا جاتا۔ وہ ہر وقت یہ ہی سوچتی رہتی تھی۔

ابھی بھی وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ بالکونی میں ہلکی چلتی ہوا اس کے شوریدہ سر جذبوں کو کچھ اور بھڑکا رہی تھی۔ وہ باہر مالی سے پودوں کو پانی دلوا رہا تھا۔ وہ جانے کن باتوں میں مصروف تھا۔ مالی بابا بغور اس کی باتوں کو سن رہا تھا۔ اس وقت رف حلیے میں بھی وہ غضب ڈھا رہا تھا۔ اسے یکدم حبیبہ یاد آئی تھی۔ بے ساختہ پانی اس کی آنکھوں میں در آیا۔

مالی کو ہدایات دیتا وہ جوں ہی مڑا بلا ارادہ اس کی نظریں ٹیرس میں کھڑی زینب پر پڑیں۔ ایک ساعت بعد وہ گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ بے دلی سے مڑی۔ جانے اس کہانی کا انجام کیا تھا، وہ پژمردہ قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس وقت اس کی چال اس کے حال سے بالکل نا آشنا تھی۔

☆☆☆

ماں کچھ عرصہ کے لیے گاؤں خالہ کے گھر چلی گئی تھی۔ وہ یہاں خالہ وزیرا کے ساتھ مقیم تھی جو رشتے میں اس کی خالہ لگتی تھیں۔ وہ آج کل جاب کی کوششوں میں تھی کیونکہ بور ہونے سے بہتر تھا کہ کام ہی کیا جاتا۔ وہ کافی پریشان تھی وہ سمجھتی تھی کہ وہ گھر سے نکلے گی اور جاب اسے پلیٹ میں رکھ کر پیش کی جائے گی۔ لیکن ایسا نہ تھا۔ وہ قریبی پارک میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ دفعتاً اس کی نظروں نے دور کھے بینچ پر بیٹھے شخص کو دیکھا۔ یہ بہتر موقع تھا وہ اٹھ کر اس کے پاس گئی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔" اس کا لہجہ عام سا تھا۔

"آپ کو یہاں کئی بار دیکھا ہے۔ اکیلے کیا آپ کے گھر پر کوئی نہیں؟" کچھ تامل بعد بولی۔ آئی مین کوئی عورت۔" اسے بات کلیئر کرنی مشکل ہو رہی تھی۔

"اکیلا رہتا ہوں میں۔" اس نے عام سی نظر ڈال کر جواب دیا۔

"آپ یہاں روز آتے ہیں؟" وہ مزید کچھ اور بولنا چاہتی تھی لیکن وہ شاید بہت ریزرو تھا۔

"کبھی کبھار۔"

"آپ یہیں کے رہنے والے ہیں؟ جانے کیوں آپ یہاں کے نہیں لگتے۔"

"نہیں۔ میں پٹھان ہوں۔"

"اوہ۔" اس نے حیرت ظاہر کی۔

"آپ کا نام۔"

"یوسف۔" وہ دھیمے سے بولا۔

"میرا نام زینب ہے۔"

اس دن ان کے درمیان بہت سی باتیں ہوئی تھیں جو بظاہر سرسری تھیں لیکن زینب کے لیے بہت معنی رکھتی تھیں۔ اس دن وہ نامعلوم انجان کی خوشی

میں گہری بہت چین کی نیند سوئی تھی۔

"ان کی ملاقاتیں پارک میں پاواک کرتے ہوئے ہونے لگی تھیں۔ وہ کبھی ہلکی پھلکی بات چیت کرنے لگا تھا۔ وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت کرتا تھا۔ باتوں کے دوران اس نے بھی جاب کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"کچھ عرصہ بعد یوسف نے اسے اپنے آفس میں آسامی خالی ہونے کی نوید سنائی۔"

"تمہیں جاب کی ضرورت ہے۔ انٹرویو دو، ہوسکتا ہے کام بن جائے۔"

اس کی سفارش اور زینب کی قسمت نے مل کر اسے جاب دلوادی تھی۔ اب روز اس کی ملاقات یوسف سے ہونے لگی تھی۔ اگرچہ وہ بہت لیے دیے رہتا تو زینب بھی زیادہ سر پر سوار نہیں رہتی تھی۔ کبھی کبھار تھوڑی بہت بات چیت ان میں ہو جاتی تھی۔ اس کی کولیگ رابعہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ■

دونوں لنچ بھی ساتھ کرتے تھے۔ پک اینڈ ڈراپ بھی کبھی کبھار ہو جاتا۔

آج بھی وہ جب سیڑھیاں چڑھ کر اپنے آفس آرہی تھی تو اس کے کیبن پر بلا ارادہ نظر پڑی۔ رابعہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا۔ یوسف کی مسکراہٹ نے اسی پل زینب کے تن بدن میں آگ لگادی۔ ایک ایسی آگ جو جلا کر بھسم کر دے۔ وہ اپنی سیٹ پر آگئی نہایت زور سے اپنا بیگ پٹخ کر اپنے حواس کو نارمل کیا۔ اس آدمی کی مسکراہٹ نے اسے تپا دیا تھا۔ پھر جانے کیا خیال آیا کہ وہ اٹھ کر اس کے پاس گئی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"جو بات کرنی ہے تم یہاں کر سکتی ہو۔" رابعہ نے اسے خاصی تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"میں کچھ دیر بعد آپ سے بات کروں گا۔" یوسف نے تو گویا یہ کہہ کر اس کی توہین کی حد کر دی۔

وہ شدید طیش میں واپس آئی پھر پورا دن اس کے روم میں نہیں گئی۔ جب وہ آفس سے نکلی تو وہ اسے رابعہ کے ساتھ نظر آیا۔ وہ دونوں کہیں جا رہے تھے۔

اس پورے دن رات وہ کانٹوں پر جلتی رہی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ کسی کی کرنی اسے بھرنی پڑے گی۔

اگلے دن بھی یوسف نے بات نہ کی شاید وہ بھول گیا تھا۔ زینب نے بھی کچھ نہ کہا۔ وہ یہاں خواتین میں بہت مقبول تھا۔ اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ جو مقابل کو جیت کر دیتا۔ اسے لڑکیوں کو دیوانہ بنانے کا ہنر خوب آتا تھا۔ وہ روز بروز اس سے متنفر ہوتی جا رہی تھی۔

وہ کسی کام کے سلسلے میں آئی تو وہ مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک سرسری نظر ڈال کر بے ساختہ بولا۔

"کوئی کام ہے؟"

"یہ فائل لیں۔ سر وقار کہہ رہے ہیں کہ آج ہی مکمل کر کے دینی ہے۔" اس کے لٹھ مار انداز نے بھی اسے متوجہ نہیں کیا تو وہ مزید بولی۔

"آج مس رابعہ نظر نہیں آرہیں۔ آپ اکیلے ہیں۔"

اس کے الفاظ میں چھپے طنز کو اس نے بغور محسوس کیا لیکن نہایت بے تاثر لہجے میں بولا۔

"بعد میں آئیں گی......" کچھ پل کے بعد مزید کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔"

اس کے اگلے جملے نے تو گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ وہ تیر کی طرح اس کے کمرے سے نکلی۔

وہ پورا دن اس نے جلتے بھنتے گزارا۔ اس آدمی سے نفرت دن بدن شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اب اس کا بھی مجرم ٹھہرا تھا۔ تو اسے سزا کیوں نہ دیتی۔

☆☆☆

مس رابعہ اور اس کی منگنی کی خبریں پورے آفس میں گردش کر رہی تھیں۔ لیکن ابھی تک ان دونوں نے تائید کی نہیں تھی۔ اس وقت بھی جب وہ یوسف کے کمرے میں آئی تو اسے رابعہ ادھر ہی نظر آئی۔ وہ اپنی چیئر پر بیٹھا تھا جبکہ رابعہ قریب کی کرسی پر براجمان دھیمے لہجے میں کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کے اندر آنے پر رابعہ کے ماتھے پر ناگوار لکیریں ابھریں جبکہ یوسف نارمل تھا۔

"سر بخاری آپ کو بلا رہے ہیں۔" سپاٹ انداز میں کہتی وہ واپس چلی گئی۔ وہ بھی اس کی تقلید میں آیا۔

سر بخاری اس سے محوکلام تھے۔ وہ فائل پر دونوں ہاتھ رکھے کسی خیالی دنیا میں غرق تھی۔ وہ کیا کہہ رہے تھے وہ غافل تھی۔ ہوش میں تب آئی جب اس نے ٹیبل کو بجتے سنا۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

"تم کہاں گم ہو۔ کتنی دیر سے آواز دے رہا ہوں تمہیں۔"

وہ شرمندہ سی ہوگئی۔ وہ کچھ سمجھانے لگا لیکن اس کے خاک نہ پلے پڑا۔ وہ اس کے ہاتھوں، اس کے چہرے اور اس کی آواز کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔

"آیا سمجھ میں۔"

اس کے الفاظ نے اسے خیالی دنیا سے باہر نکالا۔
اس نے سرنفی میں ہلایا تو وہ نہایت تحتی سے بولا۔
"تم ہوش میں آؤ گی تو کچھ سمجھو گی۔"
اپنی بے بسی پر زینب کو شدید طیش آیا۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسے رابعہ کے اتنے نزدیک دیکھ کر شدید برا لگا تھا۔ وہ کسی کی امانت تھا خیانت کیسے کر سکتا تھا۔ وہ حیرت اور پھر گھبراہٹ میں جانے کیا اول فول سوچتی رہی۔ وہ اتنی عیاشی سے کیسے رہ سکتا ہے۔ وہ شکستہ دل تھی۔
اسے غائب دماغ پا کر وہ چلا گیا۔ ڈیوٹی آورز آف ہوتے ہی وہ جب آفس سے نکلی تو وہ باہر اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے نظر آیا تھا۔ اس کے ہمراہ رابعہ بھی تھی۔ یوسف نے اسے بھی ساتھ جانے کی آفر کی، پر اس نے رد کر دی۔
"میں خود جا سکتی ہوں۔" وہ اس کی احسان مند نہیں ہونا چاہتی تھی۔
"میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ ڈراپ کر دوں گا تمہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
رابعہ نارمل تھی۔ وہ یوسف کے ساتھ اگلی سیٹ پر براجمان کچھ زیادہ ہی خوش گپیوں میں مشغول تھی۔ اس کی چہکتی آواز اس وقت زینب کے کانوں کو نہایت بھدی معلوم ہو رہی تھی۔
رابعہ کو اس کے گھر پر ڈراپ کر کے جب اس نے گاڑی ٹرن کی تو رک کر بیک مرر میں دیکھتے ہوئے بولا۔
"آگے بیٹھو گی؟"
"میں ٹھیک ہوں یہاں۔" اس کے بے دلی سے جواب پر یوسف کچھ نہ بولا۔
اگلے چند دن تک وہ آفس میں کترائی کترائی رہی۔

☆☆☆

آج کام کا لوڈ تھا دوپہر ایک بجے تک سر اٹھانے کی فرصت نہ ملی۔ سر اٹھایا تو یوسف کی آواز پر۔
"تمہیں میرے ساتھ میٹنگ میں جانا ہے۔"

وہ تحیر سے بولی۔
"لیکن مجھے تو سر نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"
"میں کہہ رہا ہوں نا۔" اس نے اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے جیسے جلدی کا اشارہ کیا تھا۔
وہ اٹھی اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی گاڑی جس سمت جا رہی تھی وہ اس کے لیے نامعلوم تھا۔
"یہ کون سی جگہ ہے؟"
"بے فکر رہو میں تمہیں کڈنیپ نہیں کر رہا۔" وہ بے نیازی سے گاڑی چلاتا اسے بے سکون کر گیا۔
وہ ڈر گئی۔ "کیا یہ میرے بارے میں سب جانتا ہے۔" دل کا خدشہ بڑھ گیا۔
"پلیز! بتاؤ، یہ تم کہاں لے کر جا رہے ہو۔ گاڑی روکو۔" وہ بدحواسی سے چلائی۔
اس کی متغیر رنگت نے یوسف کو گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔
"بات کرنے آیا ہوں۔ کھا نہیں جاؤں گا تمہیں۔" یوسف اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔
وہ یکدم سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اتری اور رونے لگی۔ یہ اندر کا خوف تھا جو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت جاری تھا۔
"مجھے گھر جانا ہے۔"
"تمہیں مسئلہ کیا ہے۔" یوسف غرایا۔
"تم پریشان اور الجھن زدہ تھیں میں صرف یہی معلوم کرنے......"
"مجھے گھر جانا ہے۔" زینب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
"اوکے آؤ، گاڑی میں بیٹھو۔"
گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ایک دو بار یوسف نے اس پر نظر ڈالی۔ اس کی معصومیت اور اس کی شکل میں اسے جو شبیہہ نظر آئی اس نے اس کے دل کو جیسے مٹھی میں جکڑ لیا۔ اس کے بعد یوسف نے زینب پر دوسری نظر نہ ڈالی۔ خاموشی سے اس کے گھر ڈراپ کر کے وہ اپنے گھر چلا گیا۔

☆☆☆

پھر یوسف نے اسے نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا، اسے لگ رہا تھا، اس کے دل پر بہت بوجھ تھا۔ جانے کیوں وہ اداسی میں گھلتی جا رہی تھی۔ یاسیت بھرے دن گزر رہے تھے۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گناہ گار کون تھا۔ وہ الجھ رہی تھی۔ جنید ہر ہفتے فون کر کے یوسف کی بابت دریافت کرتا۔ اس کی تکلیف بڑھ جاتی۔ اس شخص کے لیے رحم کا جذبہ اگر ابھرتا بھی تھا تو اس کا ماضی اسے موت کی نیند سلا دیتا تھا۔

رابعہ اور یوسف کی جوڑی آنکھوں میں کھٹکتی تھی رابعہ اسے بھیانک چڑیل دکھتی۔ وہ جس طرح یوسف کو اپنا حق ملکیت سمجھتی اسے اور بھی زہر لگتی۔ رابعہ کا بڑھتا التفات یوسف کے لیے تو اچھا تھا پر زینب کے لیے زہر قاتل تھا۔ دن رات جس بھٹی میں جسم و جاں سلگ رہا تھا وہ، اہمیت تھی جو رابعہ اس مرد کو دے رہی تھی۔ کبھی تو وہ اتنا مغرور تھا...... کبھی تو وہ لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتا تھا۔ کوئی جان سے جاتا اس کے باپ کا کیا جاتا۔

وہ ٹیرس میں کھڑی شعلہ بار نگاہوں سے اس گھر کو گھورے جا رہی تھی۔ وہ کسی کام سے ٹیرس پر آیا تھا بلا ارادہ یوسف کی نظریں اس کی بھڑکتی نگاہوں سے ٹکرائیں۔ ایک تیز و تند نگاہ ڈالتی وہ بڑی سرعت سے اندر چلی گئی۔ جبکہ وہ حیرت و استعجاب میں کھڑا اس نیم پاگل کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

"آج کی رات ہے ہمارے پاس، میرا ٹکٹ کنفرم ہے۔ آج لازماً یہ کام کرنا ہے۔ آج رات کے بعد وہ سویرا نہیں دیکھے گا۔"

جنید کی کہی باتیں سارا دن اس کے کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔ وہ سارا دن آفس میں مضطرب رہی تھی۔ آفس میں بھی وہ یوسف کی ہلکی بڑھی شیو پر نظریں جمائے کہیں غرق تھی۔ یوسف نے اس کی غیر دلچسپی محسوس کی تھی لیکن کچھ کہا نہ تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ربط تھی۔ اس شام وہ جلدی گھر آ گئی تھی۔ وہ شدید رنج میں تھی۔ اس کا دماغ ماؤف تھا شدت غم سے دل پھٹنے کو تھا۔ کافی دیر تک وہ ادھر سے ادھر ٹہل کر غم غلط کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

"کیا وہ صحیح کرنے جا رہی ہے۔" دل ہی دل میں بڑبڑا رہی تھی۔ دل و دماغ انکاری تھا۔ وہ غلط تھا جو ہونے جا رہا تھا۔ شدت غم سے اشک آنکھوں سے رواں ہونے لگے۔ اپنے اضطراب کو کم کیسے کرتی وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی کہ جس کی بدولت اپنے رب کے سامنے شرمندہ ہوتی۔

دل نے مصمم ارادہ کر لیا تو دوڑتی ہوئی یوسف کے گھر بھاگی۔ گیٹ اسی نے کھولا۔ اسے دھکا دے کر وہ گیٹ بند کر چکی تھی۔ یوسف حیرت و شش و پنج میں مبتلا کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جب اس نے اسے کہتے سنا۔

"چلے جاؤ یہاں سے جنید تمہیں مارنے آ رہا ہے۔" وہ کچھ سمجھا نہیں تھا کہ وہ مزید بولی۔ "اللہ کے لیے میری بات پر یقین کرو میں...... جنید تمہیں مارنے کے لیے آ رہا ہے۔ میں حبیبہ کی بہن ہوں۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ اسے دھکیلتی جیسے ہوش میں آئی تھی۔

یوسف کی آنکھوں میں اچانک حیرت بھرا کرب ابھرا جسے دیکھ کر زینب زمین میں گڑ گئی۔

"تم حبیبہ کی بہن ہو۔" وہ دو قدم بے خود سا اس کی طرف بڑھا۔

"میں کہہ رہی ہوں بھاگو یہاں سے۔" اس کے جھنجھوڑنے پر جیسے وہ نیند سے بیدار ہوا تھا۔

یوسف کی آنکھوں میں اس دس سالہ بچی کی تصویر ابھری جو یوسف کی گود میں بیٹھی ہر قسم کی فرمائشیں کرتی تھی۔ وہ ایک ٹرانس میں تھا۔ وہ دس سالہ بچی نہیں تھی جسے وہ بچگانہ پیار کرتا تھا وہ بیس سال کی جوان دوشیزہ تھی۔

اس پل زینب نے یوسف کی محبت کو تناور درخت کی طرح پروان چڑھتے دیکھا تھا۔ وہ چلا گیا اسے عشق و محبت کے تپتے صحرا میں چھوڑ کر۔ وہ چلا گیا اسے ملیا میٹ کر کے...... زندہ در گور۔ اب کی بار بھی

جنید کی بہن اپنا دل ہار گئی۔ جنید تو پہلی والی کا بدلہ لینے آرہا تھا۔ یہاں تو دوسری بھی سولی چڑھ گئی تھی۔

جنید کی چیخ و پکار نے اس رات سارا گھر سر پر اٹھایا تھا۔ وہ کیسے چلا گیا۔

''تم نے بھگایا ہے اسے۔ مجھے اب تم پر شک ہے۔'' اس کا شک درست تھا۔ ''خالہ وزیرا کہہ رہی تھی کہ شام تک وہ گھر پر تھا پھر فوراً غائب ہوا۔ بتاؤ مجھے سچ ورنہ تمہیں چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔''

''ہاں میں نے بھگایا ہے۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ مزید خون خرابا ہو۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا ہاتھ کسی کے ناحق خون سے رنگ جائے۔''

اس کی بات پر جنید غصے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔

''ناحق......'' اس کی آنکھوں میں حیرت بھرا سوال تھا۔

''اس نے میری بہن کو بھگایا تھا۔ کیا تمہارے خیال میں یہ کوئی بات نہ تھی۔''

''اتنے برسوں بعد اب مزید قتل و غارت سے کیا ہوگا۔'' اس نے عذر تراشا۔

''ہمارے بارے میں بھی تو سوچو۔ اگر تم جیل گئے تو ہم کیا کریں گے۔ ہم اب بھی در بدر ہیں۔ کب تک ایسے تم چھپتے پھرو گے۔ ہمیں در بدر کرو گے۔''

لڑ جھگڑ کر وہ اٹھی چلا گیا اس کی ماں بھی گاؤں سے واپس آ گئی تھیں۔ کیونکہ جس وجہ سے وہ گئی تھی۔ اب وہ وجہ ختم ہو گئی تھی۔ زینب کو چارے کے طور پر اس لیے استعمال کیا تھا کیونکہ یوسف نے اسے بچپن میں دیکھا تھا وہ اسے پہچان نہ سکتا تھا۔ جنید اور رشیدہ دونوں کو وہ بخوبی پہچان سکتا تھا۔ جنید پر جس بدلے کا بھوت سوار تھا وہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا تھا۔ لوگوں کے طعنوں کی بدولت وہ یوسف کو ہر حال میں مارنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ حالانکہ جنید نے جو کچھ کیا تھا وہ کسی طور بھی بھلانے والا نہ تھا۔

☆☆☆

یوسف غائب تھا وہ باقاعدگی سے دفتر جاتی رہتی تھی کچھ دنوں تک یوسف کے متعلق چہ مگوئیاں ہوتی رہیں پھر سب بھول ہی گئے۔ دو مہینے ہو گئے تھے یوسف کو غائب ہوئے۔ لیکن آج اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے اسے آفس میں دیکھا۔ وہ سر بخاری کے روم میں تھا۔ یوسف نے آفس دوبارہ جوائن کیا تھا۔ یہ بم جب اس پر گرا تو اس کی روح ہی گویا سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ سارا دن خیر و عافیت سے گزرا تھا۔ اگلے دن اس نے چھٹی کر لی۔

دوسرے دن جب وہ آفس گئی تو یوسف اسے نظر نہ آیا۔ وہ اس کے نہ آنے پر شکر گزار تھی۔ انٹرکام پر جب اسے بلایا گیا تو وہ فائل لے کر سر وقار کے کمرے میں آئی۔ لیکن سر وقار کی کرسی پر یوسف کو بیٹھے دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔ چیئر سے ٹیک لگائے وہ بہت آرام سے ایک ہاتھ سے اپنے بال ٹھیک کرتا اسے بیٹھنے کو بولا۔ وہ بیٹھی مگر دل عجیب سا دہل رہا تھا۔

''مجھے بھگا کر خود یہاں عیش سے رہ رہی ہو۔ میں بھی تو مار سکتا ہوں تمہیں۔ تم کیوں نہیں جان بچاتیں اپنی۔ میں خطرے میں ہوں تو تم بھی تو ہو۔'' یوسف کی آواز پرسکون مگر لہجہ آنچ دیتا محسوس ہو رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا اس لیے مجھے کوئی خوف نہیں۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے سکون سے کہا تو وہ یکدم بولا۔

''میں نے بھی کچھ غلط نہیں کیا تھا۔''

وہ پہلے تو حیران ہوئی پھر تیز آواز میں بولی۔

''میری بہن کو مار ڈالا اور......''

''میں نے نہیں تمہارے بھائی نے مارا تھا۔'' اب کی بار یوسف کی آواز مشتعل تھی۔

''تمہاری وجہ سے مر گئی تھی۔''

''محبت کی وجہ سے مر گئی تھی وہ۔'' اس نے صحیح کی۔

''ہاں، ہمیشہ لڑکیاں ہی تو محبت کر کے مرتی ہیں۔'' اس کا طنزیہ جملہ اسے تپا گیا۔

''تو کیا سب لڑکیوں کی موت کا میں ذمہ دار ہوں۔''

''لیکن جس کے ہو وہ میری بہن تھی۔'' وہ زور

سے چلائی۔
"چلاؤ مت، یہ آفس ہے۔"
"ہاں اچھا ہے نا تمہاری اصلیت سب کو معلوم ہو جائے گی۔" پھر وہ اٹھی۔ "کیوں بلایا تھا؟"
"یہی بکواس سننے کے لیے۔" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آیا۔

"کیا ہے؟" وہ بغور دیکھتا ہوا بولا۔
"یہ لیٹر۔"
"اب مجھے اپنی زندگی یا موت کا کوئی خوف نہیں۔ چاہو تو بھائی کو بلا کر مجھے مار سکتی ہو۔" ہاتھ میں لیٹر لے کر اسے سرسری دیکھتا وہ کہہ اٹھا۔
"یہ لیٹر دیکھیں۔" وہ اس کے قریب کھڑی لیٹر کی طرف اشارہ کرنے لگی۔

"مجھے راستہ دیجیے۔" اسے اپنے سامنے ایستادہ دیکھ کر سر جھکا کر بولی۔
دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بڑے سکون آمیز انداز میں کھڑا اس کے سکون کو تہ و بالا کر رہا تھا۔
زینب نے سائیڈ سے گزرنا چاہا لیکن راہ مسدود تھی۔
"اب میں تمہارا باس ہوں اور تم میری ماتحت۔ میری مرضی سے نکلو گی یہاں سے۔" لیکن پھر جلد ہی اس کی آنکھوں میں نمودار ہوتی نمی دیکھ کر اس نے راستہ دے دیا۔
وہ اپنی سیٹ پر آ تو گئی لیکن جوں ہی رونا شروع ہوئی تو دیر تک روتی رہی۔

☆☆☆

وہ اب اسی شہر میں تھا۔ لیکن کہاں رہتا تھا یہ معلوم نہ تھا۔ زینب بلا ضرورت اس کا سامنا نہیں کرتی تھی۔ رابعہ ہر وقت اس کے کمرے میں گھسی جانے کیا باتیں کرتی تھی۔ رابعہ کو دیکھ کر اسے شدید کوفت ہوتی تھی۔ کسی کام سے کمرے میں آئی اس نے سر کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ رابعہ جانے کون سے قصے سنا رہی تھی، وہ مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر تک تو زینب بے نیاز رہی لیکن کہاں تک برداشت کرتی۔
"مجھے یہ لیٹر دکھانا ہے آپ چیک کر لیں۔"
"ویٹ کرو، میں کرتا ہوں بات۔" وہ ہنوز رابعہ کی طرف متوجہ تھا۔ زینب پیچ و تاب کھاتی اٹھ گئی۔
اسے اٹھتے دیکھ کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔ رابعہ چلی گئی۔

"نہیں دیکھ رہا۔"
زینب سیدھی کمرے سے نکل کر اپنے کیبن میں آئی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے استعفیٰ لکھا اور لا کر یوسف کی ٹیبل پر پٹخ دیا۔
"کیا ہے؟"
یوسف سوال پر خون آشام نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔
"میرا استعفیٰ......"
یوسف نے بغیر پڑھے بڑی بے دردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ٹیبل پر بکھیر دیا۔
"اپنی سیٹ پر بیٹھو۔ یہاں سے جانے کا سوچنا بھی مت۔"
گھر آئی تو طبیعت بوجھل بوجھل سی تھی۔ جنید کی فون کال نہ ہونے کے برابر تھیں۔ تھوڑے بہت پیسے وہ بھیجتا تھا جس سے ان کا گزارا ہو رہا تھا۔ کرائے کا گھر، ماں کی بیماری سب اس کی ذمہ داری بن گیا تھا۔ اب چاہ کر بھی ملازمت نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اسے اس جاب کی اشد ضرورت تھی۔
جنید نے وہاں شادی کر لی تھی۔ دن بدن رشیدہ کی حالت بگڑتی جا رہی تھی دل کی بیماری جو لاحق تھی۔ وہ زینب کے لیے بہت پریشان اور متفکر رہنے لگی تھیں۔ وہ دن رات اس کی شادی کے متعلق سوچ سوچ کر ہلکان ہوتیں۔ زینب ہر رشتہ کو ٹھکراتی پر وجہ نہ بتاتی۔ رشیدہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوئی تھیں۔ وہ کس وجہ سے انکار کر رہی ہے۔ کیا وہ کسی کو پسند کرتی ہے۔ کئی بار اس موضوع پر انہوں نے بات کرنا چاہی مگر زینب ٹال گئی۔

ادھر آفس میں وہ یوسف سے چھپتی پھرتی تھی۔
اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ چھپ جائے جہاں سوائے اس کے کوئی نہ ہو۔کوئی پریشانی کوئی دکھ کوئی کسک نہ ہو۔ حبیبہ کی موت کا ذمہ دار وہ یوسف کو گردانتی تھی لیکن اب وہ اسے بے گناہ لگتا۔کیا اس کے اندر جذبے بدلنے لگے تھے۔کیا نفرت کی جگہ کچھ اور تھا وہ ان باتوں سے پریشان تھی۔

☆☆☆

"آؤ باہر چلتے ہیں۔" وہ اس کے پاس آیا۔
"میں مصروف ہوں۔" اس نے بہانہ تراشا۔
"چلو تمہیں آئس کریم کھلاتا ہوں۔" اس کے جملے نے دس سال پیچھے دھکیلا تھا۔ جب وہ اسے آئسکریم کھلانے لے جاتا تھا۔اس کی پسند کا فلیور لے کر دیتا تھا۔
"میں بچی نہیں ہوں۔" وہ گہری سوچ سے نکلی۔
"جانتا ہوں تم بچی نہیں ہو۔" اس کے پوشیدہ طنز پر وہ کچھ نہ بولی۔
"آؤ میرے ساتھ۔" وہ ملتجی تھا۔
"مجھے نہیں جانا۔" اس کا فیصلہ دوٹوک تھا۔
"بہت محبت کرتا ہوں میں تم سے۔" اس کے کہے الفاظ پر وہ اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔"میں نے بہت کوشش کی کہ تمہیں بھول جاؤں پر ایسا نہیں ہو رہا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا اور میرا ملنا ناممکن ہے۔ لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔ مجھے پتا ہے کہ میری اور تمہاری عمر میں کافی فرق ہے۔ میں لیکن میں بے بس ہوں اپنے دل کے ہاتھوں۔" اس کی گمبھیر آواز نے جو طلسم پیدا کیا تھا اس کو توڑنا اس لڑکی کے بس میں نہ تھا۔
"بہت دکھ جھیلے میں نے، سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اپنی زندگی میں دو بار ہی محبت کا شکار ہوا اور وہ بھی ایک ہی......"
"رابعہ کو مت بھولو۔" اس کی آواز میں تلخی تھی۔
وہ مسکرایا۔
"مجھے کام ہے، اگر آپ اس وقت یہاں سے چلے جائیں۔"
زینب بنا اس پر نظر ڈالے ٹیبل پر فائلز کی ترتیب صحیح کرتی بولی۔ لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔
"حبیبہ کے بعد اگر میں نے کسی سے محبت کی تو وہ تم ہو۔"
"پلیز اسٹاپ اٹ۔ تم اپنی زبان سے میری بہن کا نام مت لو۔" اس نے ترشی سے کہا۔
"بیوی تھی میری۔" وہ سکون آمیز لہجہ میں گویا ہوا۔
وہ اذیت دے رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا۔
"مجھے آپ کی ذاتی زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں۔"
"مجھے بتانا ہے۔ کیونکہ مجھے پتا ہے کہ تم بھی......" زینب کی زبان حلق تک سوکھ گیا۔ کیا وہ اس کے اندر کا حال جانتا تھا۔
"تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں۔ لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔" یک لخت کرسی پیچھے دھکیلا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے زور سے دروازہ بند کرنا نہیں بھولا۔
اگلے چند دن یوسف نے اس سے بات نہیں کی تھی البتہ رابعہ کے ساتھ وہ کافی خوش خوش نظر آتا رہتا تھا۔ ان کے قہقہے ان کی ہنسی زینب کو کوفت میں مبتلا کر دیتی۔
رات کو آفس کے لیے کپڑے پریس کر کے وہ جونہی بستر پر دراز ہوئی تو یوسف کی کال آئی تھی۔
"میں تمہاری محبت میں مر رہا ہوں تمہیں اس کا احساس ہے کہ نہیں۔ کیا تم کبھی مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرو گی۔ کیا ہمیشہ اسی طرح نظر انداز کرو گی۔" اس نے کال کاٹ دی۔ ایک بار پھر وہ کال کرنے لگا۔
"کیا ہے؟" وہ چلائی۔
"کل میں تمہاری ماں سے معافی مانگنے آ رہا ہوں۔" اس کی تو روح ہی کانپ اٹھی تھی۔

"تم مت آنا۔" اس نے التجا کی۔
"پھر کیا کروں؟" وہ رونے لگی تو اس نے کال کاٹ دی۔
اگلے دن وہ کاریڈور میں کھڑا اپنے ماتحت سے بات کر رہا تھا۔ جب وہ اس کے قریب سے گزرنے لگی۔ وہ یکدم سے اس کی طرف متوجہ ہوا ماتحت چلا گیا تو وہ اسے روکتے ہوئے بولا۔
"تم ناراض تو نہیں۔"
"نہیں۔" اس نے سرنفی میں ہلایا اور آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد یوسف نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔
"کوئی کام سمجھ میں نہ آئے تو مجھے کہنا بلکہ ادھر آؤ، یہ فائل دو مجھے، جتنا کام ہے میں کرلوں گا۔" اس کی عنایت پر وہ جل بھن گئی۔
"میں خود کرلوں گی۔" اس نے فائل کھینچی۔
وہ مسکرایا۔
"آج لنچ پر چلو گی میرے ساتھ۔ اس کے لہجہ میں بڑی آس تھی۔"
"نہیں۔" وہ چلی گئی۔
وہ مسلسل کئی دن تک لنچ کی آفر کرتا رہا جسے آج بالآخر وہ رد نہ کرسکی وہ زچ ہو کر بولی۔ "چلیں۔"
جس جگہ وہ لنچ کرنے گئے وہاں زیادہ رش نہ تھا کھانا آڈر کر کے وہ خاموش تھی۔ وہ کنفیوژ تھی یا اس کے ذہن میں کوئی الجھن تھی وہ بغور نوٹ کر رہا تھا۔ ان کے ساتھ والی ٹیبل پر کچھ لڑکیاں آ کر بیٹھیں ان سب کی نگاہوں کا ارتکاز یوسف تھا۔ ان سب کی نظروں کو خود پر محسوس کر کے وہ بہت خوش تھا وہ سوچ رہی تھی۔ وہ دھیمے دھیمے مسکرا رہا تھا۔ کھانا اس نے برائے نام کھایا۔ واپسی پر وہ شدید پچھتاوؤں میں گھری خود پر ناراض تھی۔ وہ دن اس کی زندگی کا برے ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ جانے کیوں وہ اس دن بہت افسردہ تھی۔
☆☆☆
وہ دو دن آفس نہ جا سکی تھی۔ رشیدہ کی طبیعت ناساز تھی۔ وہ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی رات کو یوسف کا فون آیا تھا۔
"تم دو دن سے آفس کیوں نہیں آ رہیں۔"
اس کی گمبھیر طلسماتی آواز سنی تو ہر چیز جیسے بھول سی گئی۔ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ کچھ نہ بولی۔
"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" اس کے دوبارہ پوچھنے پر وہ یہی کہہ سکی۔
"مجھے فون کر کے بتا تو سکتی تھی نا۔" اس نے شکوہ کیا۔
"سر وقار کو بتایا تھا۔"
"مجھے کیوں نہیں۔"
"ضرورت نہیں تھی۔"
اس کی بات پر اس نے کال کاٹ دی تھی۔ ایک طویل سانس سینے سے خارج ہوئی، کندھے جھٹکتی وہ موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی محبت کے اظہار پر بند باندھتے باندھتے وہ تھک گئی تھی۔ وہ جس خول میں قید تھی اس سے نکلی تو مطلب موت تھی۔ اس کی ماں اس کا گلا تو گھونٹ سکتی تھیں لیکن یوسف سے اس کا ملن کبھی برداشت نہ کرتیں۔ یہ کیسی محبت تھی جو بجائے سکون کے بے سکون کرتی جا رہی تھی۔
☆☆☆
اس کے لیے رشتہ آیا تھا۔ جو اس نے فوراً سے پیشتر ٹھکرا دیا۔
"اس قدر اچھا رشتہ تم کیوں ٹھکرا رہی ہو۔" رشیدہ عاجز آ گئی تھیں۔
"میں شادی نہیں کرنا چاہتی آپ کیوں نہیں سمجھتیں؟" اس کے ملتجیانہ لہجہ پر رشیدہ دکھی ہو گئیں۔
"اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو بتاؤ۔ میں تمہارا رشتہ طے کروں گی اس کے ساتھ، میں وعدہ کرتی ہوں۔"
"ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے بات چھپائی۔
"ماں سے بھی چھپاؤ گی۔"
"ماں کو بتانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ حبیبہ نے

بتایا تھا پھر کیا کیا آپ نے اس کے ساتھ۔" رشیدہ کی رنگت متغیر ہو گئی۔
"کیا ایک بار پھر کسی کے خون سے ہمارے ہاتھ رنگ جائیں۔" الفاظ تھے یا زہر جو جلا کر خاکستر کر رہے تھے۔
"وقت نے تھوڑا سبق دیا ہے جو باقی کسر تم پورا کرو گی۔ بیٹی گئی، شوہر گیا، بیٹا روپوش ہے یہ سزا کیا کم ہے۔" پھر گہری سانس لے کر بولیں۔ "بتاؤ نا جسے تم پسند کرتی ہو میں اس سے تمہاری شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"آپ سن سکیں گی۔"
"بتا دو۔ اب تو ہر بات سننے کی عادت ہو گئی ہے۔"
"یوسف......"
رشیدہ کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ پہلے تو متحیر پھر کرب سے یک ٹک دیکھتے ہوئے بولیں۔
"یوسف......"
"کہا تھا نا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔"
"جانے یوسف میری نسل کو کب بخشے گا میرا دل بددعا دیتا ہے اسے۔ میری نسل کھا گیا وہ۔" شدید غم کی کیفیت میں مبتلا وہ زینب کے کمرے سے نکلتی چلی گئیں اور زینب کو گزرے سال یاد آنے لگے۔

☆☆☆

حبیبہ یوسف کی ماں سے سلائی سیکھنے جاتی تھی ان کا گھر پڑوس میں یوسف کے گھر کے سامنے ہی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ اگر یوسف کو حبیبہ سے محبت تھی تو حبیبہ کو بھی یوسف سے شدید محبت تھی۔ حبیبہ کی بات بچپن ہی سے چچازاد احمد سے طے تھی۔ یہ بات یوسف کو تب پتا چلی تھی جب یوسف کے کہنے پر اس کی ماں اس کا رشتہ لے کر ان کے گھر آئی تھی۔ یوسف بہت افسردہ تھا لیکن حبیبہ کو شدید رنج تھا۔ حبیبہ رو رو کر ہلکان تھی۔ اور بار بار خود کشی کی دھمکی یوسف کو دیتی تھی۔ وہ بہت دل برداشتہ تھی۔

ایک دن جب وہ دونوں ملے تو بھی وہ زہر کھانے اور مرنے کی باتیں کر رہی تھی۔
"تو پھر کیا کروں میں۔" یوسف بھی زچ ہوا تھا۔ ان نا مساعد حالات نے انہیں انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تو وہ دونوں ایک انتہائی فیصلہ کر بیٹھے۔ گھر سے بھاگنے کا۔
وہ دونوں گھر سے بھاگ گئے۔ سارے علاقے میں کہرام مچا تھا جو سن رہا تھا دونوں پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ روپوش رہے۔ حبیبہ کا بھائی ان کے خون کا پیاسا بن گیا تھا۔ کئی مہینے گزرنے کے بعد دونوں خاندانوں میں صلح و مشورے سے اور باہمی رضامندی سے اس رشتے کو قبول کر کے معاف کرنے کا جب عندیہ ملا تو انہیں واپس بلایا گیا۔ ان دونوں نے خفیہ نکاح کیا تھا۔ ان کی واپسی پر باقاعدہ ولیمہ کیا گیا۔ دونوں خوش تھے حبیبہ امید سے تھی رشیدہ بیٹی سے ملنے ان کے گھر آتی تھیں کئی بار والد اور بھائی بھی ملنے آئے تھے۔ یوسف پڑھ رہا تھا۔ یوسف کا باپ گریڈ چودہ کا ملازم تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا گزر بسر اچھی ہو رہی تھی۔
یوسف حبیبہ کی سنگت میں بہت خوش تھا۔ وہ باقاعدگی سے اس کا چیک اپ کرانے لے جاتا۔ ان دنوں حبیبہ کی طبیعت بوجھل تھی۔ دل عجیب سا بے چین ہو رہا تھا کہ اتنے میں اس کی ماں اور زینب اس سے ملنے آ گئی تھیں۔ اس دن ان میں کافی ہنسی مذاق چلتا رہا۔ اور پھر اسی رات جب ساری دنیا خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی کہ رات بارہ بجے اسے حسن کی کال آئی تھی وہ ان کے شہر آیا تھا اور ویگن کے اڈے پر اس کا انتظار کر رہا تھا وہ جلدی سے اٹھا اور تیار ہو کر اسے لینے نکلا۔
اسی رات ٹھیک ایک بجے موت اور تباہی نے اس کے گھر پر دھاوا بول دیا تھا فائرنگ سے سارا علاقہ گونج اٹھا تھا۔ اس گھر میں چار افراد کا بڑی بے دردی سے قتل ہوا تھا۔
وہ اور حسن ٹیکسی میں بیٹھ ہی رہے تھے جب

پرویز نے اسے کال کر کے سب کچھ بتایا تھا۔
"گھر مت آنا۔ جنید نے تمہارے سارے گھر والوں کو مار دیا ہے۔"
اس کے قدموں تلے سے زمین جیسے کھینچ لی گئی تھی۔ اس رات ٹیکسی میں وہ اور حسن یہاں سے دور کسی دوسرے شہر چلے گئے تھے۔ جبکہ اسی رات جنید بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اپنے گھر کے دروازے پر یوسف کو دیکھ کر وہ شدید حیرت سے دوچار تھی۔
"میں آنٹی سے ملنے آیا ہوں۔ معافی بنا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" وہ اپنی ضد پر اڑا تھا۔ اس کی ماں پرسکون سی بیٹھے ہوئے چپ تھیں۔
"میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں جو کچھ کیا میں نے وہ طریقہ غلط تھا اگر آپ کی رضا نہ تھی تو مجھے بھی زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اولاد کو بھی اپنی مرضی منوانے کے لیے غلط طریقہ کار نہیں اپنانا چاہیے۔ اس سے خاندان اور نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ آپ نے بھی بیٹی کھوئی میں نے بیوی بچہ اور ماں باپ کھوئے۔" وہ دلگیر تھا۔ "میں مزید گناہ کا بوجھ اپنے وجود پر نہیں لاد سکتا۔ آپ میرے لیے اتنی ہی معتبر ہیں جتنی کے حبیبہ کے لیے تھیں۔"
"میں نے تو کب کا معاف کیا۔ میری غلطیوں کی سزا اگر میری اولاد کو مل رہی ہے تو اللہ مجھے معاف کرے۔ اب جاؤ بیٹا۔ آئندہ یہاں مت آنا کہ جوان بیٹے پر ماں کا زور نہیں چلتا۔"
اس دن اس کا وجود ہلکا پھلکا ہو گیا تھا لیکن اضطراب کی کیفیت چھٹی نہ تھی۔

☆☆☆

رشیدہ کئی دنوں سے چپ چاپ تھیں۔ لیکن زینب کچھ زیادہ ہی مضمحل اور یاسیت میں گھری نظر آ رہی تھی۔ ماں کے لیے الگ پریشان تھی خالہ اور زہرا کو ان کا بیٹا عمرہ پر لے کر گیا تھا۔ گھر میں اب خاموشی کا راج تھا۔ اس گھر سے خوشیاں اس دن سے چلی گئی تھیں جب اس گھر کے در و دیوار کسی کے ناحق خون سے رنگ گئے تھے۔ اس کی اجڑی صورت رشیدہ کی تکلیف کو بڑھا رہی تھی۔ وہ بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اس کا بلڈ پریشر چڑھنے لگا تھا۔ اور پھر ایک ایسی ہی کالی سیاہ رات رشیدہ کو دوسرا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں۔ اس کی حالت کافی سیریس تھی وہ اس تنہائی اور اکیلے پن میں اور قنوطی ہوتی جا رہی تھیں۔
یوسف کو آفس سے پتا چلا تھا وہ بھی ماں کی خیریت معلوم کرنے آیا لیکن اسے یہ نہیں پتا تھا کہ یہاں آ کر وہ ہو جائے گا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ ہاسپٹل سے واپسی کے بعد رشیدہ نے اسے بلایا اور زینب کے ساتھ اس کا نکاح کیا۔
نکاح کے اگلے دن وہ ترکی چلا گیا تھا۔ کمپنی کی طرف سے اسے ترکی بھیجا گیا تھا جس شام وہ ترکی گیا اسی رات رشیدہ کی وفات ہو گئی۔ اس کی بے یار و مددگار لاش کو کندھا محلے والوں نے دیا تھا۔ غرور انسانی ذات کے لیے ہی نہیں۔ خاک کی چیز خاک میں ملنی ہے۔ اگلے چند دن بعد خالہ اور زہرا آ گئی تھیں۔ رشیدہ کی مرنے کی خبر نے انہیں بھی رنجیدہ کر دیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی صدمے اور دکھ کی گہری چھاپ میں تھی اسے دنیا کی کوئی خبر نہ تھی۔
پورے دو ہفتے بعد یوسف کا فون آیا تھا۔ رشیدہ کی طبیعت کا پوچھا۔
"اس نے رشیدہ کے انتقال کی خبر اس سے چھپالی کہ وہ اس پر ترس کھا کر کہیں چلا نہ آئے۔"
اس کی ماں کو گزرے چار مہینے ہو گئے تھے خالہ وزیرا کے ساتھ نے اس کو ڈھارس دی تھی۔ دن پر لگا کر اڑ رہے تھے خالہ وزیرا بازار گئی تھیں گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر اس نے کھانا بنایا اور پھر رسالہ لے کر دھوپ میں بیٹھ گئی۔ بوریت ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی موبائل اٹھایا اور یوسف کا نمبر پریس کیا۔ فون کسی لڑکی نے اٹھایا۔
"یوسف۔" اس کی آواز میں تحیر تھا۔

"جی وہ تو واش روم میں ہیں۔ میں آپ کا بتا دوں گی۔ کال بیک کرلیں گے وہ۔" لڑکی کی آواز نے اس کے کانوں سے دھواں اڑا دیا۔

"جی نہیں، انہیں صرف یہ کہنا ہے کہ آئندہ فون نہیں کرنا ہے۔"

وہ کال کرتا رہا۔ وہ نظر انداز کرتی رہی۔

رات کو وہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی جب دوبارہ کال آئی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر خالہ نے کال اٹینڈ کی۔

"بیٹا! وہ تو نماز پڑھ رہی ہے۔" پھر خالہ نے جو طویل بات شروع کی کہ ساری داستان سنا دی۔ اسے خالہ پر شدید غصہ آرہا تھا جس بات کو اتنے مہینے سے چھپا رہی تھی وہ سب بتا گئی تھیں۔

"بیٹا! لو وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"تم نے بتایا کیوں نہیں مجھے۔" اس نے زینب کو لتاڑا۔ اس کی خاموشی پر دوبارہ بولا۔ "تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔" یوسف نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ کچھ دن کاغذات اور ویزے میں لگا پھر اسے کال کر کے ترکی آنے کا بتایا تو وہ بتھے سے ہی اکھڑ گئی۔

"میں نہیں آسکتی۔"

"دیکھو میرا دماغ خراب مت کرو، کل کی فلائٹ ہے۔ میں خود نہیں آسکتا اس لیے تمہیں اکیلے ہی آنا ہوگا۔" پھر وہ اکیلے ہی چلی گئی۔

ایئرپورٹ پر وہ لینے آیا تھا بلیک جینز پر وائٹ شرٹ پہنے گلاسز لگائے وہ اس کی جانب آیا تو وہ چونک اٹھی۔

"دو اپنا بیگ۔" اس کا بیگ ہاتھ میں لے کر وہ گاڑی کی طرف آیا۔

"سفر کیسا رہا۔" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک تھا۔" استنبول کی سڑکوں کو غور سے دیکھتی وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

وہ گھر آگئے۔ دو بیڈ رومز کا چھوٹا سا گھر اسے حقیقتاً بہت اچھا لگا تھا باہر چھوٹا سا باغیچہ جس میں بہت سے خوب صورت پھول تھے بالکل وائٹ سا نکھرا نکھرا سا گھر۔

"میرا کمرا کون سا ہے؟" پورا گھر دیکھنے کے بعد وہ اس سے مخاطب تھی۔ ایک پل کو تو وہ کچھ حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر یکدم سے بولا۔

"وہ سامنے والا۔"

اس نے نوٹ کیا وہ اس سے کترا رہی تھی یا پھر خفا تھی لیکن اس نے بھی زیادہ کرید انہیں۔

وہ صبح سویرے کام پر چلا گیا۔ وہ گھر پر اکیلی تھی کام کرنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ باہر باغیچہ میں نکل آئی تھوڑی دیر چہل قدمی کی، اتنے میں یوسف کی کال آئی۔

"شام کو کھانا باہر کھائیں گے تیار رہنا۔"

شام کو جب وہ آیا تو وہ سادہ سی تیار تھی ریسٹورنٹ میں کافی رش تھا ایک لڑکی کونے والی ٹیبل پر ان کا والہانہ استقبال کرنے کو تیار کھڑی تھی۔

"السلام علیکم! کیسی ہو؟" پھولوں کا بکے دیتے وہ بڑے تپاک سے ملی۔

"شاید یہ وہی ہے۔" وہ دل میں سوچنے لگی۔

زینب کی طبیعت مکدر ہو گئی اسے اس لڑکی سے بیر ہو گیا تھا۔ بے دلی سے کھانا کھایا، یوسف اس کی بے چینی اور اضطراب محسوس کر رہا تھا۔ واپسی میں بھی خاموش تھی گھر میں داخل ہوتے ہی یوسف نے اسے روکتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں علینا سے کوئی مسئلہ ہے۔"

"مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔" کچھ پل بعد یوسف نے کہا۔

"تم بہت روڈ تھیں اس کے ساتھ۔"

"میں ہوں ہی ایسی۔" اس نے طنز دے مارا۔

"تم نے روڈ بی ہو کیا مجھے اچھا نہیں لگا۔" پھر اسے جاتا دیکھ کر بولا۔ "مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔"

یوسف کے الفاظ نے اسے دکھ دیا لیکن وہ زیادہ نخرے نہیں دکھا سکتی تھی کہ وہ اس کے رحم و کرم پر تھی چائے رکھ کر وہ جانے لگی تو اس نے کہا۔

"ذرا سر دبا دو۔"
کچھ دیر کی کشمکش و بیچ کے بعد اس نے بیڈ کے کنارے بیٹھ کر سر دبانا شروع کیا۔ یوسف کی آنکھیں بند تھیں۔
"حبیبہ کے ہاتھوں میں جادو تھا جب وہ میرا سر دباتی تھی تو مجھے......"
زینب اس کی بات پوری سن نہ پائی اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ وہ حیران و پریشان سا اٹھ کر دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔
صبح سنڈے تھا وہ دیر سے اٹھا کچن میں آیا وہ پہلے ہی موجود تھی وہ چائے بنا رہی تھی وہ بغور اسے دیکھے جا رہا تھا اسے لگا جیسے وہ ساری رات روتی رہی ہو۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں بالکل سرخ۔ ناشتا ٹیبل پر لگا کر وہ اس سے بچنے کی خاطر باہر جانے لگی۔ تو اس نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔
"پھر حبیبہ کا نام نہیں لوں گا۔"
"میں نے ایسا نہیں کہا۔"
"پھر مسئلہ کیا ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتا بولا۔
"وہ لڑکی کون ہے جس کے لیے تم نے مجھے باتیں سنائیں۔" وہ پھٹ پڑی۔
"وہ میرے ساتھ کام کرتی ہے۔"
"ٹھیک ہے اب جانے دو مجھے۔" وہ لاؤنج میں گئی جب وہ لاؤنج میں آیا تو وہ کمرے میں چلی گئی وہ ٹی وی دیکھنے لگا۔
زینب اس کے رویے کو اس کی بے رخی گردان رہی تھی، اس کے خیال میں وہ اس لڑکی پر فریفتہ تھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی یوسف سے ایک محبت بھرا جملہ نہ سنا تھا اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک مکان کے کرائے دار تھے۔
اگلے ویک اینڈ وہ دوستوں کے ساتھ تفریح کی غرض سے کسی دوسرے شہر گیا تھا۔ وہ رات دیر تک اس کا انتظام کرتی رہی لیکن وہ نہ آیا۔ اس نے کال کی۔
"باہر برف پڑ رہی ہے۔ ہمارا آنا کینسل ہے۔ میں صبح آؤں گا۔" اس کے ان الفاظ پر تو دھیان ہی نہیں تھا دھیان تو بیک گراؤنڈ میں سے آتی آوازوں میں سے علینا کی چہکتی آواز پر تھا جس کو سن کر وہ سن ہو گئی۔ وہ پوری رات اس نے جلتے کوئلوں پر بتائی تھی۔ اس کی تو موج تھی ایک اس کی وجہ سے جان سے چلی گئی تھی دوسری کو بے وقوف بنا کر گھر میں بٹھا دیا اور خود باہر عیاشیاں کرتا پھر رہا تھا۔
"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اپنے گالوں پر آئے آنسوؤں کو صاف کر کے اس نے دل میں تہیہ کر لیا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ گھر آیا وہ لاؤنج کی صفائی کر رہی تھی۔
"رات کو برفباری کی وجہ سے......"
"میں پاکستان جانا چاہتی ہوں مجھے آج کا ہی ٹکٹ چاہیے۔" بات کاٹ کر اس نے بالکل سپاٹ آواز میں کہا۔
یوسف کو جیسے کرنٹ لگا۔
"کیا......تم اکیلے کیسے رہو گی۔"
"یہ میرا مسئلہ ہے۔"
اس کی ہٹ دھرمی پر وہ قدرے سکون سے بولا۔
"تو جاؤ۔" وہ کچن میں پانی پینے گیا۔ زبان سوکھنے لگی تھی۔
"میرا ٹکٹ۔" وہ اس کے سامنے آئی۔
"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" اس نے ٹالا۔
"عیاشی کے لیے ہیں۔" اس کے الفاظ پر صبر کے گھونٹ پیتا وہ نرمی سے بولا۔
"تنگ مت کرو وہاں رہو گی کس کے پاس۔"
"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"
"پاکستان تو میرے بغیر نہیں جا سکتیں۔" اس نے دوٹوک کہا۔
وہ رونے لگی۔ "مجھے نہیں رہنا تمہارے

ساتھ۔"

"دیکھو میں پوری رات سو نہیں پایا اب مجھے سونے دو بعد میں بات کروں گا۔" اس کی بات نے آگ بھڑکائی تھی۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ چلائی۔

گلاس ٹیبل پر رکھ کر اس کا ہاتھ پکڑے وہ اسے لاؤنج کے صوفے پر بٹھاتا بولا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں کیونکہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا اب یہ بتاؤ کہ جانے کی بات کیوں کر رہی ہو۔ اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں ساری رات علینا کے ساتھ تھا تو یہ بالکل غلط ہے میں دوستوں کے ساتھ تھا، علینا بھی تھی۔ ہم برف باری کی وجہ سے رک گئے تھے۔ وہاں دوسری لڑکیاں بھی تھیں تمہارے ہوتے ہوئے میں کسی دوسری......" کچھ توقف بعد بولا۔

"اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں علینا کے ساتھ شادی نہ کر لیتا۔ کون روک سکتا ہے مجھے اس کے دل میں کیا ہے یہ میں نہیں جانتا لیکن میرے دل میں صرف تم ہو۔" اس کی روتی برستی آنکھوں کو محبت سے دیکھتا وہ مزید گویا ہوا۔ "میں تمہارے قریب کیسے آؤں کیونکہ پہلے ہی دن سے تم نے اپنا کمرہ الگ کر لیا تھا میں زبردستی کا قائل نہیں پھر تم ہی بتا دو کہ میں......" وہ رکا۔

"تم نے کبھی محبت کا اظہار نہیں کیا۔" اس کے لبوں نے شکوہ کیا۔

"ابھی بھی کیا ہے پہلے بھی کیا ہے۔" وہ حیران ہوا۔

"جب سے میں استنبول آئی ہوں یاد کرو کبھی تم نے میری تعریف کی ہو یا محبت بھرا کوئی جملہ کہا ہو۔ مجھے لگا تم پچھتانے لگے مجھ سے نکاح کر کے۔" وہ شدت سے رونے لگی۔

وہ مسکرانے لگا۔ اپنا بازو اس کے کندھے کے گرد لپیٹے وہ اس کو اپنے سینے سے لگاتا بڑے جذب سے بولا۔

"تمہاری جگہ یہاں ہے۔" میں یہ بھول گیا تھا کہ جولڑکی اپنی بہن سے جلتی ہو وہ زندہ خوب صورت لڑکی سے کیوں نہ جلتی ہوگی۔ "یار یہ تو زیادتی ہے میں کسی اور کی تعریف نہیں کر سکتا۔"

اس کے پھولے منہ کو دیکھ کر یوسف بے اختیار مسکرانے لگا۔ پھر بڑی آس سے پوچھا۔

"اب بھی پاکستان جاؤ گی۔" زینب نے کوئی جواب دیے بغیر سر جھکا لیا۔

☆☆☆

اس کا رویہ اس کے ساتھ بہت نرم اور محبت آمیز تھا۔ شب و روز بہت اچھے گزر رہے تھے جنید نے کال کی تھی شاید خالہ وزیرا سے نمبر لیا تھا اس نے۔ زینب کو خوب گالیاں دی تھیں۔ ماں پر لعنت بھیجی تھی۔ وہ دھمکیاں بھی دیتا رہا۔ وہ سب کچھ سنتی رہی کیا کرتی کہ غلطی اس کی تھی۔

وہ امید سے ہوئی تو یوسف اس کا بہت خیال رکھنے لگا تھا۔ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن سب ٹھیک نہیں رہا جب اس ہنستے بستے گھر میں نفرت کی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔

اسے پیاس لگ رہی تھی وہ پانی پینے کمرے سے نکلی، رات کا ایک بج رہا تھا۔ رات وہ جلدی سو گئی تھی ان دنوں اس کی روٹین عجیب سی ہو گئی تھی یوسف دیر تک ٹی وی دیکھتا اس کے آرام کی غرض سے وہ بھی کبھار خود بھی جلد سونے کی کوشش کرتا لیکن آج نیند نہیں آئی تو ٹی وی کے سامنے بیٹھا کسی سے موبائل پر باتوں میں مصروف تھا۔

"ہاں میں اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ کس طرح اس کی ماں اور بھائی نے میرے خاندان کو تباہ کر دیا۔ میرا بچہ میری بیوی کیسے بھول سکتا ہوں میں۔ پھر دیکھو اسی یوسف سے جس سے اس کی ماں بے پناہ نفرت کرتی تھی کیسے خود ہی بلایا اور اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اب اگر وہ زندہ ہوتی تو دیکھ لیتی کہ کس طرح اس کی دوسری بیٹی بھی اسی یوسف کے بچے کی ماں

بننے والی ہے۔"

یہ اس نے کیا سنا۔ وہ رات تھی یا قیامت۔ اس کی ذات کے تو پرخچے اڑا دیے اس شخص نے...... دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ ایک آگ نے پورے جسم کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ زندہ کیسے تھی اسے خود ادراک نہ تھا۔ وہ بستر تھا یا کانٹوں بھرا دوزخ۔ لرزتے وجود کو تھامے وہ لیٹی پر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس شخص کی طرح جواب اس سے بہت دور ہو گیا تھا۔

دیر سے سونے کی وجہ سے وہ صبح دیر سے اٹھا وہ کمرے میں نہیں تھی۔ اس نے پورے گھر میں دیکھ لیا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ وہ حیران ہوا۔ وہ بھی بتائے بغیر گھر سے نہیں نکلی تھی۔ کال کی جو کہ اٹینڈ نہیں ہوئی۔ فون بند تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ کچھ یاد آنے پر اس کے پیروں سے زمین نکل گئی۔

"تو کیا اس نے میری باتیں سن لیں۔" اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اس نے ہر جگہ ڈھونڈا وہ نہیں ملی۔ سوچ سوچ کے اس کی دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں۔

ایک دن گزر گیا، دوسرا دن بھی۔ وہ کسی دوست کو نہیں بتا سکتا تھا، حسن پاکستان میں تھا وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ حسن کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن چکی تھی موبائل آف تھا وہ پاگل ہوا جا رہا تھا تیسرے دن علینا کی کال آئی تھی۔

"زینب میرے گھر پر ہے، آجاؤ۔"

اس نے اطمینان بھری سانس لی۔ اسی وقت وہاں چلا گیا۔ وہ بہت اجڑے حلیے میں اس کے سامنے تھی۔

"میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" زینب نے علینا سے کہا۔

علینا نے اس کے علم میں لائے بغیر یوسف کو بلایا تھا۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر شدید طیش میں آگئی تھی۔ علینا یوسف کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہتی گھر سے چلی گئی۔ اس نے دونوں کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دیا تھا۔ وہ اس کے قریب آیا تو وہ چلائی۔

"گھن آتی ہے مجھے تم سے۔ انتہائی کمینے ہو تم۔ دفع ہو جاؤ، ورنہ میں یہاں سے بھی کہیں چلی جاؤں گی۔"

"چھوٹو مت، تمہاری طبیعت......"

"اللہ کرے یہ بچہ پیدا ہی نہ ہو، مر جائے۔" وہ چلائی۔

"اب اگر ایک بھی غلط لفظ میرے بچے کے لیے تمہاری زبان سے نکلا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ برداشت نہ کر پایا۔

"تم سے برا کوئی ہے ہی نہیں۔ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ انتقاماً شادی کی تھی تو جاؤ اب تمہارا انتقام پورا ہوا اب کیا لینے آئے ہو۔ یہاں سے جاؤ۔"

وہ اس دن ناکام لوٹا۔ وہ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔ علینا سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اسے سمجھاؤ نا، وہ تو پاگل ہو گئی ہے۔"

"تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، وہ کچھ دنوں میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں عورت کو کچھ مسئلے مسائل ہوتے ہیں۔" تین دن بعد آیا تو اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔

ایک دن علینا کی غیر موجودگی میں وہ آیا اسے ساتھ جانے کا کہا۔

"میں تمہیں نہیں جانتی۔" اس نے پہچاننے سے ہی انکار کیا۔

"یہ ناٹک چھوڑو......"

"تم منافق ہو میں کسی منافق کو نہیں جانتی۔"

وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھا تو وہ یکدم سے اٹھنے لگی اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھایا۔

"ہاں، وہ سب میں نے کہا تھا پر وہ پہلے کی بات تھی جب میرے دماغ میں انتقام کی بات چل رہی تھی میں بھی انسان ہوں میں بھی خطا کر سکتا ہوں۔ کیا تم مجھے مارنے نہیں آئی تھیں کیا تمہیں بھائی

نے......"

"میں نے تمہیں بتادیا تھا کہ میرا بھائی کیا چاہتا ہے۔" وہ چیخ کرتے ہوئے چلا کر بولی۔

"تم نے جھوٹ بول کر شادی کی۔ محبت کا دھوکا دیا۔" وہ رونے لگی۔ "کبھی میں کہتی تھی کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ میں سچ سوچتی تھی تم نے محبت کے نام پر لوٹا ہے۔"

اس نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر پھیلانا چاہا جسے زینب نے سختی سے جھٹکا۔

"ہاں انتقاماً شادی کی لیکن جب تمہاری ماں کے انتقال کا پتا چلا تو یہ انتقام خود بخود ختم ہو گیا۔ اور محبت تو میں......"

"جھوٹ مت بولو۔ دغاباز انسان میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔" اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔ وہ کسی صورت ماننے کو تیار نہ تھی۔

کئی دن گزرے وہ ٹس سے مس نہ ہوئی علینا نے کافی سمجھایا اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ علینا نے یوسف سے کہا کہ وہ جاب کر کے اپنا اور بچے کا خرچا خود اٹھانا چاہتی ہے اور جلد ہی اپنے رہنے کا ٹھکانا ڈھونڈ لے گی۔

یوسف بھڑک اٹھا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

☆☆☆

دن پر لگا کر اڑ رہے تھے رات کو وہ گہری نیند سویا تھا جب علینا کی کال آئی۔

"یوسف زینب کی طبیعت ٹھیک نہیں جلدی آؤ۔"

اس نے بستر سے چھلانگ لگائی۔ جانے وہ کتنے منٹوں میں پہنچا تھا۔ وہ اسے وہاں سے سیدھے ہاسپٹل لے گئے تھے۔ صبح ایک نئی امید کے ساتھ بے دار ہوئی تھی۔ اس نے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ وہ دو دن ہاسپٹل میں رہ کر اسے سیدھا گھر لے آیا تھا۔ وہ چیخی چلاتی رہی لیکن یوسف نے ایک نہ سنی۔ گھر آ کر بھی اس نے کافی فساد ڈالا تھا لیکن یوسف نے جیسے کانوں میں روئی ڈالی تھی۔

وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ روڈ اور کترائی کترائی سی رہی۔ فہد کو سنبھالتی وہ گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔ وہ اس کی بے اعتنائی کا شکار تھا۔

فہد کو گود میں اٹھائے وہ ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھا جب وہ اس کے پاس آئی تھی۔

"سلانا ہے اسے۔" فہد تین مہینوں کا ہونے والا تھا۔

"ابھی کھیل رہا ہوں اس کے ساتھ۔"

یکدم سے جھپٹ کر لینا چاہا تو حیران ہوتا وہ اسے خود ہی اس کے حوالے کر گیا۔ ٹی وی سے بور ہو کر وہ کمرے میں آیا وہ فہد کو سلا چکی تھی اور نماز پڑھ رہی تھی۔ وہ بیڈ پر دراز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نماز پڑھ کر بے نیازی سے وہ بیڈ کے دوسرے کنارے بیٹھ کر اس کے جانے کا انتظار کرنے لگی۔

"میں یہیں سوؤں گا۔"

"تو میں دوسرے کمرے میں سو جاؤں گی۔" اس نے اٹھ کر کہا تو وہ جلدی سے اٹھا اور اس کے سامنے آیا۔

"جہاں تم ہو گی وہاں میں ہوں گا۔" کچھ پل اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے رہنے کے بعد اس نے نہایت درشتی سے کہا۔

"کب تک ڈھونگ رچاؤ گے۔ کتنی منافقت دکھاؤ گے۔"

"اور تم کب تک ذلیل کرو گی اور کتنا ذلیل کرو گی۔ کہا تھا نا کہ انتقام لینے کا سوچا تھا لیکن تمہاری ماں کی وفات کے بعد میرا وہ انتقام سب ملیا میٹ ہو گیا تھا۔ میں تو صرف انہیں اذیت دینا چاہتا تھا میں سچ کہہ رہا ہوں یہی سچائی ہے۔ میں اس وقت کمینہ پن دکھا رہا تھا لیکن جب مجھے پتا چلا کہ تم تنہا ہو تو میں نے......"

"تو تم نے ترس کھایا، رحم کیا، ہے نا......" مزید کرختگی سے بولی۔ "ہمدردی...... ہاں۔"

"یہ تم یوں بھی کہہ سکتی ہو کہ محبت سے مغلوب

ہو کر......"

اس نے یکدم سے یوسف کی بات کاٹی۔

"پھر جھوٹ۔"

"تو ٹھیک ہے، جو بھی ہے اب میں ہی تمہارا ہوں اور تم ہی میری ہو۔ جو سمجھتی ہو وہ سمجھتی رہو تم۔ میں بتا بتا کر تھک چکا ہوں۔ اب تم مرو یا جیو اب صرف میری ہو۔ یہاں سے جانے کا مطلب تمہاری ٹوٹی ہوئی ٹانگیں ہوں گی۔" وہ غصے سے بولا۔

"میں یہاں اس کمرے سے دفان ہو رہا ہوں اب بھی تمہارے قریب نہیں آؤں گا جب تک تم خود نہیں بلاؤ گی چاہے ساری زندگی ایسے ہی گزر جائے اور ہاں۔" پلٹ کر نہایت ترشی سے مزید بولا۔

"اب اس موضوع پر کوئی بات نہ سنوں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ چلا گیا۔ جاتے جاتے دروازہ دھاڑ سے بند کرنا نہ بھولا تھا۔

☆☆☆

"پچھلے آٹھ مہینے سے وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ ایک اجنبی کی طرح بی ہیو کر رہی ہے اب بیٹے کے بعد تو میری کتنے جتنی اوقات بھی نہیں۔ میں کسی کو خوش رکھ ہی نہیں پایا۔ دل کرتا ہے خود کو ختم کرلوں۔ نہ میرا وجود ہوگا نہ ہی یہ مسئلے مسائل۔"

وہ علینا سے بات کر رہا تھا وہ بہت دل برداشتہ تھا۔ علینا ان کے گھر آئی ہوئی تھی۔ زینب کچن میں تھی جبکہ وہ دھیرے دھیرے علینا سے کہتا کافی مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ زینب چائے لے کر آئی تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ بھی صوفے پر بیٹھی اور علینا سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگی۔ علینا کے جانے کے بعد جب وہ رات کو بستر پر لیٹی تو ساری رات کروٹیں بدلتی گزری۔

"اگر میں اکیلی ہوں تو وہ بھی تو تنہا ہے۔ میرا تو بھائی ہے اس کا تو میرے سوا کوئی نہیں۔ اگر اس نے غلطی کی تو سب سے زیادہ غلطی تو میرے گھر والوں نے کی۔ حبیبہ کو مارا اس کے گھر والوں کو مارا۔ پھر میں صرف اس کو کیوں خطاکار ٹھہراؤں۔ میں نے بھی تو گناہ کیا تھا اسے مارنے میں شریک تھی۔ اگر اس نے دل برداشتہ ہو کر انتہائی قدم اٹھا لیا تو۔" اس کی روح کانپ اٹھی۔

صبح کسلمندی سے بے دار ہوتی جب وہ کچن میں آئی تو وہ پہلے ہی کچن میں موجود تھا ایک عام سی نظر ڈالتا وہ لاؤنج میں چلا گیا۔ ٹی وی دیکھتے دیکھتے وہ سو گیا تھا۔

"ناشتا بنا دوں۔" وہ یوسف کے پاس آئی، اس نے جواب نہیں دیا۔ دوبارہ کہنے پر بھی جواب نہ آیا تو اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا بخار چیک کیا۔ "طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ ایک بار پھر پوچھنے لگی۔ جواب نہ ملنے پر وہ قریب صوفے پر بیٹھ گئی اور ہلکے ہلکے اس کا سر دبانے لگی۔

"مت کرو عادت ہو جائے گی۔" اس نے روکا۔ وہ بدستور دباتی رہی۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہوں میں۔"

اس کی بند آنکھوں کو دیکھتی وہ اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ اٹھ کر نیم دراز ہوا تھا۔

"ناشتا دو گی۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہنہ۔" وہ سنجیدگی سے اٹھنے لگا۔

مسکرائی۔ اسے دونوں ہاتھوں سے دھکیلتی اٹھنے سے منع کر گئی۔

"کیا ہے۔" وہ برہم ہوا۔

"کہیں جا رہے ہو؟"

"ہاں۔" وہ کرخت انداز میں بولا۔

"تھوڑا مسکراؤ تب، خوف ناک لگ رہے ہو۔" وہ شرارت کے موڈ میں تھی جبکہ یوسف کافی حد تک سنجیدہ تھا۔

"میری مسکراہٹ کا تم کیا کرو گی۔" اس نے نظریں اس کی نظروں میں گاڑھ دیں۔

"اسی مسکراہٹ پر تو سب لڑکیاں مرتی تھیں۔" وہ لطف اٹھاتی مسکرائی۔

"اور تم......" وہ اب لائن پر آنے لگا تھا۔
"میں نہیں۔" وہ ہنوز مسکرائے جا رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر سنجیدہ ہوا۔
"جانے دو مجھے۔" وہ اٹھنے لگا۔
"ہرگز نہیں۔" وہ ہٹ دھرمی دکھا رہی تھی۔
"آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں۔" اس نے بے چارگی سے کہا تھا۔
اس نے سر نفی میں ہلایا تو وہ عاجزانہ انداز میں صوفے کی بیک سے پشت لگا کر سر بیک پر رکھے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھے آنکھیں بند کر گیا۔
"ناشتا تیار ہے اٹھو۔" اس نے ترس کھایا۔
آنکھیں کھول کر اس نے بالکل عام سی نظر ڈال کر پاس پڑا موبائل اٹھایا ٹائم دیکھا پونے نو بج رہے تھے۔
"مجھے دیر ہو رہی ہے میں ناشتا نہیں کر سکتا۔" اٹھ کر وہ کمرے میں تیار ہونے چل دیا۔ پھر وہ بغیر ناشتا کیے دفتر چلا گیا تھا۔ وہ سارا دن زینب کا بہت اچھا گزرا تھا۔ دل و دماغ پر چھائی قنوطیت ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ہنوز لاتعلق تھا وہ اس کی کتراتے کتراتے رویے پر دل ہی دل میں ہنستی تھی۔ وہ اس کی لاتعلقی کو اب انجوائے کر رہی تھی۔ جانے کیوں اسے دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگتی تھی۔ اس کے کپڑے پریس کرنے تھے رات کو تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ صبح آفس کے لیے کپڑے پریس کرنے لگی۔
"کھانا ملے گا یا نہیں۔" اس نے کھانا نہیں کھایا تھا، اس وقت بھوک نہیں کہہ کر کھانے سے انکار کیا تھا۔ اب کھانا مانگنے لگا۔
اس کا بے زار انداز زینب کو اس وقت بہت بھلا لگ رہا تھا۔ گردن موڑ کر قدرے خوشگوار موڈ میں بولی۔
"کیا قسمت پائی ہے مفت کی نوکرانی ملی ہے ادھر کپڑے......"
وہ خاموشی سے چل پڑا۔ یکدم سے سوئچ آف کر کے وہ پیچھے چل دی۔
"لگا رہی ہوں۔"
"رہنے دو۔" وہ ناراض ہوا۔
"اس وقت تک بیڈروم میں نہیں جا سکتے جب تک کھانا نہ کھا لو۔" اس نے راہ روک لی تھی۔
ناچار وہ اس کی تقلید میں اس کے پیچھے کچن میں آیا۔ ٹیبل پر کھانا لگا کر وہ اپنے کمرے میں گئی نبہد سو رہا تھا۔ تسلی کر کے وہ واپس کچن میں آئی۔ وہ بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔
"حبیبہ کو بھی ایسے نخرے دکھاتے تھے۔"
"نہیں۔ وہ تمہاری طرح بدتمیز نہیں تھی۔" یکدم سے ترنت جواب آیا۔
وہ مسکرائی۔
"اوہ اچھا تو سارے نخرے میرے لیے ہیں۔"
"نہیں۔" وہ بے دلی سے کھا رہا تھا۔ پھر بولا۔
"نخرے اسے دکھائے جاتے ہیں جس پر آپ کا حق ہو۔"
"تو کیا حبیبہ بھی یہ حق نہیں دیتی تھی۔" وہ کھیر منہ میں ڈالتی مزید اس کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے بولی۔
چمچہ زور سے پلیٹ پر پٹختے وہ غصے سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔
"کیا ہر وقت حبیبہ حبیبہ کرتی رہتی ہو۔ ہاں......! مذاق کی وہ بولو۔" پھر یکدم سے کرسی زور سے دھکیلتا اٹھا۔ انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا بولا۔ "ہر وقت تمہاری منتیں کروں۔ تمہارے سامنے کتے کی طرح پھرتا رہوں پھر بھی تم خوش نہیں۔ آئندہ اس کا نام لیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ حبیبہ کی خاک کے برابر بھی نہیں تم۔" وہ غرایا۔
"انتہائی بدتمیز، ہٹ دھرم، ضدی۔" وہ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا رہا۔
"تم نے بتایا ہے بدتمیز ہٹ دھرم" پھر سکون آمیز انداز میں بولی۔ "کھانا کھاؤ۔"
"نہیں کھانا بڑی مہربانی۔" وہ ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتا چل پڑا۔
"سوری کر رہی ہوں، کھا لو۔ انہی اداؤں سے لڑکیوں کو دیوانہ بناتے ہو۔"
"سوائے تمہارے۔" وہ طنز سے باز نہ آیا۔

"میں بے وقوف نہیں۔" وہ اترائی۔
"میں لڑکیوں کو دیوانہ بناتا ہوں کہ نہیں مگر تم یہ کام خوب کرلیتی ہو۔" وہ چوٹ کرکے پانی پینے لگا۔
"کس کو بنایا؟" سوالیہ لہجہ مگر مسکراتی آنکھیں جاننے کو بے تاب تھیں۔
"مجھے۔" اس نے کھلے دل سے یکدم سے اعتراف کیا۔
"پر تم تو لڑنے مرنے پر تیار ہو دیوانے، ایسے کرتے ہیں۔"
"دیوانہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔" کچھ توقف بعد بولا۔ "اب جاسکتا ہوں کھانا نہیں کھانا مزید۔" پھر بے زار سا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
زینب کچن سمیٹ کر چائے بنا کر اس کے کمرے میں دینے آئی۔ یوسف لیپ ٹاپ پر کچھ کام کررہا تھا۔ وہ چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ مسلسل کام میں مصروف رہا۔ اس نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
"تم سچ سچ بتادو کہ سچ کیا تھا اور جھوٹ کیا۔" اس کے اچانک اس سوال پر وہ نظریں لیپ ٹاپ پر سے ہٹاتے بولا۔
"کیا سچ؟"
"تم نے انتقاماً نکاح کیا تھا؟"
"ہاں میرے دل میں انتقام کی آگ بھڑکی تھی میں جان بوجھ کر تمہاری طرف بڑھا۔ میں تمہاری محبت کی آڑ میں تمہاری ماں اور تمہارے بھائی کو شکست دینا چاہتا تھا لیکن جب تمہاری ماں کا انتقال ہوا تو میں اپنے تمام ارادوں سمیت دستبردار ہوگیا۔ اس عداوت کی جنگ سے میں عاجز آچکا تھا۔ اگر میں تم سے مخلص نہ ہوتا...... انتقام لینے پر ہی قادر ہوتا تو پھر یہاں کیوں بلواتا تمہیں۔ اب ہر وقت یہ صفائیاں میں نہیں دے سکتا۔ اب مزید وضاحتیں میں نہیں دوں گا۔" اس نے بات ختم کرکے ایک بار پھر لیپ ٹاپ پر نگاہیں مرکوز کیں۔
"حبیبہ کو بھی تم اسی طرح نظرانداز کرتے تھے۔" شکوہ لبوں سے پھسلا۔
"وہ مجھے نظرانداز نہیں کرتی تھی۔" "وہ" پر زور دیتا وہ ہنوز لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔
"تمہیں اس سے زیادہ محبت تھی؟"
وہ چپ رہا۔
"بولو نا، تمہیں اس سے زیادہ محبت تھی۔"
"تم سے زیادہ ہے۔" وہ ہنوز مصروف تھا۔
"جھوٹ۔" وہ نہ مانی۔
"تمہیں میری ہر بات جھوٹ لگتی ہے۔"
"اس نے تمہارے لیے جان دی تھی۔"
"میں تمہارے لیے جان دوں گا۔"
"مجھے یقین نہیں۔" وہ بے یقین تھی۔
"ٹرائی کرکے دیکھو۔" وہ آزمانے پر آمادہ کرنے لگا۔
"تو تم مجھے دیکھ کیوں نہیں رہے۔" شکوہ ابھرا۔
"تم نہیں چاہتیں۔"
"دیکھو مجھے۔" اس نے حکم دیا۔
"تمہارے حکم کا غلام ہوں۔" لیپ ٹاپ بند کرکے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتا بولا۔
"اگر چاہو تو ساری رات دیکھوں تمہیں۔"
وہ مسکرائی۔
"اسی مسکراہٹ پر تو مرمٹا میں۔" باہر برف پڑرہی تھی۔ وہ یوسف کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دنیا مافیہا سے بے خبر عشق کی راہ پر گامزن تھی وہ جس والہانہ نظروں سے دیکھتا باتیں کرتا جارہا تھا وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہی تھی۔
جس محبت کی بنیاد حبیبہ نے رکھی تھی اس کی تکمیل زینب نے کردی تھی۔
اس کے ہاتھ کو لبوں سے لگاتے یوسف نے اسے خود سے قریب کیا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔ اس کی مسکراہٹ نے ہی تو یوسف کو دیوانہ بنادیا تھا۔ وہ اس دیوانی کی ہر ادا پر مرمٹا تھا اور وہ دیوانی صرف یوسف پر مرتی تھی۔

☆☆

فائزہ بھٹی
محبت نا سب سے بہتر ہے

"ایک......دو......تین......"

صبح سے مسلسل ہوئی بارش اور وقفے وقفے سے پڑنے والے اولوں نے موسم سرد اور ہولناک بنا رکھا تھا۔ اس بارش اور اولوں کے نتیجے میں جگہ جگہ کچے صحن میں گڑھے نمودار ہوگئے تھے۔ ابھی کل ہی تو اس نے سارے صحن کی لپائی کی تھی کہ اسی وقت بادل آ گئے۔ صحن سوکھ بھی نہ سکا تھا۔ اب بارش کا بہتا پانی اپنے پیچھے گڑھے چھوڑ رہا تھا۔ مگر وہ ان ساری چیزوں سے بے نیاز الگ ہی حساب کتاب میں الجھی ہوئی تھی۔ گہرے کالے بادلوں کی وجہ سے رات کا روپ دھارے ہوئے شام اور اس کا بڑھتا اندھیرا اس حساب میں مخل ہو رہے تھے۔ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے ہوئے اس نے ایک بار پھر انگلیوں پر حساب کیا۔

"تیرہ...... چودہ...... پندرہ......" ہاں پورے پندرہ دن ہوگئے اسے گئے ہوئے اور وہ کہتا تھا، پندرہویں شام کے اختتام تک تمہارے پاس ہوں گا۔

"مطلب وہ آنے والا ہے...... مگر یہ موسم......"

اس کا دل لرزا۔ اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ان کالے گہرے بادلوں کو کسی دوسرے دیس لے جانے کی اللہ سے منت کی تھی۔ سماعتیں لاشعوری طور پر ایک مانوس آواز کی منتظر تھیں۔

"اللہ اس کے آنے تک ہی ان بادلوں کو روک دے۔ اگر آج نہ آیا تو...... اف......" ایک موٹا سا اولہ اس کی ناک پر لگا۔ اولے سے زیادہ ایک خیال نے اس پر کپکپی طاری کی۔

"اگر ایسے ہی اولے پڑتے رہے، وہ تو نیلو نیل ہو جائے گا اور اس کی سائیکل......"

سائیکل کا خیال آتے ہی ست رنگی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ کسی کی یاد نے منتظر بنا تو آنکھوں میں ڈھیروں جگنوں براجمان ہوئے تھے۔

"سائیکل...... سائیکل لے کر آئے ہو تم میرے لیے۔ میرے کہنے پر...... میری خواہش پر......"

وہ تو جیسے صدمے سے ادھ موئی ہوئی جاتی تھی۔ مقابل اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"اب ہر شخص کے پاس جب بائیک اور گاڑی ہے، تم میرے لیے سائیکل لائے ہو۔"

بس آنسو گرنے کی کسر تھی ورنہ وہ تو رو ہی تھی۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا۔ تم سے اب چلا نہیں جاتا تو میں سائیکل لے آیا۔" زوار نے مسکراہٹ روکنے کو نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

"تم بائیک بھی لاسکتے تھے......" پہلا آنسو گرا تو زوار کا قہقہہ درختوں سے پرندے اڑا گیا۔

"بائیک بھی لے لوں گا۔" زوار نے صفائی دینا چاہی مگر زوبیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں۔ اس وقت جب فقیر بھی گاڑیوں میں گھومیں گے۔" زوبیہ کا بس نہ چلتا تھا کہ اونچی آواز میں رونے لگتی۔

"ارے واقعی...... تمہیں کیسے پتا چلا۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ تم دیکھنا جب لوگ گاڑیوں میں گھومیں گے، میں تمہیں بائیک پر گھماؤں گا۔ جب لوگ جہاز خریدیں گے، میں گاڑی لوں گا تمہارے لیے...... اور اس کے بعد لوگ جب چاند پر جانے کو چاند گاڑی خریدیں گے۔ میں اپنے پاکستانی جہاز پر تمہیں چاند کی سیر کراؤں گا۔"

اس کے انداز پر وہ روتے ہوئے ہنس دی۔ اس کی ہنسی نے خوشبو کو ہواؤں میں بکھیرا۔ زوار نے اس خوشبو کو سانسوں میں اتارتے ہوئے جاں نثار نظروں سے اسے دیکھا۔

باہر دروازے پر مانوس آواز ابھری تو یادوں کے سنہرے موتی وقت کے پاس امانتاً رکھوا کر وہ دروازے کی جانب بڑھی۔ دید کو ترسی آنکھوں کے کونے سیراب ہوئے تھے۔ شکر کے ڈھیروں احساس کے ساتھ اس نے اوپر دیکھا اور بادلوں کو خوب برسنے کی اجازت دی تھی۔

☆☆☆

بارش میں بھیگنے کے سبب وہ تیز بخار میں مبتلا تھا۔ زوبیہ نے اس کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ دنیا میں ایک وہی تو تھا جس کو دیکھ کر زندہ ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ ورنہ تو دمے کے مریض کی طرح سانس رک رک کر آتی تھی۔

زوبیہ کی مسلسل تیمارداری سے زوار کی حالت آج اچھی تھی۔ وہ اٹھ کر صحن میں بیٹھا تو سارے میں گلابوں کی مہک پھیل گئی۔ ہوا کے سنگ آتی دور سے نئے بنتے گڑ کی خوشبو ایک انوکھا سا رس بھرا احساس دلا رہی تھی۔

دوسرے گاؤں چاچا رشید کے سموسے کھانے کے لیے جب وہ ابا کی اجازت سے اس کے پیچھے اس کی سائیکل پر بیٹھی تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھ رہی تھی۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی اس کی سائیکل کی اچھی خاصی چلتی بریکس فیل ہوئی تھیں۔

"اب زوار پیچھے ہٹ جاؤ...... ہیں ہیں...... ہاں ہاں...... ٹیں ٹیں جیسی آوازیں نکالتا ہر گلی سے گزر رہا تھا۔ ہنس ہنس کر بے حال ہوتے لوگ اس کے لیے راستہ چھوڑ رہے تھے۔ اور سائیکل جیسے ہی چاچا رشید کی گلی میں داخل ہوئی۔ دکان کے باہر کھڑے شامے کو دیکھ کر زوار نے دور سے ہی ہانک لگائی تھی۔

"شامے روکیں...... بریکس فیل ہیں۔"

شامے نے ایک نظر سائیکل کو دیکھا اور پھر پیچھے بیٹھی بھابھی کو جو ہنس ہنس کر سائیکل ڈگمگائے دے رہی تھی۔ اس کے روکتے روکتے بھی ■ لوگ دکان سے آگے نکل گئے۔ اس نے بڑی مشکل سے سائیکل کو پیچھے سے پکڑ کر روکا۔

زوار نے سائیکل شامے کو مرمت کے لیے دی اور اس کی گالیاں سنتا زوبیہ کو لے کر دکان میں گھس گیا۔ انہیں دیکھ کر چاچا رشید خوش ہوا تھا۔

"رخصتی کب کروا رہے ہو۔ زوار پاؤ......"

چاچا کے سوال پر زوبیہ سرخ ہوئی اور باہر دیکھنے لگی۔ ایک موٹی تازی بلی اس کے ہاتھ میں سموسہ دیکھ کر زبان پھیر رہی تھی۔ اور زوار اس کی تو من کی مراد بھر آئی ہو جیسے۔ اس نے ایک بھرپور نظر زوبیہ پر ڈالی اور پھر چاچا کی جانب متوجہ ہوا۔

"بس چاچا گندم آ جائے، پھر کرتا ہوں بات چاچا مجید سے...... بس آپ نے دعا کرنی ہے۔"

"کیوں نہیں پتر۔ میں خود مجید سے بات کروں گا۔ دمی رانی کو اب اپنے گھر کی کر دے۔"

شاما کچھ دیر بعد سائیکل کے ساتھ حاضر ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں زوار خاصا چہک رہا تھا۔ زوبیہ لوگوں کے کھیت آتے ہی اس نے سائیکل روک دی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سرسوں اور موگرے کے کھیت میں لے گیا۔

سرسوں کے پھولوں پر شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ موگرے کے سفید پھولوں کا گلدستہ بنا کر وہ اس کے سامنے جھک گیا۔

"میں چاند تاروں کی بات نہیں کرتا۔ مگر وعدہ کرتا ہوں۔ محبت کو مرنے نہیں دوں گا۔ محبت کو تمہارے لیے اعزاز بنا کر رکھوں گا۔"

جھک کر پھول پکڑتے ہوئے خوشی کا انوکھا احساس زوبیہ کے رگ و پے میں اترا تھا۔ اس نے سانس کھینچ کر موگروں کی مہک کو اپنے اندر اتارا اور اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ بھنبھناتی شہد کی مکھیاں، میٹھے رس بھرے دنوں کا سندیسہ دیتیں انوکھے راگ الاپ رہی تھیں۔

"پاؤں دھو کر پینے کی بات نہیں کروں گی۔ مگر اتنا ضرور کہوں گی، اپنے اٹھتے ہر قدم کے ساتھ تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" محبت کے اس سفر میں زوبیہ نے کچھ سنہرے پھول زادِ راہ کے طور پر اس کے ہمراہ کیے تھے۔

"ہوسکتا ہے، اگلے دو سال تک میں بائیک نہ لے سکوں۔ تمہیں اس سائیکل پر ہی گزارا کرنا پڑے۔"

اس کے خدشے پر وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''کوئی بات نہیں...... ہم سفر اگر تم ہو گے تو میں میلوں پیدل چل لوں گی۔''

شکر کے احساس نے زوار کی پلکیں نم کی تھیں۔

☆☆☆

محبت سب سے بہتر ہے
کوئی بھی دل ربائی کب بھلا اس کے برابر ہے
یہی اک بات تھی اس میں
یہی اک بات تھی اس میں
کہ میں اس سرسبز کھیت کے اسی آباد گوشے میں
اسی کا منتظر رہتا
ورنہ وہ عام سی لڑکی
نہ اس کی آنکھ میں جادو
نہ اس کی زلف میں خوشبو
نہ اس کی ناک میں ہیرا
نہ اس کے کان میں موتی
نہ اس کے لب میں شیرینی
نہ اس کی چائے میں چینی

زوار نے آم کے درخت سے اترتے ہوئے اسے نظم سنائی۔ زوبیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ چار سال پہلے پڑھی نظم میں تھوڑی تبدیلی اسے اچھی لگی تھی۔

''لب میں شیرینی ہو نہ ہو۔ چائے میں چینی تو خوب ہوتی ہے صاحب!'' وہ بھی ہنس دیا۔ اسے زوبیہ کی بات سے زیادہ اس کے انداز نے لطف دیا تھا۔

گندم کی فصل گھر آئے ڈیڑھ مہینہ ہو گیا تھا اور اتنا عرصہ ہی ان کی شادی کو ہوا تھا۔ دونوں نے اس ڈیڑھ مہینے میں سالوں کی زندگی جی ہو جیسے۔ زندگی ان دونوں کے لیے پھولوں بھری سیج تھی۔ اس سیج سے کانٹے انہوں نے خود چنے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے، زندگی اگر ان دونوں کی ہے تو اسے خوب صورت بھی ان دونوں نے بنانا ہے۔ اور ویسے بھی ان دونوں کی زندگی میں آسانیاں بہت کم تھیں اور کوئی ایسا بھی نہ تھا جو ان کی مشکلات کم کرتا۔

زوبیہ کا ایک ہی خونی رشتہ تھا۔ ابا کی صورت جسے وہ دوسرے گھر میں چھوڑ آئی تھی۔ یا یوں کہہ لیں وہ اس کے گھر آئے نہیں تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیٹی کے گھر سے پانی پینا بھی حرام سمجھتے ہیں۔

زوار تھا تو اس کے پاس بھی ایک ہی خونی رشتہ تھا۔ اماں کی صورت جو بیماری کی وجہ سے گھر تک محدود تھیں۔

ایک ایکڑ سے بھی کم زمین تھی۔ جس پر وہ جانوروں کے لیے چارا اور اپنے لیے اناج اگا لیتے۔ ایک گائے اور تین بکریاں گھر کے ایک حصے میں بندھی رہتی تھیں۔ ایک چھوٹا صحن اور دو پکے کمرے تھے۔

یہ تھی کل جائیداد جس کی زوبیہ ملکہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اپنی زندگی کو دونوں نے مل کر چلانا ہے۔ محبت تھی تو محبت کو اعزاز بھی دونوں نے بنایا تھا۔

زوار نے تو شادی کی رات بھی صرف محبت کی تھی۔ کوئی وعدہ...... کوئی تاکید...... کچھ نہیں...... فقط محبت۔ زوبیہ نے بھی منہ دکھائی میں ساڑھے سات سو روپے کا لاکٹ سیٹ وصول کرتے اس کی محبت بھی قبول کی تھی۔ اس لاکٹ نے اسے جتنی خوشی دی تھی، کسی اور چیز نے نہیں دی تھی۔

زوار نے اس کا مان رکھا تھا۔ اس کی بات مانی تھی۔ شادی سے آٹھ دن پہلے اس نے زوار کو بلا کر ایک بات کہی تھی۔

''شادی کے لیے اتنا کرنا، جتنا تم کر سکو۔ ادھار لے کر کچھ نہ کرنا کہ اس ادھار کو چکاتے چکاتے ہماری آدھی زندگی بیت جائے۔ اگر منہ دکھائی میں پچاس کی انگوٹھی بھی دو گے تو لوں گی۔ بس شرط اتنی ہے کہ تمہارے حق حلال کے پیسوں کی ہو۔''

زوار نے اس کا مان بڑھایا تھا۔ وہ خوش تھی، بہت خوش...... اسی خوشی میں وہ زوار کی جنت کی ''حور'' بن گئی تھی۔

وہ صبح اٹھتی، زوار کی اماں جو اب اس کی بھی اماں تھی۔ انہیں وضو کرواتی، پھر خود نماز پڑھتی۔ زوار نماز کے بعد دودھ نکالنے جانوروں والے حصے میں چلا جاتا۔ وہ آٹا گوندھ کر پراٹھے بنانے لگتی۔ اتنی دیر

میں زوار آجاتا۔ اماں کو ناشتا دیتا پھر وہ دونوں ناشتا کرتے۔ پھر دونوں برتن سمیٹ کر جانوروں والے حصے میں آجاتے۔ زوار جانوروں کو خشک جگہ پر کرتا۔ زوبیہ گوبر اٹھاتی جاتی۔ وہ چارا لینے جاتا، وہ گھر کے کام ختم کرتی۔ اگر کھیتوں میں کام ہوتا تو دونوں ادھر چلے جاتے۔ رات تک مل کر کام کرتے اور پھر محبت اوڑھ کر سو جاتے۔

اس وقت بھی وہ اپنے کھیت میں لگے، آم کے درخت سے آم اتارنے آئے تھے۔ زوار نے درخت پر چڑھ کر آم اتارے زوبیہ نے اکٹھے کر کے ڈھیر لگا دیا۔

''تھک گئی ہو نا......'' بوری میں آم ڈالتے ہوئے اس نے زوبیہ سے پوچھا۔ لہجے میں فکر کے ساتھ محبت کی چاشنی تھی۔

بوری کو گرہ لگاتے اس کے ہاتھ رکے، ایک نظر اسے دیکھ کر دوبارہ سے مسکراتے ہوئے گرہ لگانے لگی۔

زوار نے آم ڈالنا بند کیے اور اپنی جیب سے پکا ہوا آم نکال کر زوبیہ کی مہندی لگی خوشبو زدہ ہتھیلی پر رکھا اور دوبارہ سے سوال دہرایا۔ یقیناً اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''تھک گئی ہونا؟''

''تم ساتھ ہو تو تھکن کیسی۔'' اس نے آم کو ہاتھ کی پوروں سے دبا کر نرم کیا۔ ناخن سے آم کا بند منہ کھولا۔ آم کو منہ میں رکھ کر دونوں ہاتھوں سے دبایا۔ میٹھے رسیلے آم کا ایک بڑا گھونٹ جوس کی شکل میں اندر اتارا اور آم زوار کی طرف بڑھا دیا۔ جسے اس نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ اسی کی طرح منہ میں رکھا۔

''ایک بات یاد رکھنا زوار! تمہارا میری زندگی میں موجود ہونا۔ میرا ہونا میری زندگی میں موجود ہر نعمت پر بھاری ہے۔ اس بات کے لیے میں جتنا اللہ کا شکر ادا کروں، کم ہے۔''

جوس کے ساتھ زوبیہ کی باتوں نے اس کے اندر ٹھنڈک پیدا کی تھی۔ اب کہنے کو کچھ باقی نہ تھا۔ شکر تو واجب تھا۔

''چلو آؤ، گھر چلتے ہیں۔'' زوار اٹھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے بھی اٹھا لیا۔

☆☆☆

''زندگی کتنی حسین ہو گئی ہے نا زوبیہ۔''

وہ رات کو اماں کو دودھ دے کر اپنا اور زوار کا گلاس لے کر چھت پر آئی تو زوار نے اس کے لیے اپنے پاس چارپائی پر جگہ بناتے ہوئے کہا۔

''پہلے بھی تھی، مگر تم سے ملنے کے بعد زیادہ حسین ہو گئی ہے۔''

وہ اس کے بائیں جانب بیٹھ گئی۔ رخ اس کی جانب موڑ کر عقیدت سے اسے دیکھا۔

''واقعی......'' وہ حیران ہوا۔

''کیوں، تمہیں کوئی شک ہے کیا؟''

''نہیں، مگر میں سوچتا تھا تم پتا نہیں، ادھر آ کر خوش رہو گی کہ نہیں۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے۔ لڑکیاں...... گاڑی...... بنگلے...... یا پھر گھوڑے پر آنے والے شہزادے کا انتظار کرتی ہیں۔ میرے پاس تو صرف سائیکل ہے، اسی پر تمہیں یہاں سے وہاں لیے پھرتا ہوں۔''

اس کے خدشے پر وہ ذرا سا مسکرائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا۔

''لڑکیاں یقیناً گھوڑے...... گاڑی...... بنگلے والے کا انتظار کرتی ہوں گی۔ لیکن محبت اگر سائیکل والے سے ملے گی تو وہ سائیکل والے کے پاس ہی آئیں گی کیونکہ......''

''کیونکہ......'' وہ بے چین ہوا۔

''کیونکہ محبت سب سے بہتر ہے۔''

چاند کی روشنی تھی یا اس کے من کا نور...... اس کا چہرا سارے جگ کا اجلا پن لیے ہوئے تھا۔

''جزاک اللہ۔'' زوار نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تو زوبیہ کے اندر تک سکون اترتا چلا گیا۔

☆☆

آسیہ مرزا

میرے ہم نفس میرے ہم نوا

حیات علی کی تین بیٹیاں تھیں۔ یہ ایک متوسط گھرانہ تھا۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ راحیلہ بیگم کے جھگڑالوپے کا منہ بولتا ثبوت۔ اولاد کی تربیت میں کہیں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ نیلوفر تو تھی ہی ماں کی طرح صابر وشاکر اور ارسلہ نے اس کا لقب قانع آپا رکھ دیا تھا۔ اریبہ چھوٹی فرسٹ ائیر کی طالبہ تھی۔ بس پڑھائی اور موبائل گیمز سے دلچسپی تھی مگر اماں کا دردِ سر تو ارسلہ تھی۔

نیلوفر کی منگنی جہاں ہوئی تھی وہ لوگ بہت لالچی تھے اور آئے دن کوئی نہ کوئی مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ ارسلہ کو اس کی خالہ کا بیٹا سکندر پسند کرتا تھا لیکن غربت کی وجہ سے ارسلہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مہوش جیلانی اور اکبر جیلانی کے دو بچے ہیں، رومی اور آبص۔ آبص ایک حادثہ کی وجہ سے اپنی زندگی سے بےزار ہے۔

نادیہ شاہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ کالج کے ایک ٹور پر اس کی ملاقات آبص سے ہوتی ہے جہاں دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

آبص کی ماں کو اس رشتے سے اختلاف ہوتا ہے اور وہ نادیہ شاہ کے گھر جا کر اس کی بہت بےعزتی کرتی ہیں۔ جب وہ اس کے بھائی کو مروانے کی دھمکی دیتی ہیں تو مجبوراً نادیہ شاہ آبص کو چھوڑ دیتی ہے اور اپنا گھر بھی تبدیل کر لیتی ہے۔

ارسلہ کو اپنی دوست رومی کے بھائی آبص میں اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آتی ہے۔ جب اس کے گھر والے آبص کا رشتہ لے کر آتے ہیں تو وہ زبردستی اپنی بات منواتی ہے۔

ارسلہ کی شادی آبص سے ہو جاتی ہے لیکن وہ اس بات سے انجان ہے کہ آبص ایک حادثہ میں اپنی ٹانگ سے محروم ہو چکا ہے۔
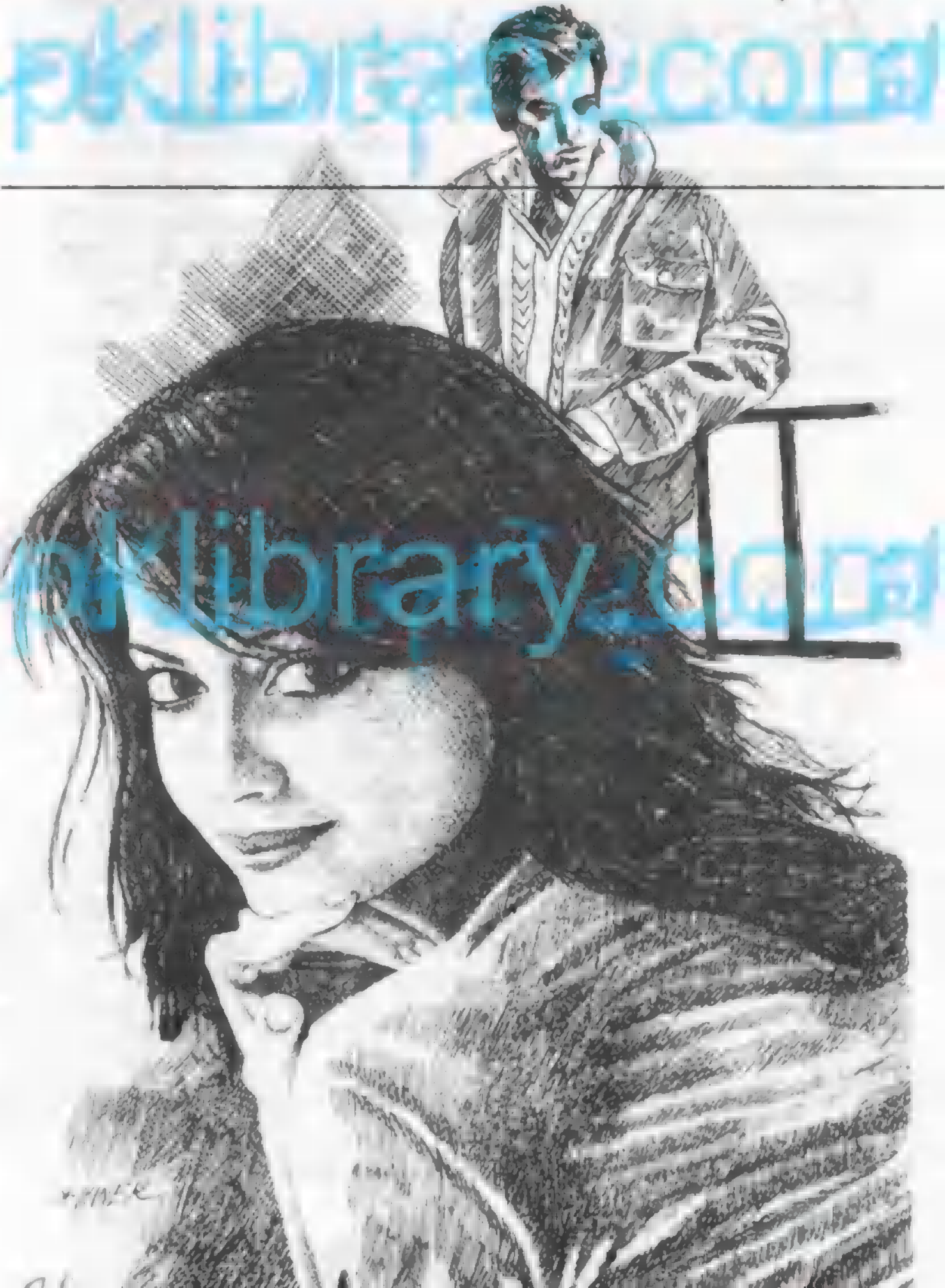
آبس کی معذوری کی وجہ سے ارسلہ مہوش کو بلیک میل کرنے لگی تھی، وہ حیلے بہانے طنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

ابا کو اکبر جیلانی کے آفس میں ایک جاننے والے سے علم ہوتا ہے کہ آبس تو کافی عرصے سے معذور ہے وہ بامشکل گھر پہنچتے ہیں اور اماں کو بتاتے ہیں۔ اماں ہمدردی کا اظہار کرتی ہیں اریبہ سے لیکن اریبہ کہتی ہے کہ وہ آج جو عیش کر رہی ہے، ان کے بیٹے کے اسی نقص کی وجہ سے کر رہی ہے۔

ارسلہ کا لالچ دیکھ کر مہوش کو اپنے کیے کا پچھتاوا ہے۔

نادیہ شاہ اپنی دوست کے ذریعے آبس کے بارے میں معلومات کرواتی ہے۔ وہ اس کو آبس کی شادی کی تصویریں سینڈ کرتی۔ نادیہ شاہ کی بات اس کے کزن حمزہ سے ہو جاتی ہے۔ نادیہ شاہ حمزہ کو اپنے ماضی کے بارے میں بتانے کی کوشش کرتی ہے لیکن بتا نہیں پاتی۔

نیلو کی زندگی شادی کے بعد چھوٹی موٹی تلخیوں کے ساتھ اچھی گزر رہی ہے۔ احمر اس کے لیے ایک ٹھنڈی چھاؤں کی مانند ہے۔

عقیلہ خالہ کی خواہش ہے کہ ارسلہ سے نہ سہی اریبہ کی شادی سکندر سے ہو جائے۔ انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار سکندر اور اپنی بہن راحیلہ سے بھی کر دیا ہے۔ ارسلہ جب یہ سنتی ہے تو ان کے گھر جا کر سکندر کو بہت سناتی ہے۔

چودھویں قسط

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اس نے چائے کا مگ میبل پر رکھ پر ایک پُرسوز قسم کی آہ کھینچی۔ اور اٹھ کر بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا کھڑکی سے صحن میں جھانکنے لگا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ پتے ہوا سے سرسرا رہے تھے۔

''کبھی کبھی موسم بھی ہمارے دل پر بڑے حیرت انگیز طور پر اثر انداز ہوتا ہے......'' اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اس پر نگاہ پھینکی۔ ''اب دیکھ لو، میرے جیسا بندہ چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے کتے کی طرح محنت کرتا رہتا ہے اور چھ گھنٹے نیند کے خراٹے بھرتا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ موسم کب بدلتا ہے۔ گرمی آئی اے سی کھول لیا، سو گیا یا کام کر لیا۔ سردیاں آئیں تو جیکٹ چڑھا لی۔ رات کمبل اوڑھ لیا۔ بس اتنی ہی خبر تھی، بہار کیا خزاں کیا...... اب دیکھو یکایک یوں لگ رہا ہے کہ شام سرمئی ہو رہی ہے۔ ہوائیں گیت گا رہی ہیں۔ دھیرے دھیرے ڈوبتا سورج جیسے دل کے آسمان کے اندر غروب ہو رہا ہے۔ ہر جگہ مدھم سرخی پھیل رہی ہو۔ نیچر کی خوب صورتی محسوس ہو رہی ہے بلکہ کر رہا ہوں۔ آہ......ہا......''

وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے صحن کی طرف منہ کیے بولے جا رہا تھا۔

''یہ اتنا فلسفہ جھاڑنے کا مقصد۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔ جواباً وہ شکایتی انداز میں گھورنے لگا۔

''فلسفہ جھاڑ رہا ہوں یا اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کر رہا ہوں تمہیں۔''

''وجہ......؟''

''افسوس......صد افسوس......'' وہ جیسے زچ ہوا تھا۔ ''بائی دا وے۔ تم اتنی انجان بن رہی ہو یا واقعی انجان ہو۔''

''کس بات سے......'' وہ دھیرے دھیرے چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے کھڑکی سے باہر صحن میں جھانکنے لگی۔

"محبت کے فلسفے سے۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔
"واقف ہو کر کیا کرنا ہے۔" وہ ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹی۔
"میرے دل کی حالت سے واقف ہونا پسند کرو گی۔"
"حمزہ۔ لگتا ہے تمہارے پاس فالتو باتیں بہت ہیں کرنے کو اور مجھے اپنی اسائنمنٹ مکمل کرنی ہے۔" وہ یک دم نہ صرف نظریں چرا گئی بلکہ اس کی بات اور آنکھوں کو قطعی نظرانداز کر کے پلٹی۔
"پہلے میری زندگی کو مکمل کر جاؤ۔ کرتی رہنا اسائنمنٹ مکمل۔" اس نے جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

وہ مضبوطی سے نہ کھڑی ہوتی تو شاید اسی پر آ گرتی۔ ذرا سی لڑکھڑائی اور پھر برہمی سے اسے گھورنے لگی۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے حمزہ۔ کیا فضول بکواس کیے جا رہے ہو۔ میں کزن ہونے کے ناتے تم سے دوستانہ ماحول میں بات چیت کرتی ہوں، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم اپنی حد سے بڑھنے لگو۔" وہ حقیقتاً برا مان گئی تھی اور اس کی گرفت سے ہاتھ چھڑا کر وہاں سے چلی گئی۔

وہ پورا دن اور ایک رات دونوں کے درمیان بات چیت بند رہی۔ بلکہ وہی دروازہ بند کیے پڑی رہی اور حمزہ کی ہمت نہ ہوئی کہ دروازہ بجاتا۔
دوسرے دن وہ اس کی اکیڈمی پہنچ گیا۔ سفید رینٹ کار جس میں وہ اکثر گھومتا رہتا تھا۔ سیاہ سن گلاسز آنکھوں پر چڑھائے، کار کی فرنٹ ہڈ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا کسی ہیرو کی طرح...... وہ اسے گیٹ سے نکلتے ہی دیکھ چکی تھی اور لوگوں کی توجہ اس طرف نہ ہو، وہ خاموشی سے اس کی طرف چلی آئی۔
"بیٹھو۔" وہ اسے دیکھ کر سنجیدگی سے بولا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، جیسے اسے یقین ہی تھا وہ اس کی بات مان لے گی اور ایسا ہی ہوا۔ وہ چپ چاپ دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔
"گڈ۔ ایسی ہی فرماں برداری دکھاتی رہو گی تو زندگی بہت آسان اور اچھی گزرے گی۔" اس نے اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے اسے دیکھا۔
"کتنے فضول لگ رہے ہو تم۔" وہ چڑ کر رہ گئی۔ "میں اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتی۔ بے کار لوگ متوجہ ہوتے، باتیں بنتیں، اس لیے میں نے چپ چاپ یہ زہر پی لیا ہے۔" وہ تڑخ کر بولی۔ دھواں تو بہرحال نکلنا تھا، مگر وہ بجائے شرمندہ ہونے کے کھل کر ہنسنے لگا۔
"ہاں...... یہ لوگ...... چلو لوگوں کی ڈر سے ہی سہی، آپ نے اپنی اس قربت سے مجھے فیض یاب تو کیا۔"
"تم کتنا فضول بولتے ہو حمزہ۔" کھڑکی کی طرف منہ کر گئی اور تیزی سے پیچھے بھاگتے سائن بورڈز کو دیکھنے لگی۔
"پہلی لڑکی دیکھی ہے، جو ایک چاہنے والے کے اتنے دلکش الفاظ پر فدا ہونے کے بجائے الجھ رہی ہے۔" وہ چھیڑنے لگا۔
"اچھا، سوری۔" اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ "میں اپنے تمام رویوں، جملوں پر تم سے معافی مانگتا ہوں اور وہ سارے الفاظ واپس لیتا ہوں، جن سے تم کو تکلیف پہنچی۔" حمزہ ہاتھ جوڑے نہایت مسکین سی شکل بنائے ہوئے تھا۔ وہ عجیب سی بے بسی محسوس کر کے رہ گئی۔
"معافی مل سکتی ہے۔"
"تم بھی حمزہ۔ پورے ایکٹر ہو۔ ڈرامہ باز کہیں کے۔" وہ مصنوعی غصے سے گھورتے ہوئے مسکرا دی۔ اس مسکراہٹ نے حمزہ کو تقویت دی۔

''ہم سب ہی یہاں ایکٹر ہیں کزن۔ اور شیکسپیئر کے بقول دنیا ایک اسٹیج ہے تو ہم سب اداکار...... اپنے اپنے رول پلے کر کے چلے جاتے ہیں۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے ریسٹورنٹ کی جانب کردی۔

''اب تم مجھے لنچ کراؤ گے۔ اور مجھے مزید تمہاری بے کار اور فضول باتیں سننا پڑیں گی حمزہ۔ شرافت سے گھر چلو، یہ زیادہ بہتر ہے۔'' وہ اس کے ارادے بھانپ کر چلائی۔ مگر حمزہ سنی ان سنی کرتا ہوا گاڑی اپنے متعین راستے پر دوڑاتا رہا۔

بہت کچھ سعد کہنا ہے
بہت کچھ عمل میں دکھانا ہے
بہت سی خاص باتیں ہیں
جنہیں اب عام کرنا ہے

وہ سوچ رہا تھا...... اس کے لبوں پر دھیما تبسم ہلکورے لے رہا تھا۔
نادیہ شاہ اسے فقط گھور کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

دوسرے روز بھی خالہ حمزہ کے ہمراہ کسی جاننے والے کے یہاں نکل گئیں تو امی موقع دیکھ کر نادیہ سے بات کرنے لگیں۔ نادیہ کے لیے یہ دھچکا نہ تھا۔ وہ حمزہ کے جذبات سے پہلے ہی واقف ہو چکی تھی۔ کوئی نادان بچی نہ تھی کہ جذبوں کے رنگ نہ پہچانتی اور پھر وہ تو کتاب کی طرح اس کے سامنے کھل چکا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ میں آپ کے لیے وہ بوجھ ہوں، جسے آپ جلد سے جلد اتار دینا چاہتی ہیں۔'' وہ افسردہ سی ہوئی۔

''ارے ایسا نہیں ہے۔'' امی تڑپ سی گئیں۔ ''بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں۔ بس ذمہ داری ہوتی ہیں۔ انہیں ان کا اصل مقام دینا ماں باپ کے اولین فرائض میں شامل ہے۔ تم میرے لیے بہت بڑا سہارا ہو۔ جانتی ہو، تمہارے جانے سے میں کتنی اکیلی ہو جاؤں گی۔ مگر پگلی، میں خود غرض نہیں ہوں کہ اپنی غرض کے لیے تمہاری زندگی صحرا کر دوں۔ تمہیں ابھی بسنا ہے، جینا ہے۔''

''جی تو یہاں بھی رہی ہوں آپ کے سائے میں۔'' اس نے امی کے ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیے۔ ''مجھے خود سے جدا نہ کریں۔ یوں بھی میں اب محبت کرنا اور خواب دیکھنا بھی بھول چکی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''نہ گھر بنانے کی خواہش ہے، نہ کسی کو چاہنے کی اور نہ چاہے جانے کی۔''

''دیکھو نادی! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم ماضی کا جو دروازہ بند کر چکی ہو، اب کبھی نہیں کھولو گی۔ اس میں نہیں جھانکو گی۔ پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھو گی۔ کہا تھا نا۔'' امی مضطربانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔ ان کے انداز میں اضطراب تھا۔

''ہاں...... کہاں تھا۔'' وہ مضمحل سی سانس بھر کر ان کی گرفت سے ہاتھ چھڑانے لگی۔

''اور یہ بھی کہا تھا کہ میری بات مانو گی۔ جہاں کہوں گی وہاں شادی کر لو گی۔''

''امی......!''

''نادیہ...... اب ذرا انکار نہ کرنا۔ مجھے کوئی اور دکھ مت دینا۔ ایک خوشی کی کرن دکھائی دے رہی ہے، اس گھپ اندھیرے میں۔ اسے اندر آنے دو۔ اس اندھیرے کو کٹ جانے دو، اس کا راستہ مت روکو۔'' امی اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ کر التجا کرنے لگیں۔ وہ خود آزاری کی کیفیت میں دم سادھے تھی۔

''ایک عرصے بعد کوئی خوشی کی چاپ سن رہی ہوں، اس دہلیز پر۔ جیسے بے جان وجود میں جان سی پڑ گئی

ہو۔ تم مجھے ایک بار پھر مار ڈالنا چاہتی ہو۔"

"امی......!" نادیہ بے اختیار ان کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔ "ایسا مت کہیں، آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔"

"بس میری بچی۔ آج کے بعد یہ اشک نہ بہانا۔ اس خوب صورت تحفے کو قبول کرلو۔ یہ قدرت کی طرف سے نعمت ہے، کفران نعمت مت کرنا۔" امی اسے خود سے لپٹا کر تھپکنے لگیں۔

وہ حمزہ کو جانتی نہیں تھی، بس اتنا ہی کہ وہ کزن تھا۔ بظاہر خوش مزاج سا لڑکا تھا اور اسے زیادہ جاننے کی خواہش بھی نہ تھی۔ شادی کرنا تھی، چاہے وہ حمزہ ہو یا ایکس وائی زیڈ...... وہ سر جھکا گئی۔ سارے آنسو دل میں اتار لیے۔

☆☆☆

تھکی تھکی سی آس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
کوئی تو درد راس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
نڈھال یوں ہوئے کہ سب ضرورتیں ہی مر گئیں
نہ بھوک ہے، نہ پیاس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
عجیب طرح کے دھوؤں میں گھر گئی ہے زندگی
امید ہے نہ آس ہے، یہ دل بہت اداس ہے
نہ جاؤ جسم پر سجے ہوئے لباس پر
بدن تو خوش لباس ہے، یہ دل بہت اداس ہے

وہ سر پر دوپٹا جمائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ حمزہ اس کی انگلی میں اپنے نام کی انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ وہ بہت سے بوکے اٹھا لایا تھا اور کمرے میں جا بجا سجا دیے تھے۔ گلاب کی خوشبو اور اس کے کپڑوں سے اٹھتی پرفیوم کی مہک اس کے حواس پر وحشت بن کر سوار ہو رہی تھی۔

تو سامنے ہے مگر تشنگی نہیں جاتی
یہ کیا ستم کہ دریا سراب جیسا ہے

وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کر گیا۔

وہ اپنی انگلی میں سجی انگوٹھی کو دیکھتی رہی۔ اسے خود پر نہیں بلکہ اس شخص کی قسمت پر رونا آ رہا تھا جو جانے کس جرم کی پاداش میں نادیہ شاہ کو پانے جا رہا تھا۔

صبی خالہ کی فرینڈز اور جان پہچان کے عزیز رشتے سب شامل تھے۔ انہوں نے اچھا خاصا اہتمام کرلیا تھا۔ یہ ان کے بیٹے کی پہلی پہلی خوشی تھی اور وہ اس خوشی میں پھولے نہ سما رہی تھیں۔

وہ ساری رسموں سے فارغ ہو کر کمرے میں چلی آئی اور دکھتی کمر بیڈ کی پشت سے ٹکا دی اور سر بھی ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا لگ رہا تھا، گردن کی شریان کسی بھی لمحے پھٹ جائے گی۔ دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا تو اس نے بے آواز بہتے آنسوؤں کو جلدی سے ہتھیلی سے رگڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ صبی خالہ ٹرے میں اس کے لیے کھانا لیے چلی آ رہی تھیں۔

"تم نے کچھ کھایا نہیں، تھک گئی ہو نا۔" انہوں نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور تپائی کھینچ کر مسہری کے قریب لانے لگیں۔

ان کی اس محبت پر نادیہ شرمندہ سی ہونے لگی۔

”ارے نہیں خالہ۔ آپ نے کیوں زحمت کی۔ میں باہر آ کر کھا لیتی خود ہی۔“
”لو...... اتنا سا لاڈ بھی نہ اٹھاؤں۔ بہو ہو...... میری اکلوتی بہو۔“ وہ دلار سے بولیں۔
”جی ہاں۔ اکلوتے بیٹا کے خیال نہیں جس کے منہ میں اڑ کر ایک دانہ بھی نہیں گیا۔“ حمزہ دروازہ پر استادہ ممی خالہ کی بات اچک کر بولا۔
”دیکھا...... آ گیا نا بیچ بیچ۔“ ممی خالہ نے مصنوعی پن سے گھورا۔ ”ہو گئی نا جلن۔“
”لازمی بات ہے، اب بیٹے سے زیادہ ہونے والی بہو پیاری ہو جائے گی تو جلن تو ہو گی۔“ وہ اندر چلا آیا۔
”بس رہنے دو۔ موقع چاہیے تمہیں تو نادیہ کو چھیڑنے اور ستانے کا۔ اب آ گئے ہو تو اسے بیٹھ کر کھانا کھلاؤ۔“ وہ اٹھنے لگیں۔
”ارے نہیں۔ میں باہر آ کر آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھاؤں گی۔“ وہ ممی خالہ کو جاتے دیکھ کر سٹپٹا گئی۔ حمزہ کی قربت سے دہشت زدہ ہو کر ہی تو کمرے میں چلی آئی تھی۔ اب وہ یہاں بیٹھ جاتا، وہ اسے ایسا موقع ہرگز نہیں دینا چاہتی تھی۔ سو جلدی سے مسہری سے اتر کر ممی خالہ کے پیچھے کمرے سے نکل گئی۔
حمزہ اس گریز کو اس کی شرم سمجھ کر مسکرا دیا اور خود بھی کمرے سے باہر آ گیا۔
☆☆☆
ارسلہ کے تو مارے خوشی کے پیر زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ اس نے بے حد خوب صورت جڑاؤ نیکلس پسند کیا تھا اور اس کے ہمراہ کنگن کا سیٹ بھی لیا تھا۔ آبص نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ نیکلس اور کنگن کا سیٹ مہوش اور رومی کو دکھانے کے بعد اس کی ویڈیو اور تصویر بنا کر نیلو اور اریبہ کو بھیج گئی۔
”یہ کیا کر رہی ہو؟“ آبص باتھ روم سے نکلا تو اسے بیڈ پر بیٹھے اس کارروائی میں مصروف دیکھ کر چونکا۔
”نیلو اور بیا کو اس کی تصویر سینڈ کر رہی ہوں۔ دیکھیے گا اس کا بے چارہ شوہر احساس کمتری میں مر مر جائے گا اور اس کی ساس...... ہائے کیسے جلے گی۔ دیکھنے والا سین ہو گا۔“
”کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ سب سینڈ کرنے کی۔ ڈیلیٹ کرو فوراً۔“
”ارے واہ۔ کیوں ضرورت نہیں ہے، بہت ضرورت ہے۔ ایسا موقع چھوڑ دوں گی بھلا میں۔“
”ارسلہ! میں کیا کہہ رہا ہوں۔ تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی میری بات۔“ اس نے ذرا سا جھک کر اس کا موبائل اس کے ہاتھ سے اچک کیا اور ساری تصویریں ڈیلیٹ کر دیں۔
”یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ وہ چلائی۔
”وہی جو ٹھیک ہے۔“ اس نے موبائل اس کے آگے بیڈ پر پھینکا۔
”کسی کی غربت کا مذاق اڑانا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ وہ ایک سفید پوش لوگ ہیں اور سوچو، تمہاری سگی بہن ہے کوئی غیر نہیں۔ اس کا دل دکھانا چاہتی ہو تم۔“
”اچھا بس...... اب وعظ نہ شروع کر دیجیے گا۔“ وہ موبائل اٹھا کر چڑ کر بولی۔ آبص کی اس حرکت نے اسے بدمزا کر کے رکھ دیا تھا۔ ”لے کر ساری ڈیلیٹ کر دیں۔“
”میرا نہیں خیال کہ نیلوفر یہ تصویریں اپنے شوہر کو دکھاتی بھی۔ وہ ایک سمجھ دار لڑکی ہے۔“ آبص گاؤن کے بٹن بند کرتے ہوئے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔
”اوہو۔ بڑی پہچان ہے آپ کو نیلوفر کی اور اس کی سمجھ داری کی۔“
”انسان کا کردار، ایک ملاقات میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کا اخلاق دو گھڑی بات سے کھل جاتا ہے۔“

آبص نے جواباً یہ کہتے ہوئی اس کی طرف خاصی استہزائیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ ارسلہ کی پیشانی تپنے لگی۔ وہ نظریں چرا گئی۔

"میں تو یوں ہی نیلو کو چھیڑتی رہتی ہوں۔ وہ برا نہیں مانتی میری ان باتوں کا۔" وہ کھسیانی سی ہو کر موبائل ایک طرف رکھنے لگی۔ "میرا مقصد اس کی دل آزاری نہیں تھا، بس اپنی چیزیں دکھانا تھا، وہ خوش ہوتی ہے۔"

"اعلا ظرفی ہے اس کی۔" آبص کے انداز میں ستائش تھی نیلوفر کے لیے۔ "بہرحال جب پہنو گی تو وہ بھی دیکھ لے گی۔ آئے گی نا روحی کی منگنی میں۔ اب یہ لائٹ تو ذرا کم کر دو، آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔"

"ابھی مجھے آپ کو یہ کنگن کر دکھانا ہے۔"

وہ جلدی سے بیڈ سے اتری اور ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ہو کر نیکلس گردن میں ڈالنے لگی۔ دوسرے پل صاف ستھری گداز چمکتی گردن پر نیکلس جگمگانے لگا تھا۔ پتا نہیں نیکلس نے آ کر اس کی گردن کو جگمگا دیا تھا یا گردن کی خوب صورتی نیکلس کو اور بھی قیمتی بنا رہی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہے آبص۔" وہ اس کی طرف رخ کر کے پوچھ رہی تھی۔

"بہت اعلا۔" آبص نے اسے دیکھا پھر نظریں ہٹا لیں اور تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گیا۔

"کتنا حسین لگ رہا ہے، جناب میری چوائس ہی لاجواب ہے۔" وہ نیکلس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بے پناہ خوش دکھائی دے رہی تھی اور آئینے میں اپنے آپ کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ پھر کنگن اپنی گداز کلائیوں میں ڈالنے لگی۔

"ہائے کتنے حسین لگ رہے ہیں آبص۔ دیکھیں تو ذرا۔ میرے ہاتھوں میں ان کنگنوں کا حسن کچھ اور بڑھ گیا ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں اتنے جچتے بھلا۔ دیکھیں ذرا......"

وہ کلائیاں لہرانے لگی۔ کنگن کھنکنے لگے تھے۔ آبص دل ہی دل میں اس کے ہاتھوں کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

"قسم سے آپ تصویریں ڈیلیٹ نہ کرتے تو کم از کم ہیا کو تو سینڈ کر ہی دیتی۔ شاید وہ ان کنگن اور نیکلس کو دیکھ کر اپنا فیصلہ ہی بدل لیتی۔ بہت شوق ہے، اسے بھی جیولری کا۔" وہ نیکلس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھرنے لگی۔ "بے وقوف اریبہ۔"

"کیسا فیصلہ؟" آبص نے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ارے، یہی سکندر سے شادی کا فیصلہ۔" وہ نیکلس احتیاط سے اتارنے لگی۔ "وہ بے وقوف سکندر سے شادی کرنے پر راضی ہے۔ اتنا سمجھایا اسے کہ انتظار کرے، کسی اچھے رشتے کا۔ مگر نہیں اسے تو سکندر میں جانے کیا نظر آتا ہے۔"

"وہی جو تمہیں نظر نہ آ سکا۔" آبص دھیرے سے ہلکی سانس بھر کر مسکرایا۔ "تمہارے خیال میں نیکلس اور ان کنگنوں کو دیکھ کر وہ سکندر جیسے اسمارٹ لڑکے کا رشتہ ریجیکٹ کر دے گی۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔

"اوہو...... اسمارٹ......" اس نے ابرو اچکا کر خاصی ناگواری سے آبص کو گھورا۔ "آپ کو بھی وہ اسمارٹ دکھائی دینے لگا ہے۔"

"خوب صورتی دولت کے ساتھ جڑی نہیں ہوتی۔ اس کی اپنی ایک پہچان ہے۔ وہ جہاں ہو گی وہاں دکھائی دے گی۔"

ارسلہ نے منہ بنا کر نظریں پھیر لیں۔

"ہر کسی کی سوچ الگ ہوتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اریبہ بھی تمہاری طرح سوچتی ہو۔ وہ بھی ان چیزوں کو رشتوں پر فوقیت دیتی ہو اور تمہاری طرح......" وہ کوئی سخت جملہ کہتے کہتے رک گیا پھر ہلکی سانس بھر کر موبائل میں

مصروف ہوگیا۔

"خیریت تو ہے، آج آپ کے دل میں میرے گھر والوں کے لیے محبت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ خدا خیر کرے، پہلے نیلو پھر سکندر اور اب بیا......"

اس نے نیکلس اس کے مخملی بکس میں ڈال کر جھنجلاہٹ بھرے انداز میں ڈھکن بند کیا اور اٹھ کر لاکر میں رکھنے لگی۔

آبص نے اس کے ردعمل پر خاص توجہ نہ دی۔

مسئلہ تھا کہ وہ اپنی خوشی میں دوسروں کو خوش ہوتا نہیں بلکہ جلتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔ دوسروں کی خوشی پر جلنا اور اپنی خوشی پر دوسروں کو جلانا اس کا مرغوب مشغلہ تھا۔ اتنا تو آبص جان چکا تھا۔ وہ محبت کی لطافت سے کوسوں دور تھی۔ محبت بھی اگر دکھائی دینے والا مادی خزانہ ہوتا تو وہ ضرور اس کی اسیر ہوتی۔

اس نے موبائل آف کر کے سرہانے رکھ دیا اور کروٹ بدل لی۔

☆☆☆

رومی کی منگنی والے روز صبح سے کوٹھی میں ہلچل مچی تھی۔ گو کہ فنکشن شہر کے مہنگے ترین بینکوئٹ میں تھا مگر گھر میں ایک افراتفری کا عالم تھا۔ رومی کی فرینڈز صبح سے یہیں ڈیرا ڈالے تھیں اور اب رومی کے ہمراہ پارلر جا رہی تھیں، جن میں ارسلہ پیش پیش تھی۔

مہوش کو بینکوئٹ جلد پہنچنا تھا۔ استقبالیے کا بھی جائزہ لینا تھا۔ وہ پارلر سے جلد ہی اکبر جیلانی کے ہمراہ نکل چکی تھیں۔

☆☆☆

وہ کئی دنوں سے اکیڈمی چھوڑے ہوئے تھی۔ صبا کی کالز بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی، بالآخر صبا اس کے پاس چلی آئی۔ وہ اتنی پژمردہ ہو رہی تھی۔ امی نے صبا کو سب کچھ بتا دیا تھا، صبا کو بھی بے حد صدمہ پہنچا تھا۔

"تم نے کیوں حمزہ کو سب بتا دیا۔ کیوں جانے دیا اسے نادیہ! آنٹی کس قدر ٹوٹ چکی ہیں تمہیں اندازہ ہے۔ کاش تم چپ رہ لیتیں۔" صبا کے لہجے سے بھی بے بسی ہی بے بسی جھلک رہی تھی۔

"تو کیا کرتی...... میرا کلیجہ پھٹ رہا تھا، میرا دل ایک سلگتی بھٹی میں جیسے دن رات جل رہا تھا۔ میرے پاس آنے والے دنوں کے لیے کوئی خوش گوار یت نہیں ہے۔ کوئی آس نہیں، کوئی پرسکون سوچیں نہیں ہیں۔ میرے اندر سے جینے کی امنگ چھن چکی ہے۔ میں جس ذہنی آزار سے گزرتی رہی ہوں، اس میں حمزہ کو نہیں جلا سکتی۔" وہ صبا کے سامنے ضبط چھوڑ بیٹھی۔

"تم حمزہ کو جلا چکی ہو اور اب خود بھی جل رہی ہو۔" صبا چیخ کر رہ گئی۔ "اسے تم نے جلا ہی ڈالا۔"

"صبا......" اس نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"ہاں، اور اب تمہیں اس کی ناآسودگی، افسردگی...... اس کی شکست رلا رہی ہے۔ تم...... اف! آخر تم آسان زندگی کو کیوں مشکل بنانے پر تلی ہوئی ہو۔ اپنا نہیں تو آنٹی کا سوچ لیتیں۔ مبی خالہ کا سوچ لیتیں۔" صبا کے انداز میں خفگی تھی۔ "حالات اور واقعات کے تابع ہو کر زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ ہر وقت ہم دلی تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ ہمارے اردگرد لوگ ان کی توقعات ہم سے وابستہ ہوتی ہیں۔ ان کا مان بھی تو رکھنا ہوتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں، میں نے امی کو اور حمزہ کو ایک بڑے دکھ سے ہمکنار کر دیا ہے۔ میں حمزہ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں، مگر وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہا۔"

''کیا بات ہے؟'' صبا استہزائیہ ہنسی۔ ''تمہاری ایک سوری سے کیا وہ زخم بھر جائیں گے جو خنجر سے لگے ہیں۔''

''تو کیا کروں؟'' وہ افسردگی سے بولی۔ ''تم ہی بتاؤ۔''

''اسے تمہاری معافی کی ضرورت نہیں ہے، تمہاری بے لوث اور سچی محبت کی ضرورت ہی۔''

''تھی...... ہے نہیں اب۔'' وہ دل گرفتگی سے ہنسی۔

جواباً صبا چپ سی رہ گئی، پھر ہلکی سانس بھر کر اس کے کندھے کو نرمی سے تھپکنے لگی۔

''میرے ساتھ چلو آج، ایک انویٹیشن ہے۔ تم چلو فریش ہو جاؤ گی۔''

''کیسا انویٹیشن؟'' وہ آنسو پونچھنے لگی۔

''بہت زبردست پارٹی ہے۔ سبین خالہ کے دیور کی منگنی کی تقریب ہے۔ وہ اسلام آباد سے آئی ہیں۔ خاصا اسمارٹ لڑکا ہے اور بڑی امیر کبیر فیملی کی لڑکی سے شادی کر رہا ہے۔ آج منگنی ہے، تم چلو میرے ساتھ۔ امی تو گھٹنوں کے درد کی وجہ سے ساتھ نہیں جائیں گی میرے۔ تم چلو گی تو مجھے بھی کمپنی رہے گی اور تم بھی بہل جاؤ گی۔''

''ہاں، اسے بھی لے جاؤ اپنے ساتھ۔'' امی چائے لیے کمرے میں آئیں تو صبا کی بات پر بولیں پھر نادیہ سے اصرار کرنے لگیں۔

''اب انکار مت کرنا، یہاں پڑے پڑے خود کو سزا دیتی رہتی ہو۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب اس پر دل جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' امی کی آنکھوں میں منت تھی، لہجے میں لجاجت تھی۔ وہ چپ سی رہ گئی۔

''خوش رہنے کی کوشش کرو نادیہ! ہمیں انہی حالات سے خوشیاں کشید کرنا پڑتی ہیں۔ ہم سے زیادہ دکھی اور پریشان حال لوگ بھی ہیں اس دنیا میں۔ ہم تو اپنے ہی ہاتھوں اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹتے رہتے ہیں۔ تقدیر کے فیصلے سے الٹ چلنا چاہتے ہیں پھر منہ کے بل گرتے ہیں تو شکوہ تقدیر سے کرنے لگتے ہیں۔'' امی افسردگی سے بولیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی۔ خود کو کمپوز کرو نادیہ۔ جینے کے لیے جواز پیدا کرنا پڑتا ہے۔''

''او کے۔ میں کب انکار کر رہی ہوں۔'' وہ پژمردگی سے سر ہلا کر چائے کے گھونٹ لینے لگی۔

☆☆☆

ایک عرصے کے بعد وہ کسی ایسی پارٹی میں شرکت کر رہی تھی اور بے حد اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ سیاہ لباس پر سلور نگوں کا کام بے حد عمدگی سے کیا گیا تھا۔ کانوں میں ہم رنگ ٹاپس اور گلے میں باریک چین...... صبا نے اصرار کر کے اس کا بے حد نفیس میک اپ کر دیا تھا۔ بالوں کو اس نے لپیٹ کر جوڑے کی شکل دے دی۔ صبا چیخی رہ گئی تھی کہ بال کھلے رہنے دو۔ یوں بھی اس کے دراز اور بے حد سیدھے بال کھلنے پر بے حد خوش نما دکھائی دیتے تھے مگر وہ بہت کم انہیں کھولتی تھی۔

''چلو بھئی۔ اب بندھ باندھ رکھو ان آبشاروں پر۔ ہمارا کیا جاتا ہے، کھلے رکھتیں تو اچھا لگتا۔''

وہ فقط ہنس دی۔

عورت کا اہتمام اس کی دلی کیفیت کا غماز ہوتا ہے۔ تاہم وہ اتنا تیار ضرور ہو گئی تھی کہ اس کی قلبی کیفیت چہرے سے ظاہر نہ ہو پائے۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ بھی لبوں پر سجالی تھی، خود کو دھوکا بھی تو دینا تھا۔

''ماشاء اللہ۔ بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' امی اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ انہیں تقویت سی ملی۔ وہ صبا کی ممنون تھیں، جو اسے اس خلفشار اور گھٹن سے باہر نکال لائی تھی۔

"جلد آ جانا۔ ورنہ میں پریشان ہی رہوں گی۔" امی دروازہ بند کرتے ہوئے بولیں۔

"ارے، آپ فکر ہی نہ کریں۔ بے فکر ہو کر سو جایئے گا۔"

صبا انہیں تسلی دیتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔ صبا کا منگیتر فیروز گاڑی لے کر آیا تھا۔ وہ دونوں گاڑی میں جا بیٹھیں۔

بینکوئٹ مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ روشنیوں کی جگمگاہٹ، میوزک کا شور، لڑکیوں کی جلترنگ ہنسی ماحول کو بڑا رنگین بنا رہی تھی۔

"یہاں تو بہت لوگ ہیں، خاصا بڑا ایونٹ ہے۔" وہ جلدی سے صبا کا ہاتھ تھام گئی۔ "میرا خیال ہے ہم اس طرف بیٹھ جاتے ہیں۔" وہ خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے چلنے لگی۔ وہاں نسبتاً لوگ کم تھے۔ اکا دکا لوگ تھے، اکثر کرسیاں اور صوفے خالی تھے۔ یہ اسٹیج سے خاصا دور کا حصہ تھا۔ وہ ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تم بیٹھو، میں ابھی آئی۔" صبا گفٹ اٹھائے ایک طرف چلی گئی۔

☆☆☆

ارسلہ پارلر سے لوٹی تو آبص کو گھر میں نہ پا کر مایوس ہو گئی۔ وہ تو اپنی یہ سج دھج اسے دکھا کر داد وصول کرنا چاہ رہی تھی۔ پہلی بار اس کا دل چاہا کہ وہ اسے سراہئے، اس کی شان میں تعریف کے الفاظ ادا کرلے۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے تحسین دکھائی دے اور وہ فخر کے ساتھ اس کے ہمراہ بینکوئٹ پہنچے کہ لوگ ان دونوں کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں۔

"کیا مصیبت ہے، ایسی کیا موت آ پڑی تھی کہ اکیلے ہی نکل گئے۔ ذرا انتظار نہیں ہوا میرا۔" وہ اپنا لہنگا سنبھال کر خواب گاہ میں چلی آئی اور موبائل پرس سے نکال کر آبص کو کال کرنے لگی۔

سبز گہرے اور سرخ امتزاج کے کامدانی شرارے میں سبز اور سرخ فنشنگ والی نفیس کام والی قمیص میں [illegible] کا متناسب قد اور بدن بے حد خیرہ کن لگ رہا تھا۔ اسٹریکنگ کیے دراز بال سنہری آبشار کی طرح پشت پر کھلے پڑے تھے۔ گلی گردن پر نیکلس دور سے ہی جگمگاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ قد آور آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر خود بھی ایک لمحے کو دنگ رہ گئی تھی۔

"واہ ارسلہ...... کیا بات ہے تمہاری۔" وہ بھوؤں کو اچکا کر مسکرائی اور خود کو سراہنے لگی۔ "تمہارے اس حسن نے ہی تو مہوش کو چت کر دیا ہے اور آبص کو بے بس......" وہ دل ہی دل میں فخر سے پھولے نہ سما رہی تھی۔

"کہاں چلے گئے آپ۔ اکیلے ہی اکیلے...... انتظار تو کر لیتے میرے پارلر سے آنے کا۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی جیسے بھڑک گئی۔ "آپ دلہا تھے نہ دلہن۔ کم از کم میرے ساتھ جاتے تو اچھا تو لگتا۔"

"او کے او کے۔ تم آ جاؤ۔" وہ تحمل سے نرمی سے بولا۔

"وہ تو آ ہی رہی ہوں۔ آپ کب نکلے؟"

"سوری۔ مجھے ذرا جلدی جانا پڑ گیا۔ بس ابھی پہنچا ہوں۔" وہ اس کی خواہش جان کر نادم ہوا۔

"پوچھیں گے نہیں، کیسی لگ رہی ہوں؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں بہت خوب صورت لگ رہی ہو گی۔" وہ نیک نیتی اور قدرے خلوص سے بولا تھا، اس کے لہجے میں سچائی تھی۔

"یقین تو ہو گا ناں۔ آپ نے بھی کسی عام سی شکل صورت والی لڑکی سے شادی نہیں کی ہے۔ ایک حسین لڑکی سے کی ہے۔" وہ ہنس کر بولی پھر لائن منقطع کر کے اپنی سیلفیاں لینے لگی۔

آبص موبائل کو فقط گھور کر رہ گیا۔ وہ کہنا تو چاہتا تھا کہ حسن تو نظر میں ہوتا ہے اور جذبہ محبت کسی عام کو بھی

خاص بنا دیتا ہے اور کبھی بہت حسن بھی بہت عام سا دکھائی دینے لگتا ہے۔

ارسلہ خواب گاہ سے نکلی تو رومی کے فوٹوسیشن جاری تھے۔ وہ ایک ناگواری نگاہ اس پر پھینک کر داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ رومی نے اسے پکارا بھی تھا مگر وہ سنی ان سنی کر گئی تھی۔

☆☆☆

صبا کو گئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ وہ جوس پیتے ہوئے غیر دلچسپی سے ادھر ادھر گھومتی لڑکیوں کو دیکھنے لگی۔ وہ یہاں کسی کو جانتی تک نہ تھی۔ اجنبی چہرے تھے سارے۔ کچھ دیر کے بعد اسے اکتاہٹ سی ہونے لگی۔ ویٹر اس کے سامنے جوس کی ٹرے اٹھائے چلا آیا۔ اس نے جھٹ کر کے ایک گلاس اٹھا لیا۔ یہ دوسرا گلاس تھا جو وہ محض مصروف رہنے کے لیے پیے جا رہی تھی۔ ایک ہی ڈیزائن اور کلرز کے لباس میں ملبوس ویٹرز رنگ برنگے مشروبات سے بھری ٹرے اٹھائے مہمانوں کو سرو کرنے میں مستعدی سے لگے ہوئے تھے۔

"یہ صبا کہاں رہ گئی تھی۔ ناحق چلی آئی میں بھی۔ اب بھلا میں یہاں کسی کو جانتی ہوں، حد ہو گئی بوریت کی بھی۔"

وہ جوس کے گھونٹ لیتے لیتے انٹرنس کے پاس بنے ستون کے پاس کھڑی ایک بے حد دلکش لڑکی کو دیکھنے لگی۔ جو اس پارٹی کی بڑی خاص گیسٹ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہر کسی سے علیک سلیک کر رہی تھی۔ خاصی مغرور دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر دیکھتے دیکھتے اسے یک دم ایسا لگنے لگا جیسے اس لڑکی کو اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ مگر کہاں...... کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

بلاشبہ وہ ایک حسین لڑکی تھی۔ اس کی دمکتی رنگت، اس پر متناسب قد کاٹھ، مہنگا لباس، بہترین جیولری...... اور مہنگے پارلر سے کیا ہوا بہترین میک اپ۔ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔ وہ لڑکی اچانک پلٹ کر اسٹیج کی طرف چلی گئی تھی اور پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس درمیان صبا بھی اسے دکھائی دے گئی۔ وہ کسی عمر رسیدہ خاتون سے علیک سلیک کرتے ہوئے اسی طرف آ رہی تھی مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ارسلہ پر گویا پہاڑ ہی ٹوٹا تھا۔

اس کی ٹیبل سے آگے کی ٹیبل کے نزدیک آبص کسی جوڑے سے علیک سلیک کر رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ کے نیچے اسٹک تھی جس پر اس کا ہاتھ سختی سے جما ہوا تھا۔ وہ یک دم پلٹا تھا۔

نادیہ کو تو لگا جیسے اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے کائنات رک گئی ہو۔ اس کا دل بھی دھڑکنا بھول گیا ہو۔ وہ چکرا کر رہ گئی۔ اس کے ذہن و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایک عرصے کے بعد یوں اس کے سامنے ہو گا۔ اس کی آنکھوں کے آگے......

اس کی نظریں بے ساختہ اس ستون کی طرف گئیں جہاں وہ حسین لڑکی کچھ دیر پہلے تک کھڑی تھی اور اس کے دماغ میں یک دم وہ ساری تصاویر گھومنے لگیں جو صبا نے آبص کے نکاح کی اسے سینڈ کی تھیں۔ گویا ساری گتھی سلجھ گئی۔ وہ حسینہ آبص جیلانی کی بیوی تھی۔ جیلانی ہاؤس کی بہو......

اس کا یہ خیال تھا کہ آبص اسے نہیں دیکھ پایا۔ سو وہ نظریں بچا کر نکلنے کا سوچنے لگی۔ مگر یہ اس کا محض خیال ہی تھا۔ آبص اسے نہ صرف دیکھ چکا تھا بلکہ اپنی حیرت کو سمیٹ کر یوں چونکا جیسے کسی خواب سے آنکھ کھل گئی ہو۔ وہ لپک کر اس کی جانب بڑھا، وہ رخ موڑے جا رہی تھی۔

"نادیہ...... شاہ......" پکارنے والے کے لہجے میں اتنی بے تابی تھی کہ ایک لمحے تو اسے اپنی سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہوئی۔ وہ ذرا سا لڑکھڑائی۔ وہ عین اس کی پشت پر تھا۔

"آئی ڈونٹ بلیو اٹ۔ یہ...... تم ہو نا نادیہ...... تم ہی ہو ناں۔"

وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

”یقین تو اسے کبھی نہیں آیا کہ یوں آبص سے اس کا سامنا ہو جائے گا۔ حالات کی اس ستم ظریفی پر ایک لمحے اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ اپنے اس مجرم کو دیکھ کر دل تو چاہا اس سے حساب مانگے مگر کسی بھی اقدام سے خود کو باز رکھتے ہوئے وہ اجنبیت کی چادر اوڑھے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

”نادیہ پلیز......“ وہ لوگوں کی موجودگی کے باعث قدرے دبے لہجے میں اسے پکارنے لگا اور اس کے پیچھے لپکا۔ وہ یہ لمحہ ہرگز کھونا نہیں چاہتا تھا۔

مگر وہ ارد گرد لوگوں کی توجہ سے بے نیاز تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی، گویا رک گئی تو قیامت آ جائے گی۔

”ارے نادیہ...... کہاں جا رہی ہو؟“ عبالے دیکھتی حیران ہو کر اس کی طرف بڑھی۔ پھر اس کی حیرت سے کھلی آنکھیں مزید پھٹ سی گئیں۔ اس نے اس کے تعاقب میں آگے آبص کو دیکھا اور وہیں تھم گئی۔ اسے نادیہ کے بھاگنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

آبص بدحواس سا تیزی سے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا ہی نہیں کہ سکندر سے اس کا کندھا ٹکرایا تھا اور سکندر کی نظریں آبص سے ہو کر داخلی دروازے کو عبور کرتی نادیہ شاہ سے ہو کر صبا پر جا رکیں۔ جو اب آبص کی راہ میں آ گئی تھی۔ آبص کے چہرے پر لکھی تحریر بہت واضح تھی۔ اس کی بے قراری، بے تابانہ لپکنا اور اس لڑکی کا گریز...... اور اس گریز پر آبص کا متوحش ہونا صاف کہہ رہا تھا جیسے بہت قیمتی شے کے کھو جانے کا ڈر اسے بھگا رہا ہو۔ دوڑا رہا ہو اور ایسا اضطراب اتر رہا تھا اس کی آنکھوں سے جیسے پاتے پاتے پھر سب کچھ کھو رہا ہو۔

سکندر نے آبص سے نظریں ہٹا کر بے ساختہ ارسلہ کو دیکھا جو مہمان عورتوں میں گھری اپنے نیکلس اور قیمتی کپڑوں کی نمائش میں مصروف تھی۔ وہ اس احساس سے شاید بے خبر تھی کہ وہ اپنی سب سے قیمتی متاع سے بے نیاز ہے، اس کے کھو جانے کے خیال سے بے خیال...... یا شاید جسے پایا ہی نہ ہو، اس کے کھو جانے کا ڈر نہ ہو گا۔

”ارے۔ آپ یہاں ہیں۔“ اریبہ کی آواز آئی۔ سکندر چونک کر پلٹا۔

”ابا آپ کا پوچھ رہے تھے۔“

”ہوں...... یوں ہی یہاں نسبتاً رش کم ہے۔“

”جانتی ہوں۔ اسموکنگ کر رہے ہوں گے، ابا سے چھپ کر۔“ وہ ہنسی۔ سادہ اور معصوم سی ہنسی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔ اور اس کے ہمراہ چلنے لگا۔

”آپی بہت پیاری لگ رہی ہیں آج تو...... نگاہیں نہیں ٹھہر رہیں ان پر۔“ وہ ارسلہ کی طرف دیکھ کر سکندر سے کہنے لگی۔ ”کاش ان کا تھوڑا سا حسن ہی مجھے مل جاتا۔“ اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا پھر سکندر کی طرف نظر ڈالی تو ٹپٹا گئی۔ ”کیا...... کچھ غلط کہہ دیا؟“ اسے سکندر کی نگاہیں چبھتی ہوئی لگیں۔

”ہاں...... بالکل۔“ وہ ہلکی سانس بھر کر اس کے نزدیک آیا۔ ”تم اریبہ ہو، تمہیں ارسلہ بننے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم جو ہو وہ بہت اچھی ہو۔“ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف چلنے لگا۔

☆☆☆

اسے اب تک یہی گمان تھا کہ عیش و طرب میں گزرتے شب و روز میں ایک بے حیثیت لڑکی اس رئیس زادے کو کہاں یاد رہی ہو گی۔ وزنی بوٹ تلے آئی جیتی جاگتی مگر کمزور چیونٹی کی موت ان بھاری بوٹوں کے اندر موجود پیروں کے لیے کیا معنی رکھ سکتی ہے۔ مگر اسے حیرت ہوئی، وہ اسے پہچان کر جس بے تابانہ انداز میں اس کے پیچھے لپکا تھا اور ممکن تھا اسے تھام لیتا...... روک لیتا...... اگر وہ اسٹک کے سہارے نہ چل رہا ہوتا۔ اس کی پکار میں بے قراری تھی۔ ایک جنون تھا آنکھوں میں جو وہ اسے اپنے پیچھے لپکتے دیکھ کر جان چکی تھی کہ وہ جیسے مدت

سے اس کی تلاش میں بھٹک رہا ہو۔

خدایا...... وہ بینکوئٹ سے نکل کر دور جا کر ایک باغیچے نما حصہ میں رک گئی تھی۔ صبا نے ہی فیروز کو بھیجا تھا اس کے پیچھے۔ وہ گاڑی لے کر آیا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی جیسے پیروں میں سے جان ہی نکل گئی ہو اور چلنا دوبھر ہو گیا ہو۔

گھر آئی تو امی سو چکی تھیں۔ وہ چابی سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اس نے سوچا اچھا ہی ہوا کہ امی جاگ نہیں رہیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر مسہری پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ رہا ہو۔ ہر شے بکھرتی دکھائی دے رہی ہو۔ ایک عرصے بعد صبر کا جام ٹوٹا تھا...... کرچیاں ہی کرچیاں تھیں۔

☆☆☆

ارسلہ مہمانوں کو رخصت کر رہی تھی۔ امی نے جانے سے پہلے اسے گلے لگا کر بہت سا پیار کیا اور نظر اتارنے کی تاکید کی۔ وہ ہنس دی اور انہیں رکنے کا کہا، گھر چلنے کی آفر کی۔

"ارے نہیں، صبح سکندر کا بھی آفس ہے اور پھر عقیلہ بھی گھر میں اکیلی ہے۔ میں اسی کے پاس جاؤں گی۔ تم بس خوش رہو، آباد رہو...... اور ہاں......" امی ذرا سا اس کی طرف جھک کر رازدانہ لہجے میں بولیں۔ "تم اور نیلو ہو سکے تو کل پرسوں گھر آ جاؤ۔ صلح مشورہ کر لوں، پھر عقیلہ کو بیاہ کے لیے ہاں کہہ دوں۔"

"ہاں ہی کہنے کا سوچ رکھا ہے تو پھر صلح مشورہ کیسا؟" اس کے انداز میں ترشی تھی۔ پھر استہزائیہ انداز میں مسکرا کر اریبہ کی طرف دیکھا۔ "اس کی گردن پتلی ہے، پھندا فٹ آ گیا ہے تو ڈال دو۔"

"چل ہٹ...... فضول کی بکواس نہ کیا کرو۔" امی نے برا مان کر گھرکا۔ "بہن کو دعا ہی دے دو۔" امی یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئیں، جہاں ابا ان کے منتظر تھے۔

"الحمدللہ، دن رات سب کی دعاؤں کے حصار میں رہتی ہوں۔ آپ بھی اپنا حصہ ڈال دیں گی تو مشکور رہوں گی۔" اماں کے پیچھے جاتے ہوئے اریبہ ذرا سا اس کے پاس رک گئی۔ ارسلہ کے چہرے کے بگڑے زاویے اور یہ ترش لہجہ اس کو دل برداشتہ کر گیا تھا جیسے سکندر اس کے لیے کوئی کڑوی گولی ہو، جس کا نام سن کر اس کے چہرے پر ناگواری دوڑنے لگتی ہو۔

"میرے حصے کی کیا ضرورت ہے، جب سب کی دعائیں مل رہی ہیں تو...... بے وقوفی ہے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار کر خوش فہمی میں رہنا کہ مرہم رکھنے والے بہت ہیں۔ جاؤ، خوش رہنے کی دعا تو دے دیتی ہوں مگر ان دعاؤں میں اثر نہیں ہوتا جب پتا ہو کہ خوش رہو گی نہیں۔"

"آپا......" اریبہ تڑپ کر کچھ کہنے لگی مگر پھر چپ رہ گئی۔ سکندر اس کے نزدیک چلا آیا تھا۔

"کیا ہوا اریبہ! چلنا نہیں ہے کیا؟"

"جی، بس وہ آپی کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔" وہ جلدی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"لگتا ہے تم تو میری خیر خیریت پوچھنا اور خدا حافظ کرنے جیسی فارملیٹیز بھی بھول گئے ہو آج۔ اس شان دار پارٹی اور میری شان دار پرسنیلٹی سے حواس باختہ ہو گئے ہو شاید۔"

وہ سکندر کے اٹھتے قدم پر جلدی سے بولی۔ سکندر نے رک کر گردن ذرا سی موڑی پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"شاید ایسا ہی ہو۔" اس کے انداز میں کوئی حجت نہ تھی۔ ہلکے سے سانس بھر کر کچھ سوچ کر اس کی طرف پلٹا۔

"ایک مشورہ ہے تمہارے لیے۔"

جواباً وہ مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں لحظہ بھر چمک سی لہرائی۔

”خواہشات کو اتنی اڑان مت دے دینا کہ واپسی کا راستہ بھول جاؤ ارسلہ! یہ مادہ پرستی بڑی خطرناک بیماری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی قیمتی متاع کھو دو، ان میں ڈوب کر۔ بہت کچھ پا لینے کی خوشی بسا اوقات کھو دینے کے غم تلے دب جاتی ہے۔“

”مشورے کا شکریہ۔“ وہ تفاخر سے گردن اٹھا کر ہنسی۔ ”سکندر اعظم میں وہ لکی لڑکی ہوں جو پانے کے لیے شاید پیدا ہوئی ہے۔ کھونے کے لیے نہیں اور کھونا تمہارے نزدیک محبت ہے تو یہ غلط فہمی دور کر دوں کہ مجھ جیسی حسین لڑکی سے محبت کرنے پر ہر کوئی مجبور ہو جاتا ہے۔ محبت تو میرا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ جب چاہوں پا سکتی ہوں۔ میرے اختیار کی چیز ہے۔“

”اچھی بات ہے پھر تو......“ سکندر نے ابرو اچکا کر سر کو ہلکی سی جنبش دی اور ترحم بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”خدا کرے ایسا ہی ہو۔ او کے، وش یو گڈ لک۔“

وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھ گیا کہ کاش محبت جب چاہے مل سکتی، انسان کی اپنی خواہش اور چاہ سے......

☆☆☆

آبص گھر آ کر اپنی خواب گاہ میں جانے کے بجائے کوٹھی کے باغیچے کے ایک گوشے میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اسے لگا وہ گاڑی میں نہیں بلکہ پیدل چلتے چلتے یہاں تک پہنچا ہو۔ ایک لمبی مسافت طے کر کے، ایک خود آزاری کی کیفیت میں وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اسے اس وقت تنہائی کی خواہش تھی اور اندر یقیناً ایک شور بپا تھا۔ خواب گاہ میں یقیناً ارسلہ سے سامنا ہوتا اور وہ اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بس یہاں بیٹھ کر اس واقعہ پر سوچنا چاہتا تھا۔ دبیز اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن دکھائی دی تھی اور صبا کے روپ میں اسے ایک بڑی مدد اپنے رب کی نعمت معلوم ہوئی تھی۔ اس نے نادیہ شاہ کا پیچھا کرتے کرتے صبا کو جا لیا تھا۔ جو نادیہ شاہ کے پیچھے لپکی تھی۔ وہ بھی نکل جاتی اگر وہ نادیہ شاہ کی قسم دے کر اسے نہ روک لیتا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ قسم سے زیادہ اس کا گڑگڑانا، اس کی آنکھوں سے جھلکتی عاجزی، لجاجت نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا تھا۔ وہ اس کے ہمراہ ایک پرسکون گوشے میں چلا آیا۔

”پلیز......“ اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

صبا چپ چاپ بیٹھ گئی۔ عجیب ہی صورت حال تھی۔ وہ آبص کو نادیہ کے حوالے سے جانتی تھی اور وہ صبا کو نادیہ کے حوالے سے......

صبا کو حیرت تھی اس کی بے قراری دیکھ کر۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ اس سے اور نادیہ سے کیا چاہتا ہے جبکہ ایک حسین و جمیل بیوی کا شوہر تھا۔ صبا کی نگاہیں اس کے پیپر پر جم گئیں، وہ کبھی آبص کو اور کبھی اسٹک کو دیکھ رہی تھی۔

”کچھ حادثے ہمیں ماضی میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیتے ہیں۔ ہم چاہتے ہوئے بھی اس سے نہیں نکل سکتے یا شاید نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ ہاں نکلنا ہی نہیں چاہتے۔“

وہ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں چھڑی کو گھورنے لگا۔ جیسے ماضی کا کوئی منظر اس چھڑی میں دکھائی دینے لگا ہو۔

”وہ کیوں چلی گئی مجھے دیکھ کر......“ اس نے جیسے کسی خیال سے نکل کر ہلکی سانس بھرتے ہوئے صبا کی طرف دیکھا۔

”شاید کچھ کہنے کو رہا نہیں تھا۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”حالانکہ بہت کچھ ان کہی ہمارے درمیان موجود ہے۔“

”وقت کا پانی کبھی اتنا گزر جاتا ہے کہ ہر شکوہ شکایت، ہر بات بہہ جاتی ہے اس میں۔ پھر کچھ نہیں بچتا نہ سننے کے لیے، نہ کہنے کے لیے...... خیر، آپ کو شادی مبارک ہو۔ بہت خوب صورت ہے آپ کی وائف۔“ صبا کے لہجے میں نا چاہتے ہوئے بھی جتانے کا تاثر سمٹ آیا۔

جواباً وہ دل گرفتگی سے مسکرا دیا اور سر کو ہلکے سے جنبش دی مگر صبا کو اس کی مسکراہٹ بے حد کھوکھلی محسوس ہوئی جس میں شکستگی نام کو نہ تھی۔ اسے لگا جیسے وہ ضبط کے کئی مرحلے سے گزر رہا ہو۔

”نادیہ کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، سوائے اس کے کہ اس کی شادی نہیں ہوئی۔ یہ اطلاع غلط ہے کہ وہ اپنے کزن حمزہ کے نکاح میں ہے۔ ہاں حمزہ اس کا کزن ہے اور اس سے شادی کا خواہش مند بھی اور گھر والوں کے دباؤ پر اس نے منگنی تو کر لی ہے مگر شاید اسے قبول نہیں کر پا رہی ہے۔“ صبا کی اس بات پر آبص گنگ رہ گیا۔

”ہاں...... یہی سچ ہے۔“ وہ اس کے چہرے پر پھیلنے والی حیرت پر سر ہلانے لگی۔ ”ایک بات کی وضاحت کر دوں مسٹر آبص کہ میری اور نادیہ کی دوستی آپ کے ملنے اور جدا ہو جانے کے بعد کی ہے۔ گو کہ میں بہت کچھ جانتی ہوں مگر سب کچھ نہیں۔ یہ کوشش آپ خود کریں، میں آپ کو اس کا پرسنل نمبر اور ایڈریس دے دیتی ہوں، مگر اسے پتا نہ لگے کہ میں نے دیا ہے۔ وہ پہلے ہی مجھ سے خفا ہو گئی ہو گی، جب اسے پتا چلے گا کہ میں نے آپ کو کانٹیکٹ نمبر دیا ہے تو ہو سکتا ہے وہ مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دے۔ سخت برا بھلا کہے۔ میرے لیے اپنے گھر کے دروازے ہی بند کر دے۔“

”میں آپ کا یہ احسان بھی ضرور چکا دوں گا۔“

”ارے نہیں۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا میں تو صرف یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ وہ گھر پہنچ تو گئی ہو گی اور کتنی ڈپریسڈ ہو گی، پتا نہیں کس حال میں ہو گی اور مجھے یقین وہ میری کال بھی ریسیو نہیں کرے گی۔“

صبا کو اب فکر لاحق تھی، ایک اس کی اور ایک یہ کہ جانے وہ اس کے یہاں رک جانے پر کیا ردعمل ظاہر کرے گی۔

”ارے نہیں۔ وہ اتنی ضدی اور سخت دل نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اسے۔“ آبص اسے فکر مند دیکھ کر بولا۔

صبا بے اختیار مسکرا دی۔ پتا نہیں وہ اس کی معصومیت پر مسکرائی تھی یا کم فہمی پر۔

”وہ کیسی تھی، اس کی تو مجھے خبر نہیں مگر وہ ضدی بھی ہے اور سخت دل بھی۔“

آبص نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں، ضد پر آ جائے تو بہت مشکل سے ضد چھوڑتی ہے۔ بلکہ چھوڑتی ہی نہیں اور سخت دل نہ ہوتی تو حمزہ کو یوں دکھی نہ کرتی۔“

”حمزہ...... !“ آبص نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہنا چاہا کہ صبا کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

”معذرت چاہتی ہوں، میرے فیانسی میرا ویٹ کر رہے ہیں۔“ وہ آبص کی طرف سے کسی بھی ردعمل کا انتظار کیے بنا پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

”تھک تو میں بھی گئی ہوں مگر یہ لمحات یادگار ہوتے ہیں۔ پھر کہاں روز روز منگنی بار بار ہوتی ہے اور آج تو سب نے ہی میری تعریفیں کی ہیں۔ بس ایک آپ کی طرف سے کوئی خوب صورت جملہ نہیں آیا۔“

وہ آبص کو دیکھ کر جیسے پھٹ پڑی۔ آبص نائٹ گاؤن کی ڈوری کستے ہوئے خفیف سا ہوا۔

”سوری۔ تم بھی تو بہت بزی تھیں، ایسا کوئی موقع ملا نہیں مجھے۔“

وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، وہ نرمی سے مسکرایا اور سر ہلانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

”تم ہمیشہ اچھی لگتی ہو، آج زیادہ لگ رہی ہو۔“

”یہ تو ہے۔ میں تو ہوں ہی خوب صورت...... کہیں ایسا تو نہیں آبص کہ آپ اپنے اس بیر کی وجہ سے مجھ

سے آج دور دور رہ رہے تھے۔ لوگوں کی باتوں کی وجہ سے کسی احساس کمتری میں آ گئے ہوں گے۔" وہ پر خیال انداز میں بولی۔ آبص بیڈ کی طرف جاتے جاتے ٹھٹک گیا۔

"بھئی، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو لوگوں کی پروانہ کیا کریں آپ۔" وہ دوپٹا اتار کر تہ کر کے ایک طرف ڈالتے ہوئے اس کے ذہنی انتشار سے بے نیاز اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

آبص کا دل چاہ رہا تھا، وہ منہ لپیٹ کر سو جائے۔

"ارے ہاں، کل آپ مجھے وہ کوٹھی دکھانے لے جائیں گے نا جو آپ نے پسند کی ہے میرے لیے۔" وہ وارڈروب کی طرف جاتے جاتے یاد آنے پر بولی۔ بلکہ مقصد اسے بھی یاد دہانی کرانا تھا۔

"ہوں۔" وہ فقط ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"کچھ زیادہ ہی نیند نہیں آ رہی ہے آج آپ کو۔" وہ چڑ گئی۔ "بندہ دو گھڑی بات ہی کر لے، اس فنکشن پر تبصرہ ہو جائے۔ کچھ دیر بات چیت ہو جائے۔ منہ لپیٹ کر سوتے بن گئے...... اونہہ!"

"ارسلہ پلیز، آئی ایم سو ٹائرڈ (میں بہت تھک گیا ہوں)۔" اس کا انداز تلخ اور بے مہر تھا۔ "کل تمہیں کوٹھی دکھانے لے جاؤں گا، اس سے زیادہ ابھی کچھ اور بات نہیں کرنی ہے تم سے۔ اور پلیز مجھے سونے دو۔" وہ کروٹ بدل گیا۔

☆☆☆

نیلوفر رومی کی شان دار دعوت اٹینڈ کر کے احمر کے ہمراہ گھر پہنچی اور شکر ادا کیا کہ اس کی ساس صاحبہ سو چکی تھیں۔ سو وہ سیدھا بیڈروم میں چلی آئی۔ احمر باتھ روم میں کپڑے بدلنے جا چکا تھا، وہ سنگار میز کے پاس رک کر جیولری اتارنے لگی۔ نیکلس پر ہاتھ لگا تو بے ارادہ ارسلہ کا جگمگاتا نیکلس یاد آ گیا جو اس کی گردن کو دمکا رہا تھا۔

"معمولی نہیں ہے، بہت بیش قیمت ہے۔ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔" وہ نیلو کو اپنا نیکلس دکھا بھی رہی تھی اور جتا بھی رہی تھی۔

"بہت پیارا ہے اور تمہاری گردن میں آ کر اور بھی قیمتی ہو گیا ہے۔" نیلوفر کھلے دل سے بولی۔

"ہاں، یہ تو ہے۔ قیمتی چیزیں قیمتی لوگوں پر ہی جچتی ہیں۔"

"ارے، یہ کیا کر رہی ہو؟" احمر اس کے پیچھے جانے کب آ کھڑا ہوا تھا۔ اسے زیور اتارتے دیکھ کر روکا۔ "ابھی تو جناب کو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ جانے کس کونے میں چھپی بیٹھی تھیں تم وہاں، اب تو اطمینان سے دیکھنے دو۔"

"بہت چبھ رہا تھا، سوچا اتار کر ایزی ہو جاؤں۔" وہ مسکرا کر احمر کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر نیکلس کی پن کھولنے لگی۔

"اچھا، لاؤ میں اتار دیتا ہوں۔"

"اب یہ شادی کی رات والا چھچھورپن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ہنسی اور اسے چھیڑنے لگی۔

"ارے واہ۔ چھچھورا پن کیسا؟" احمر نے اسے مصنوعی پن سے گھورا۔ "یعنی اس رات میری اس نوازش کو چھچھورا پن گردانتی رہی تھیں تم۔"

"بالکل۔" وہ بھی چھیڑنے لگی۔

سفید کڑھائی کے لباس اور خوش رنگ دوپٹے میں اس کا متناسب قد اور جسم دلکش لگ رہا تھا۔ دونوں کلائیوں میں دوپٹے کی میچنگ چوڑیاں پہنے، وہ احمر کو بے حد دلربا لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں سے ہیئر بینڈ نکال دیا۔ اس کے چمکتے لچکتے بال ہیئر بینڈ سے آزاد ہو کر شانوں پر بکھر گئے۔

"اب اور زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔"

وہ مسکرا دی۔

"اب زیادہ رومانٹک ہیرو بننے کی ضرورت نہیں۔ امی کو دیکھ آئیں ذرا کمرے میں جھانک کر۔"

"چھوڑو۔ سو رہی ہیں اور شکر کرو، سو گئی ہیں اور یہ موقع مجھے مل رہا ہے ورنہ تو جناب اماں کے کندھے سے لگ کر پورا گھنٹا گزار کر کمرے میں آتیں، اب یہ گھنٹا میرا ہے۔"

"جی نہیں۔ صبح آفس بھی جانا ہے۔ ٹائم دیکھ رہے ہیں۔" وہ چیزیں سمیٹنے کے لیے پلٹی۔

"چلیں جائیں گے آفس بھی۔ کون کافر آفس کی چھٹی مارے گا۔ میں تو اماں کو دینے والا یہ گھنٹا چرا رہا ہوں۔" اس کے لبوں پر میٹھی مسکراہٹ تھی۔ دوسرے پل یہ مسکراہٹ کی احساس نے نکال دی۔

"نیلو......" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ "آج کی دعوت اچھی خاصی شان دار تھی۔ اونچے لوگ ہیں ارسلہ کے سسرال والے۔ پیسہ ہی پیسہ دکھ رہا تھا۔ نیلو! تم سوچ تو رہی ہوگی نا کہ اتنے بڑے پروگرام کے لیے میں تمہیں مہنگے کپڑے نہ خرید کر دے سکا۔ تمہیں وہاں جا کر اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا تو ہوگا۔ اپنی قسمت پر شکوہ ہوا ہوگا۔" وہ کب سے سوچوں میں الجھا ہوا تھا بالآخر اسے زبان دے دی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں احمر۔"

"سچ کہو نیلو۔ تم بھی ارسلہ کا موازنہ لاشعوری طور پر بھی خود سے کرتی تو ہوگی نا۔ میں اس دعوت میں پورے وقت گلٹی فیل کرتا رہا اور یہی سوچتا رہا کہ میں تمہیں یہ سب تو کیا...... بہت تھوڑا بھی نہیں دے سکا ہوں۔ تم بھی ایک جوان، خوب صورت لڑکی ہو۔ تمہاری بھی خواہشات ہوں گی۔ تم نے یقیناً میرے جیسے ہم سفر کے خواب تو نہ دیکھے ہوں گے۔" وہ تاسف اور ندامت کی زد میں تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ندامت اور افسردگی نیلوفر کو پگھلا گئی۔

"احمر! ہر لڑکی کی سوچ ارسلہ جیسی نہیں ہوتی۔ جو خواہش اور بس دولت کے گرد گھومتی رہے۔ پیسہ یقیناً بہت
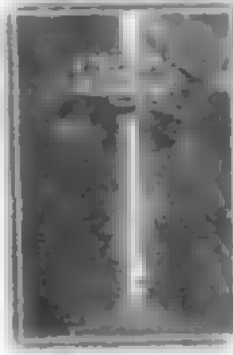
سی ضرورتوں میں ایک بڑی ضرورت ہے مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس کے سامنے ساری دوسری حقیقتیں بے معنی ہو جائیں۔ رشتے، لگاؤ، محبتیں، رواداریاں سب ہیچ ہو جائیں۔ میں بالکل بھی اس طرح نہیں سوچتی اور یوں بھی مجھے اپنے رب کی تقسیم پر کبھی بھی شکوہ نہیں ہوا۔ وہ ہمارے لیے بہتر بلکہ بہترین سوچتا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ حق ہے، بھلائی ہے۔ میرا نصیب بھی مجھے چاہنے والے میرے مالک نے لکھا ہے تو اس کی بہتری اور بھلائی میں کوئی شک ہوگا کیا۔ آپ جیسا ہم سفر خوش نصیب لڑکیوں کو ملتا ہے احمر۔ عزت اور محبت، خواہش اور جدوجہد سے کیس ہی۔ نصیب سے ملتی ہے تو بھلا میرا نصیب برا کیسے ہوا۔" اس نے احمر کو کندھے پر سر رکھ دیا۔

احمر نے احساس تشکر سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"تمہارا ساتھ رہا، تمہارا خلوص، تمہاری وفا اور محبت میرے ہمراہ رہی تو دیکھنا میں تو بہت ترقی کرلوں گا۔ وفادار اور مخلص عورت مرد کا بازو ہوتی ہے، مرد بھی کمزور نہیں پڑتا بلکہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ تمہاری باتیں میری روح پر رکھے بوجھ کو ہمیشہ کھینچ لیتی ہیں نیلو۔ تم جیسی عورت بھی خوش نصیب کو ملتی ہے۔"

اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ احمر کو ایسی روشنی محسوس ہوئی، جس میں اس کے دل میں پھیلتا مایوسی کا اندھیرا دم توڑ جاتا ہے اور راستہ صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔

☆☆☆

آج اس واقعہ نے اس بری طرح متاثر کیا تھا۔ اس کے گمان بھی نہ تھا، اس کا سامنا آبص سے اس طرح ہو جائے گا۔ وہ اس کی ایک نظر التفات کا یوں متمنی دکھائی دے گا۔ اور وہ جو ایک عرصے سے اس کی آہٹ کو محسوس کرتی رہی تھی۔ اس کو نظر بھر دیکھنے کی خواہش کر چکی تھی اور اب جو دکھائی دیا تو یوں منہ پھیر کر بھاگ لے گی۔ وہ یوں اس سے بچ کر بھاگی تھی، گویا وہ کوئی اندھی کھائی ہو جو ذرا سا لڑکھڑائی تو گر جائے گی اس اندھیرے میں ہمیشہ کے لیے......

وہ انہی کپڑوں میں مسہری پر لیٹ گئی تھی اور اب وہ یہ افسوس کر رہی تھی کہ وہ آبص کی پکار پر رکی کیوں نہیں گئی۔ اس کا سامنا کیوں نہیں کیا۔ اس کا گریبان پکڑ کر اسے کوئی سخت بات کیوں نہیں کہہ دی۔ اسے کیوں نہیں جتادیا کہ وہ اب ایک شادی شدہ ہے اور اپنی بیوی کا محرم شوہر...... اور یہ کہ...... اس کی زندگی سے ان ماں بیٹے کو کھیل کر کیا ملا۔ کوئی سزا...... کوئی پچھتاوا، کم از کم اس کی آنکھوں میں ڈھونڈ لیتی۔

پتا نہیں یہ اس کی بزدلی تھی یا نااہلی...... وہ ایک بار پھر ایک ان کہی چھوڑ آئی تھی پھر اسے گم کر چکی تھی۔ ایک بار پھر خالی ہاتھ رہ گئی تھی۔

اچانک موبائل کی گھنٹی نے اس کے خیالات کو توڑا تھا۔ اس نے سرہانے رکھے موبائل پر نظر ڈالی۔ اسے یقین تھا کہ صبا اس سے رابطہ کرنے کی کوشش میں ہوگی۔ اس سے پہلے بھی صبا کی کئی مس کالز تھیں۔ اب شاید وہ کسی اور نمبر سے ٹرائی کر رہی تھی۔

ایک افسردہ سانس کھینچ کر اس نے موبائل اٹھالیا۔ اس کا خیال تھا صبا کو بے وجہ سزا دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ یقیناً اس کے لیے پریشان ہوگی، دل جلا رہی ہوگی۔

"ہیلو......"

"ہیلو...... نادیہ شاہ......!"

دوسری طرف صبا کے بجائے آبص کی مانوس آواز سن کر اس کا دل یک لخت ڈوب سا گیا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

مینال ہادی

"بیٹا میں وہ ہوں جس کی مثال پورے خاندان میں دی جاتی ہے کہ فرحت جیسی بہو پورے خاندان میں نہیں۔ کبھی ساس سسر سے بدتمیزی کی کوئی بات نہیں نکلی۔ بھرا سسرال فرحت نے سنبھال رکھا ہے۔ سب کو جوڑ کے رکھا ہے۔ بچی، میں تو غیروں میں بیاہ کر آئی تھی اور تم تو پھر اپنی خالہ کے گھر جا رہی ہو تمہیں وہاں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ سب کو جانتی بھی ہو۔ آرام سے ایڈجسٹ ہو جاؤ گی۔ میری پیاری بچی میرا مان رکھنا کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہ دینا۔" فرحت بیگم دلہن بنی سائرہ کو سمجھا رہی تھیں۔

"جی مما۔ میں کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" سائرہ کہہ کر ماں کے گلے لگ گئی۔

سائرہ رخصت ہو کر سسرال آ گئی۔ خیال رکھنے والے سب تھے مگر پھر بھی ماں باپ کا گھر تو یاد آتا ہی ہے۔ خیر سائرہ نے گھر کے کاموں میں ہاتھ ڈالا اور آہستہ آہستہ سسرال کے ماحول میں ڈھل گئی۔ اس کا شوہر ثاقب خیال تو رکھتا تھا مگر وہ زیادہ ٹائم نہ دے پاتا۔ سائرہ نے اس پر بھی صبر کر لیا۔ دو نندیں تھیں دونوں اپنے گھر کی تھیں اور ایک دیور تھا جس کی شادی ابھی کرنی تھی۔ وہ سعودی عرب میں اچھی جاب پر تھا۔ سائرہ اپنی خالہ کے ساتھ زیادہ ٹائم گزارتی تھی۔

"خالہ! آپ پلیز، کچن کی تھوڑی سیٹنگ کروا دیں ناں مجھ سے نیچے بیٹھ کر نہیں کھانا بنتا۔ امی کے گھر پر تو کچن میں شیلف تھی میں کھڑے ہو کر کام کرنے کی عادی ہوں نا۔" سائرہ نے خالہ سے کہا۔ جیسے شادی سے پہلے کوئی بات کرتی تھی بڑے مان سے۔

"دیکھو سائرہ۔ تم سے تو کھانا ٹھیک بنتا نہیں مجھے ہی سالن بنانا پڑے گا اب سے۔ سلیب ڈالی گئی تو مجھ سے کھڑے ہو کر کھانا نہ پکے گا، میں تو بھئی بیٹھ کر پکانے کی عادی ہوں۔ میرے گھٹنے کام جو نہیں کرتے اب۔" خالہ نے ٹی وی کا چینل بدلتے ہوئے کہا۔ خالہ کا موڈ کچھ اور ہی تھا جیسے خالہ، خالہ نہیں ساس ہوں۔

سائرہ سر ہلا کر رہ گئی اور آئندہ کے لیے بات کرتے ہوئے بھی جھجکنے لگی۔

☆☆☆

سائرہ بیٹھ کر کھانا بنانے لگی اور عادی ہو گئی۔ خالہ نے تو شاید قسم کھائی تھی کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے کی۔ سائرہ ہر طرح سے کوشش کرتی کہ خالہ کو کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔ مگر خالہ کو کوئی نہ کوئی مسئلہ نکل ہی آتا۔ تو گویا خالہ اب خالہ نہیں ساس بن چکی تھیں۔ سائرہ کی سگی خالہ...... نہیں...... ساس......

روز کا ہی معمول تھا۔ کپڑے ٹھیک سے نہیں دھلے، کھانا ٹھیک نہیں بنا۔ برتن دھونے نہیں آتے۔ خالہ تو پوری ساس کا روپ دھار چکی تھیں، ماں کی بہن تو کہیں پیچھے ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"کیا بتاؤں باجی، آپ کو...... اب اس لڑکی کا کوئی بھی تو کام ٹھیک نہیں مگر میں برداشت کر رہی ہوں۔" خالہ فون پر بڑی خالہ سے دکھڑا رو رہی تھیں۔

"برداشت بھی اس لیے کہ ثاقب اس چڑیل نمرہ کو لانا چاہتا تھا۔ اس ماڈرن چڑیل سے تو یہی بہتر ہے۔ آپ کا مشورہ ٹھیک تھا سائرہ جیسی گائے اس خاندان میں نہ تھی۔ اسے لے آئی تو ثاقب کی بھی اس نمرہ سے جان چھوٹ گئی۔ بس یہ لڑکی کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرتی۔"

خالہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر سائرہ جو چائے پکڑے کمرے کے باہر کھڑی تھی اس سے اور کچھ نہ سنا گیا اور واپس آ گئی۔

سائرہ کی امی فرحت تین بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ سب سے بڑی مسرت تھیں پھر نصرت اور پھر فرحت۔ مسرت اور نصرت کی آپس میں خوب بنتی۔ دونوں رنگ روپ میں بھی فرحت سے آگے تھیں دونوں بہنیں دیورانی جیٹھانی بنیں اور فرحت غیروں میں کہیں اور بیاہی گئیں۔ مسرت

اور نصرت کی اور گہری دوستی ہو گئی اور فرحت جیسے غیر تھیں۔

ثاقب اپنے آفس میں کام کرنے والی نمرہ کو پسند کرنے لگا تھا جیسے ہی نصرت کے کان میں یہ بات پڑی ختم پشم بڑی آپا کے گھر پہنچ گئیں اور بڑی آپا کے مشورے سے سائرہ جیسی سادہ اور معصوم سی لڑکی کو بیاہ لائیں۔ ثاقب کو شادی کے لیے منانے والی بھی بڑی خالہ ہی تھیں۔

سائرہ ہر کام سگھڑ طریقے سے کرتی مگر نصرت ہمیشہ شکایت کرتیں کہ سائرہ نکمی ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے ٹھیک ٹھاک کیے ہوئے کام کو غلط کہنے پر احتجاج نہ کرتی بلکہ دوبارہ کام کر دیتی تھی۔ سائرہ نے کبھی اپنے میکے میں بھی بس صبر سے کام لیتی۔

☆☆☆

"بڑی باجی...... آج آپ خود دیکھ لینا میں کچھ غلط تو نہیں کہتی۔ دیکھنا کیسا بدمزا سا کھانا بناتی ہے آپ کی لاڈلی سائرہ۔" نصرت بیگم کی آواز کچن تک آرہی تھی ڈرائنگ روم کا دروازہ جو کھلا تھا۔

سائرہ نے آج کھانا واقعی اچھا نہیں بنایا تھا۔ کھانے میں نمک تیز اور میٹھے میں اتنا میٹھا کہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ بڑی خالہ نے سائرہ کو دیکھا اور پھر نصرت کو۔ نصرت نے آنکھوں سے ایسا اشارہ کیا جیسے کہا ہو "دیکھا۔" بڑی خالہ نے سائرہ کو پیار سے سمجھایا اور چلی گئیں۔

بڑی خالہ کے جانے بعد سائرہ نے ایک ڈونگے میں سالن نکالا اور دوسرے میں کھیر اور نصرت بیگم کے کمرے میں چلی آئی۔ اور دونوں ڈونگے نصرت کے پاس بیڈ پر رکھ کر ان کے ہاتھ تھام کر گھٹنوں کے بل پاس بیٹھ گئی۔ جبکہ نصرت بیگم حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"خالہ میں آپ کی وہی چھوٹی سی سائرہ ہو جس نے آنکھیں بھی آپ کی گود میں آکر کھولی تھیں۔ یاد ہے خالہ مجھے پہلا اسکول بیگ بھی آپ نے ہی دلایا تھا اور جب بھی آپ کے گھر آتی تو آپ مجھے چھوٹے چھوٹے برتن گفٹ کرتیں کہ میری سائرہ اس میں کھانا بنانا سیکھے گی۔ خالہ میں نے کھانا بنانا سیکھ لیا اور میں اتنی خوش ہوئی کہ آپ کو اپنا بنایا ہوا کھانا چکھانے کے لیے بے چین رہتی۔"

بولتے بولتے سائرہ کی آواز نم ہوتی چلی گئی اور آنسوؤں کی لڑی ٹوٹ کر اس کے گال پر پھسل گئی۔

جبکہ نصرت ابھی بھی حیرانی کے عالم میں اس کے تکے جا رہی تھیں۔ سائرہ اٹھی اور روٹی کا ایک نوالہ توڑ کر سالن لگایا اور نصرت بیگم کو کھلایا۔

"یہ...... یہ تو بالکل ٹھیک سالن ہے سائرہ...... تو پہلے نمک کیسے زیادہ تھا۔" خالہ نے حیرانی سے پوچھا۔

سائرہ نے کھیر کا چمچہ بھی نصرت کو کھلایا اس میں بھی میٹھا بالکل ٹھیک تھا۔ نصرت ناسمجھی کے عالم میں سائرہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"جی خالہ کھانا بالکل ٹھیک تھا۔ جو کھانا میں نے آپ اور خالہ کو دیا تھا اس میں خرابی تھی۔ آپ نے اتنے یقین سے جو کہا تھا بڑی خالہ کو کہ میں کھانا ٹھیک نہیں بناتی تو میں آپ کی بیٹی آپ کو غلط کیسے ثابت ہونے دیتی۔" سائرہ نے خالہ کا ہاتھ تھام کر پرسکون لہجے میں کہا تو اور نصرت بیگم کی آنکھیں جھک گئیں۔

"نہیں، خالہ! آنکھیں مت جھکائیں پلیز۔ میری طرف دیکھیں، میں آپ کی بیٹی ہوں نا۔ میں کبھی آپ کی آنکھیں جھکتے نہیں دیکھ سکتی۔ آپ میری ماں ہیں۔ میری خالہ ہیں۔ بس خالہ ہی رہیں پلیز ساس نہیں۔ آپ مجھے بنا غلطی کے ڈانٹیں...... خالہ بن کر...... ساس بن کر نہیں۔ میں آپ کو خالہ امی کہوں گی آج سے۔" بولتے بولتے سائرہ روئے جا رہی تھی اور نصرت بیگم کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں انہوں نے سائرہ کو گلے لگا لیا اور پیار کرنے لگیں۔ سارے گلے شکوے ختم ہو چکے تھے۔

☆☆

ناولٹ

آنعم خان

مجھے تیری خاص ضرورت ہے

چھ ماہ بعد۔ وہ اس کے سامنے تھی۔

بالکل سامنے، کچھ ہی فاصلے پر کھڑی۔ اس کی طرح حیرت زدہ سی بس ایک معمولی فرق تھا۔ حارث کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی جب کہ اس کے ہونٹ ساکت تھے۔ کئی لمحے خاموشی کی نظر ہوئے تو وقت نے رک کر متعجب نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

کچھ خاص تھا...... بہت خاص......

جیسے کسی بیتی ادھوری کہانی میں الجھے دو کردار، وہ کردار جو الگ راہ پر تھے۔

''ارفع چلیں؟''

خاموش و حیرت بھری محویت کو عقب سے آتی آواز نے توڑا۔ مگر ارفع کے برابر آتے ہی مقابل پر پڑتی پہلی نظر نے اسے ٹھٹک کر ارفع کو دیکھنے پر مجبور کیا۔

''آپ یہاں؟'' پھر حارث کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں یہاں آتا رہتا ہوں!''

''ہم بھی بس تھوڑی سی شاپنگ کرنے آئے تھے۔'' آئمہ نے بتایا، بات آگے بڑھائی۔ ارفع کی خاموشی سے وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ فی الحال ان دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی البتہ حارث کو ارفع کے سامنے مکمل مزاجی سے کھڑا دیکھ کر وہ حیران ضرور ہو رہی تھی۔

''ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟''

''جی......''

حارث کے پوچھنے اور آئمہ کے سوالیہ دیکھنے پر اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا، دل کی دھڑکنیں تو نگاہوں کے تصادم سے پہلے ہی بے ترتیب ہو چکی تھیں اب دماغ میں بھی ہلچل مچنے لگی۔

توقف بعد وہ تینوں شاپنگ مال میں موجود کافی ہاؤس کی جانب آئے۔ اس دوران ارفع، حارث کی بھرپور نگاہوں کے حصار میں تھی اور حارث کی نگاہوں نے وہ خاص بات بھی چپ چاپ محسوس و محفوظ کر لی تھی جس کی تحریری خبر اس کی زندگی میں نیا موڑ لائی تھی البتہ ویٹر کے آنے، کافی رکھنے اور جانے تک وہ خاموش رہا۔

''کیسے ہیں آپ؟'' دوسری جانب ارفع اپنے حواسوں پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی تو دھیمی آواز میں پوچھا۔

آئمہ کو اس لمحے اپنا آپ وہاں موجود ہونا غیر مناسب لگ رہا تھا مگر ساعتوں سے ارفع کے ساتھ کیا وعدہ ٹکرا رہا تھا جو اس نے کچھ ہی دن پہلے کیا تھا۔

''میں نہیں جانتی آئمہ۔ جب میرا ان سے سامنا ہوگا تو میں کیا کروں گی...... وہ کیا کریں گے...... کیا کہیں گے...... شاید میں ڈر جاؤں، گھبرا جاؤں...... اگر اتنا عرصہ میرے غائب رہنے پر غصے کا اظہار کریں گے تو میں...... میں ٹوٹ جاؤں گی آئمہ۔ تم میرے ساتھ رہنا، مجھے اکیلا مت چھوڑنا۔ میں اب ٹوٹنا نہیں چاہتی آئمہ۔ وعدہ کرو تم میرے ساتھ رہو گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں ارفع! میں تمہارے ساتھ رہوں گی اور ان شاء اللہ اب کچھ غلط نہیں ہوگا۔''

''ان شاء اللہ!''

آئمہ نے ارفع کو ہمیشہ حوصلہ دیا تھا اور اس وقت بھی آئمہ کی موجودگی اسے سنبھالے ہوئے تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟"
"میں بھی ٹھیک ہوں۔"
کافی کا سپ لیتے ہوئے وہ ارفع کے سامنے پہلی بار اندر ہی اندر الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔ مگر حقیقتاً وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"تمہارے منع کرنے کے بعد تمہیں ڈھونڈنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ پتا نہیں کیوں۔ جبکہ تم نے التجا کہا تھا میرے دل نے اسے حکم مان لیا تھا۔ ہے نا ناقابل یقین بات...... ایک ناقابل یقین سچ اور بھی ہے، میرا دماغ تمہارے حکم کی تعمیل میں مصروف عمل تھا لیکن میرا دل...... اس دن کے انتظار میں تھا۔"
یہ اعتراف اس لیے ضروری تھا یا نہیں مگر وہ کرنا چاہتا تھا۔ کر رہا تھا۔
ارفع نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھنے سے گریز کیا' زبان کو بھی ساکت رہنے پر پابند کیا مگر سماعتوں سے ٹکراتے حارث کے الفاظ آج زخم نہیں کرید رہے

تھے۔ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ رینگ کر اگلے ہی پل غائب ہوئی کہ دماغ حارث کی باتوں پر غور کرتا لب و لہجے میں کچھ کھوجنے لگا۔

جب تک آئمہ نے کافی کا خالی مگ میز پر رکھا۔

"میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ میں پوچھ ہی نہیں سکتا۔ اس بار میں تمہارا مان عمر بھر رکھوں گا بس نہیں جانا مت ارفع۔ اور یہ دھونس، دھمکی یا حکم بالکل بھی نہیں ہے۔ بس میرے دل کی استدعا ہے، التجا ہے۔ نہیں جانا مت ارفع......" وہ بولا تو بے بسی پنہاں نہ رہ سکی۔

یہ موقع قدرت نے عطا کیا تھا۔ اس موقعے کو وہ ضائع نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر پھر بھی۔ کچھ باتوں کو زبان پر لاتے لاتے وہ رک گیا۔ وہ خواہش جو اسی لمحے دل میں بیدار ہوئی تھی وہ اسے الفاظ دیتے دیتے رہ گیا۔

ارفع الگ اپنی جگہ حیران تھی۔

یہ سب کچھ اسے بے یقین کرنے کے لیے کافی تھا۔

"میں آج بھی تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔" وہ مزید گویا ہوا۔

"آپ بات کر سکتے ہیں۔" یہی جواب ارفع کو مناسب لگا۔

"کیا ہم روزانہ مل سکتے ہیں؟" اس نے استفسار کیا۔

جواباً ارفع کا سر دھیرے سے اثبات میں ہلا، وہ مسکرایا۔

"شکریہ۔"

"اب ہم جائیں؟"

"جانے سے پہلے کل ملاقات کا بتا دو۔"

"آئمہ کے گھر؟" ارفع نے سوالیہ اسے دیکھا۔

"میں کل شام کو آجاؤں؟"

"جی......"

وہ دونوں جانے کے لیے اٹھیں تو وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"اللہ حافظ!"

ان دونوں کے جانے کے بعد حارث بھی مطمئن سا گھر کے لیے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

شاپنگ مال سے گھر تک آئمہ نے بنا کوئی سوال جواب کیے اسے مکمل وقت دیا۔ بظاہر ارفع کے چہرے پر جامد تاثرات تھے۔ مگر وہ جانتی تھی کہ ارفع کے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی ہو گی، ابھی گرہوں کو سلجھانا آسان تھوڑی ہوتا ہے۔

"کچھ چاہیے؟"

وہ صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھی تو ہاتھ میں میں پکڑے شاپنگ بیگز رکھتے ہوئے آئمہ نے پوچھا۔

"پانی دے دو۔" وہ بولی۔

آئمہ توقف بعد پانی کا گلاس لیے اس کے برابر بیٹھی۔ ارفع نے پانی پیا اور دوبارہ سے ٹیک لگا گئی۔ آئمہ نے گلاس قریب پڑی میز پر رکھا۔

"تم ٹھیک ہو ارفع؟"

سوال پر ارفع نے اوّل تو اثبات میں سر ہلایا پھر فوراً نفی میں ہلانے لگی، اسی دوران آئمہ نے اس کی آنکھوں کو بھیگتے دیکھا۔ وہ فکر مند ہوئی۔

"کیا ہوا...... رو کیوں رہی ہو؟" وہ فکر مند ہوئی۔

"حارث......" وہ محض نام ہی لے سکی۔

"حارث بھائی نے تو ایسا کچھ نہیں کہا؟"

"میں ڈر گئی تھی انہیں دیکھ کر۔" آنسوؤں کو آنکھوں کے اندر ہی جذب کرتی وہ آڑی ہو کر بیٹھی۔

آئمہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"لیکن انہوں نے کچھ غلط نہیں کہا۔ نہ غصہ کیا، نہ طنز کیا، نہ شکایت کی اور ان کی آنکھیں۔ تم نے دیکھا تھا انہیں۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت نہیں تھی۔" وہ بے یقین و متعجب زدہ سی اپنے احساسات کو محسوس کرنے کے جتن کرنے میں مگن تھی۔

"یہ تو اچھی بات ہے نا ارفع؟"

"وہ ناراض تو ہوں گے......؟"

"ہوتے تو اظہار کرتے وہ۔"

"تو کیا میرا فیصلہ ٹھیک تھا؟"

''یقیناً......اسی لیے تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔''
ارفع نے جواباً پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔
''ارفع ...... تمام ڈر و خوف اور شک و شبہات کو ایک طرف رکھو اور دل کی صلاح لو۔ تم کیا چاہتی ہو۔ حارث بھائی سے سامنا ہو چکا ہے۔ آج انہوں نے کچھ نہیں کہا مگر کل وہ آئیں گے، اپنا فیصلہ نہ سنائیں لیکن وہ تم سے صلاح لے سکتے ہیں۔ اب آگے تمہارا کیا ارادہ ہے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ چلنے کا کہیں تو تم کیا کرو گی، کچھ سوچا ہے؟''
ارفع نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔
''فرار ممکن نہیں ہے نہ میں مزید یوں رہنا چاہتی ہوں۔'' پھر بولی کہ عمر بھر بھاگنا تو وہ بھی چاہتی ہی نہیں تھی۔
''ڈرنے کی بھی پھر کوئی ضرورت نہیں۔ آج حارث بھائی کی باتوں کے بعد مجھے اتنا یقین تو ہو گیا ہے کہ آئندہ سب ٹھیک ہو گا ان شاء اللہ۔'' آئمہ نے پُروثوق لہجے میں کہا۔
ارفع نے اسے دیکھتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ لائی۔
''مسکرائی رہا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔'' آئمہ بھی مسکرائی۔

☆☆☆

بے صبری سے سفر طے کرتا، گھر آتے ہی وہ سیدھا امی کے کمرے میں گیا۔ دل سرشار سا محوِ رقص تھا۔ امی کو ارفع سے ملاقات کا احوال بتاتے وقت آنکھوں میں رقم انبساط کی تحریر نے گویا انتظار کی تھکاوٹ کو لمحوں میں زائل کر دیا تھا۔
''تمہیں خوش دیکھ کر دل مطمئن ہو گیا ہے۔''
ندرت بیگم نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو وہ مسکرایا۔
''تم نے اسے ساتھ آنے کو کیوں نہیں کہا؟''
انہوں نے استفسار کیا۔
''کہتا تو......وہ آجاتی؟'' جواباً وہ سوالیہ ہوا۔
''تمہیں اپنی محبت پر یقین ہے؟''

''اپنی محبت پر یقین ہے۔ کیا اسے میری محبت پر یقین ہو گا؟''
''اسے تم پر یقین تھا۔ اب بھی ہو گا۔''
''لیکن میں اسے اپنی محبت و یقین کی جنگ میں آزمانے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ سنجیدہ تھا۔
''محبت و یقین کی جنگ محض دماغ کی اجازت سے حالات و انسان کو آزمائش میں ڈالتی ہے۔ بیٹا تم ثابت قدم رہو۔ دماغ تمہارا ساتھ دے گا، جس طرح تمہارے دل نے تمہارا ساتھ دیا ہے۔'' ندرت بیگم نے اسے سمجھایا۔
اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
''آج میں نے اس سے زیادہ بات نہیں کی۔ پتا ہے کیوں؟'' ماں کی طرف دیکھتے ہوئے وہ ایک پل کو رکا پھر توقف بعد مزید بولا۔
''میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھ سے ڈرے۔ میری بات کو حکم سمجھے یا اسے یہ محسوس ہو کہ میں اس کی زندگی کو اپنی طرز پر چلانا چاہتا ہوں۔ اس بار میری زندگی کے فیصلے کا اختیار بھی میں اسے دینا چاہتا ہوں۔''
اور یہی حارث ظہیر کی ذات کا سچ تھا۔
ندرت بیگم نے نہایت پُرسکون نظروں سے بیٹے کو دیکھا، ان کا دل حقیقی معنوں میں طمانیت سے بھر گیا تھا۔
اپنی زندگی کے فیصلے کا اختیار جب اس شخص کو دے دیا جائے جس کی زندگی ہی آپ کی زندگی ہو تو پھر قسمت بھی مہربان ہو جاتی ہے۔
وہ امی سے اجازت لیتا اپنے کمرے میں آیا۔ کل اسے ارفع سے ملنے جانا تھا اور جانے سے پہلے وہ ایک آخری بار ماضی کے ہر اس باب کو ختم کر کے کتاب میں عمر بھر کے لیے بند کر دینا چاہتا تھا جس نے ہمیشہ اسے اذیت دی تھی۔ اور اسی اذیت کو زہر کی طرح اس نے ارفع زمان کی زندگی میں کئی بار گھولا تھا۔

☆☆☆

وہ آٹھ سال کا تھا۔ مگر سمجھ دار تھا کہ گھر کے ماحول نے کبھی اس کے ذہن کو بے فکر رہنے ہی نہیں

دیا تھا۔ بہت کم عمری سے اُس کی معصوم آنکھوں نے دو آنکھوں کو مسلسل روتے دیکھا تھا۔ ایک زبان کو بے لگام ہوتے دیکھا تھا۔ دو ہاتھوں کو ایک بے بس وجود پر قہر برساتے دیکھا تھا۔ وہ ایک اکتائے ہوئے، ناخوش، کڑوے، غصیلے، زہر اگلتے اور ظالم شخص کا مقابلہ کرتی ایک بے بس، لاچار، روتی دھوتی، خاموش عورت کو دیکھ کر آٹھ سال کا ہوا۔

اُس نے اپنے باپ کے لیے سب کو برا کہتے سُنا۔ اُس نے اپنی ماں کے لیے سب کو افسوس کرتے دیکھا۔

لیکن اُس نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔

ماں کچھ پوچھنے سے قبل ہی کوئی نہ کوئی بہانہ پیش کرتی اور باپ کی شخصیت نے تو پہلے سے دل و دماغ میں ڈر و خوف بٹھا دیا تھا۔ وہ اُسی ڈر و خوف اور خاموشی کے ساتھ بڑا ہوا۔ لیکن پھر انہیں زندگی نئے موڑ پر نئی آزمائشوں کو سنگ لیے ایک نئے در پر لے آئی۔

''بھائی، مجھے ظہیر نے طلاق دے دی۔ انہوں نے دوسری شادی بھی کر لی ہے۔ وہ ہم دونوں سے ہر رشتہ ختم کر کے چلے گئے ہیں۔''

ماں کے لہجے میں دکھ تھا۔ آنکھیں ہر بار کی طرح نمکین پانی سے بھری ہوئی تھیں اور وہ سہما ہوا ماں کے پیچھے کھڑا تھا۔ اُس دن حارث کی سماعتوں نے بہت کچھ سنا تھا، بصارت نے بہت کچھ دیکھا تھا۔

حشمت ماموں کا غصہ و نفرت آسمان کو چھو رہی تھی۔ شجاعت ماموں اُس کے باپ کو گالیاں دے رہے تھے۔ زرین مامی اور گل رعنا مامی اس کے باپ اور باپ کے خاندان کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھیں۔ ثوبیہ خالہ، بہن کی قسمت پر آنسو بہا رہی تھیں، اُس کی ماں کو دلاسا دے رہی تھیں۔

''اسے ساتھ کیوں لائی ہو۔'' حشمت ماموں دھاڑے، تنفر بھری نظر حارث پر ڈالی۔

''اِس گند کو اُسی گند کے حوالے کرو۔''

شجاعت ماموں کے کہنے پر ندرت بیگم نے بیٹے کو سینے سے لگاتے ہوئے بہت بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔

حارث ماں کے سینے سے لگتے ہی مارے خوف کے آنکھیں بند کرتا، ماں کے گرد بانہوں کو گھیرا مضبوط کرنے لگا۔ مگر وہ رات اس کی بند آنکھوں میں جیسے ٹھہر گئی تھی۔ اُس رات کے بعد، ہر دن، ہر پل اُس کی سماعت و بصارت کو آزماتا چلا گیا۔ اُس کا وجود یہاں سب کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

ناقابلِ برداشت چیز ہو یا انسان، لاکھ جتن کر لو دل کو نہیں بھاتا۔

ماں کے علاوہ وہ کسی کو گوارا نہیں تھا۔ کسی کے دل میں اُس کے لیے اپنائیت تھی نہ کسی کی آنکھوں میں اُس کے لیے ستائش۔ اُس کے ساتھ وہ ہونے لگا جو کسی بھی ناقابلِ برداشت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دن، ہفتے، مہینے اور سال گزرنے لگے۔

وہ رویے سمجھنے لگا، ذومعنی باتوں کے مطلب جاننے لگا۔ مذاق اور طنز و تضحیک میں فرق کا بخوبی اندازہ لگانے لگا۔

اُس کا بچپن سفاکیت و بے حسی کی نظر ہوا۔ نتیجتاً دل کی باتیں دل میں ہی مدفن ہو گئیں، وہ کبھی کھل کر مسکرا ہی نہ سکا۔

گھر میں بڑوں کے رویوں کو دیکھ کر کزنز نے کبھی اُسے اپنے ساتھ کھیلنے کی اجازت ہی نہیں دی تھی۔ وہ ماں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، ماں کے آگے پیچھے گھومتا پھرتا۔ ماں کو دیکھتا تو خالی آنکھوں کے ساتھ جامد تاثرات اُس کا منہ چڑانے لگتے، وہ اکتانے لگتا۔ اٹھ کر کسی خاموش ویران کونے میں چلا جاتا۔ ماں ڈھونڈتی ڈھونڈتی وہاں پہنچتی تو حارث کو دیکھ کر شدتِ غم سے آنکھیں جلنے لگتیں۔ وہ دونوں ایک ساتھ رہ کر بھی اکیلے اکیلے تھے۔

''یہ اپنے باپ جیسا ہی ہوگا۔''

یہ ایک جملہ تھا جو اس کی سماعتوں کو بھی حفظ ہو گیا تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ اُسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ جس نے گھر کے ہر فرد کے سامنے اُس کی خود اعتمادی کو چھین لیا تھا۔ اُس کے اندر ایک ایسا خلاء بنتا

گیا جو سب کی نظروں سے تو اوجھل تھا مگر اُس کی شخصیت میں کمیوں کی وجہ ثابت ہو رہا تھا۔
ثوبیہ خالہ کا سسرال دور تھا، وہ بہت کم آنا جانا کرتیں۔ وہ واحد تھیں جن کے دل میں بہن کے لیے ہمدردی اور بھانجے کے لیے فکر اور پیار تھا۔ وہ اسے نفرت بھری نظروں سے نہیں دیکھتی تھیں نہ ہی اپنی باتوں سے گرم پگھلتا سیسہ اس کے کان میں انڈیلتیں۔
باقی سب کو لے کر ایسا نہیں تھا۔ وہ کچھ کرتا نہ کرتا، کسی کے بھی کہنے پر اُسے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا۔
"گندا خون اپنی تاثیر تو دکھائے گا۔"
"ندرت میں بتا رہا ہوں۔ تم اپنے آستین میں سانپ پال رہی ہو، یہ اپنے باپ جیسا ہی ہوگا۔"
"اس پر محنت بیکار ہے۔ کیا کر لے گا پڑھ کر...... یہ اپنے باپ جیسا ہی ہوگا۔"
"کیوں اس کے لیے سلائیاں کر کے خود کو ہلکان کرتی ہو۔"
"اس کے باپ نے تمہاری قدر نہیں کی...... یہ بھی نہیں کرے گا۔"
"ہر وقت باپ کی طرح منہ بنائے رکھتا ہے۔"
"اپنی جوانی برباد مت کرو۔ دوسری شادی کر لو۔"
"اس کے لیے رشتے سے انکار کر رہی ہو۔ پچھتاؤ گی۔"
"اسی لیے اس کے باپ نے تمہاری قدر نہیں کی۔ تمہیں خود خوار ہونے کا شوق ہے۔"
"کل کو یہ اپنے باپ جیسا نکلا تو رو دھو کر ماتم مت کرنا۔"
زہر خند لہجے...... تنفر بھری آواز...... سفاکیت و کٹھور پن کی انتہا...... ماموں اور ممانیوں کے ساتھ ساتھ گھر کے بچے بھی اُسے کچھ نہ کچھ کہتے رہتے۔
"ہمیں تمہارے ساتھ نہیں کھیلنا۔"
"تم برے ہو اسی لیے تمہارے ابو نے تمہیں گھر سے نکال دیا تھا۔"
"تم ہمیں بالکل اچھے نہیں لگتے۔"
"ہمارے کھلونوں کو ہاتھ مت لگانا۔"
"میرا سائیکل مت چلانا۔"
"جاؤ اپنے گھر جاؤ...... یہ ہمارا گھر ہے۔"
کچھ سال گزرے تو کزنز کی طرح اُن کی باتیں بھی بچپن پھلانگ چکی تھیں۔ وہ پختہ ذہنوں کے ساتھ پختہ طنز کرتے۔ اسے وہ احساس دلاتے جو اسے ازبر تھا۔
"اپنی اوقات میں رہنا۔"
"گھٹیا انسان۔"
"یاد ہے نا تمہارے باپ نے دھکے دے کر تمہیں گھر سے نکالا تھا۔"
ایسی بے شمار باتیں تھیں۔
پہلے وہ روتا تھا پھر اس نے رونا چھوڑ دیا۔ ماں سے بھی شکایت نہیں کی مگر وہ سب جانتی تھیں۔ ماں تھیں نا۔ پھر ماں نے اُس کی دوستی کتابوں سے کروائی۔ کتابیں اس کی تضحیک نہیں کرتی تھیں۔ اس کی بے بسی پر دھمال نہیں ڈالتی تھیں۔ اس کا ضبط نہیں آزماتی تھیں۔ مگر وہ اُس نہج پر دوست بنی تھیں جہاں اُس کی محرومیوں کا ازالہ ممکن نہیں تھا۔
جہاں اُسے اپنی محرومیوں کے ازالے کی چاہ بھی نہ رہی تھی۔
وہ بس مزید الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ احساسِ کمتری میں گھٹ گھٹ کر جینا نہیں چاہتا تھا۔ اور یہی چاہ "کتاب سے دوستی" کی خاص وجہ بنی۔ کتاب دوستی نے بھی اسے کبھی مایوس نہیں کیا بلکہ اسے وہ مقام مہیا کیا تھا جہاں وہ پہلی بار اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تھا۔
ماں کی دعاؤں، کئی سالوں کی محنت اور بچت کے بعد اپنے گھر میں ندرت بیگم کو خوش دیکھ کر دل سے مسکرایا تھا۔ اپنے گھر میں پہلی رات وہ مطمئن دل کے ساتھ، پُرسکون نیند سویا تھا۔ گھر چھوٹا ضرور تھا مگر ماحول اُس کے لیے آسودہ تھا۔
☆☆☆
ثوبیہ خالہ کے گھر آئمہ کی شادی میں حارث نے پہلی بار دل کے اصرار پر ارفع زمان کو خاص نظروں سے

دیکھا، وہ پل خوب صورت تھا۔ یادگار تھا۔ دل پر دستک ہوئی تھی۔ اور یہ جسارت "محبت" نے کی تھی۔

محبت کی اس جسارت پر وہ حیران ہوا تھا نہ خفا۔ محبت کا لطیف جذبہ اُس کی خزاں آلود زندگی میں ہوا کا تر و تازہ جھونکا بن کر آیا اور لمحوں میں اس کے دل کی بنجر زمین کو بہاروں کے حوالے کر گیا۔ وہ سرشار رہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔"

کچھ دن گزرے تو ندرت بیگم نے بہن سے بات کی۔ ارفع سے متعلق حارث کی پسند اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"حارث میرے اپنے بچوں جیسا ہے، میں زمان بھائی اور ربیعہ سے بات کروں گی۔ مجھے امید ہے بات بن جائے گی۔"

کچھ دنوں بعد امی نے حارث سے اس کی شادی کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اُس سے رائے لی تو اُس نے پہلی دفعہ ہی بنا جھجکتے ہوئے اپنی پسند انہیں بتائی۔

"امی، مجھے ارفع پسند ہے۔"

"ارفع...... ثوبیہ کے دیور کی بیٹی؟" امی نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"جی۔ وہی ارفع۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں ثوبیہ سے بات کروں گی۔" انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا۔

"آپ کو ارفع کیسی لگتی ہے؟"

"بہت پیاری بچی ہے اور سب سے بڑھ کر اگر وہ تمہیں پسند ہے تو پھر مجھے بھی پسند ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"میرے اندر ایک ڈر پنپ رہا ہے امی۔" وہ کئی باتوں کو لے کر خدشات کا شکار بھی تھا، ان کو مسکراتا دیکھ کر سنجیدہ ہوا۔

"کیسا ڈر حارث؟"

"اس معاملے میں قسمت میرا ساتھ دے گی یا میرے دل کے حصے میں بھی محرومیاں آئیں گی۔" کس قدر دکھ اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔

ندرت بیگم کو اپنا دل کسی مضبوط شکنجے میں جکڑتا محسوس ہوا۔ کئی لمحوں تک وہ کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"خیر...... دل کو سوالیہ نشان دکھا کر کیا ڈرانا۔ دماغ تو پاگل ہے، الٹا سیدھا سوچتا رہتا ہے۔" حارث ہی خود ہی بات آگے بڑھائی۔

"میں جلد ہی ثوبیہ سے بات کروں گی۔" وہ بولیں۔

ثوبیہ خالہ کا امید بھرا جواب اُن دونوں کے لیے تسلی بخش تھا۔ وہ امید بھر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس بار قسمت مہربان ہوئی۔ انتظار طویل ثابت نہ ہوا۔ ثوبیہ خالہ کے سسرال والوں نے انہیں آنے کو کہا، اگلے دن وہ وہاں رشتہ لے کر گئے، انہیں اپنے گھر مدعو کیا، مزید کئی ملاقاتوں کا انعقاد ہوا۔ یوں بات آگے بڑھی، رشتہ طے ہوا، منگنی کی رسم ادا کی گئی ساتھ ہی شادی کی تاریخ بھی طے کی گئی۔

"تمہارے کہنے اور یقین دلانے پر وہ لوگ رشتے پر رضامند ہوئے ہیں۔ اگر حارث اپنے باپ جیسا نکلا تو دیکھ لینا وہ تمہیں بھی ذمے دار ٹھہرائیں گے۔"

شادی میں کچھ دن باقی تھے۔ ثوبیہ خالہ بھائیوں کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ حارث ماں کے کہنے پر حشمت ماموں کے گھر ثوبیہ خالہ کو لینے گیا تو وہاں جاری گفتگو نے اسے کرب میں دھکیلا۔

وہی بات، وہی جملہ، مختلف انداز میں۔

"حارث کی پرورش ندرت نے کی ہے۔ وہ صرف اپنے باپ کا نہیں بلکہ ہماری بہن کا بھی بیٹا ہے۔" ثوبیہ خالہ نے ان کی سوچ کی مذمت کرنی چاہی، جو بھائیوں کو ناگوار گزرا۔

"رہنے دو ثوبیہ...... ایک تو فضول حمایت کر رہی ہو اور دوسرا کسی بچی کا مستقبل داؤ پر لگانے جا رہی ہو۔ کچھ بھانجے کو بھی سمجھانا کہ شادی کرنے اور نبھانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

جواباً خالہ کچھ نہ بولیں۔

باہر کھڑے حارث کو وہاں اپنے ہونے پر

شدید ملال ہوا مگر خالہ کو لیے بغیر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ چند لمحے وہیں خاموش کھڑا رہا اور جب اندر گفتگو کو موضوع بدلا تو اندر داخل ہوا۔ مصروفیت کا بہانہ بنا کر بیٹھنے سے معذرت کی اور خالہ کو لیے گھر آ گیا۔

خالہ نے بھائیوں کے گھر ہوئی باتوں کو اپنی ذات تک رکھا۔ البتہ رات کھانے کے وقت انہوں نے بہت پیار سے حارث سے باتیں کی تھیں۔

"ارقع بہت پیاری بچی ہے۔ خوش مزاج ہے۔ سب کی عزت کرتی ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ وہ اس گھر میں بیٹی بن کر آئے گی اور مجھے یقین ہے کہ حارث بیٹا اُس کا خیال رکھے گا۔ اسے اس گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

جواباً اس نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا کہ ان باتوں کی اصل وجہ جانتا تھا۔

"ایسا ہی ہوگا ان شاء اللہ۔" ندرت بیگم پُر وثوق لہجے میں بولیں۔

"ان شاء اللہ۔"

☆☆☆

گھر میں شادی کا ماحول تھا۔ تمام قریبی رشتے دار مہندی کی تقریب سے پہلے ہی آ گئے تھے۔ ندرت بیگم کے چہرے پر آسودگی بھری مسکراہٹ مستقل ڈیرا جمائے ہوئے تھی۔ اکلوتے بیٹے کی قسمت پر شکر گزار تھیں کہ پڑھائی کے بعد فوراً بعد معقول نوکری مل گئی۔ اس کی پہلی تنخواہ کی خوشی سے لے کر اپنے ذاتی مکان تک کے سفر میں انہوں نے ہزاروں شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے۔ اور اب جب بیٹے کی شادی کا خواب بھی پورا ہونے جا رہا تھا تو وہ کیونکر اللہ پاک کے حضور شکر گزار نہ ہوتیں۔ ان کا دل طمانیت سے لبریز تھا۔ ذہن عمر بھر کی الجھنوں سے گویا چھٹکارا حاصل کر چکا تھا۔

"بیٹا کہاں جا رہے ہو؟"

وہ بیٹے کے کمرے میں مہرین اور حمنہ کو دلہن کے کپڑوں اور چند دیگر چیزوں کو سنبھالنے کا کہہ کر باہر آئیں تو توقف بعد ہی حارث سے سامنا ہوا۔

"اپنے کمرے میں۔ گھڑی پہننا بھول گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے لیکن پھر ذرا حشمت بھائی کے پاس بھی چکر لگاؤ۔ سارا بندوبست تو تم نے کیا ہوا ہے مگر ان سے بھی صلاح وغیرہ کرو۔ کچھ ہی دیر میں مہمان بھی آنا شروع ہو جائیں گے۔" بھائی کی طبیعت سے واقف تھیں۔ اس لیے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے امی۔" وہ اپنی جلد بازی میں تھا، سرسری سا بولا۔

لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے تک آیا مگر کمرے کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ حمنہ جو اتفاقاً اسے آتا دیکھ رہی تھی فوراً با آواز بلند بولنے لگی، حارث جو ان دونوں کی کمرے میں موجودگی سے انجان تھا، اس کے لیے اندر سے آتی آوازیں سماعتوں سے ٹکرا کر گویا اس کے پیروں کے لیے بیڑیاں ثابت ہوئی تھیں۔

"کبھی کسی کی بربادی پر اتنی تیاری دیکھی ہے تم نے؟"

یہ حمنہ شجاعت کی آواز تھی۔ تمسخر سے بھری ہوئی۔

"آہستہ بولو۔ پھپھو ابھی یہیں تھیں، سن لیں گی۔" جواباً اسے مہرین حشمت کی طرف سے خبردار کیا گیا مگر محظوظ لہجے میں۔

حمنہ اس کی سہیلی تھی، کزن تھی۔ خاص اس شادی کے لیے دوسرے شہر سے سفر کر کے آئی تھی، سفری تھکاوٹ اتارنے کے لیے حمنہ سے بہتر سنگت کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی اور پھر ایسے میں موضوع "حارث کی ذات" سے جڑا ہوا ہو تو اس کی دلچسپی گھنٹوں برقرار رہتی ہے۔

"تم کب سے "ٹینشن لینے" کی پروا کرنے لگی؟"

"پروا نہیں کر رہی۔ بس ایسے ہی...... ویسے مجھے بھی یہ شادی کسی جوئے سے کم نہیں لگ رہی۔ تو یہ پھوپھو نے بھی آر پار دیکھنے کے لیے مزا لینے کی کوشش کی ہے۔" اب کے وہ اپنی رائے دیتے ہوئے بولی۔

اس کی رگوں میں حشمت سلطان کا خون تھا، وہ کیسے کوئی موقع خالی جانے دیتی، کیونکر اپنی کڑواہٹ سے لفظوں کو تر نہ کرتی۔ حارث کے چہرے پر ناگواریت چھانے لگی۔

لیکن یہ تو محض ابتداء تھی۔

"تم نے کبھی بے جوڑ شادی کے بارے میں سنا ہے؟" حمنہ بھی بھرپور موڈ میں تھی۔

ہاں کئی بار۔

"یہ شادی اُس کا عملی نمونہ ہوگی۔"

"مطلب؟"

"محض عمروں کا فرق، گوری، سانولی، کالی رنگت، امیری غریبی، اسٹیٹس یا چھوٹا بڑا قد ہی بے جوڑ شادی نہیں کہلواتا بلکہ مزاج کا فرق بھی بے جوڑ رشتوں پر مبین کرتا ہے۔"

"کہہ تو ٹھیک رہی ہو تم۔" مہرین نے اس کی تائید کی۔

"سو فیصد ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اب دیکھو کہاں ارفع کا مسکراتا چہرہ، خوش مزاج طبیعت، بولتی آنکھیں اور کہاں حارث کا ساکت وجامد چہرہ، خالی بنجر آنکھیں اور کھڑوس پن، نہ بات کرنا جانتا ہے نہ مسکرانا۔ یہ رشتہ اوپر آسمان پر ہی طے شدہ لگتا ہے ورنہ حارث اور ارفع کا کوئی میل نہیں۔" حمنہ نے تفصیلی وضاحت پیش کی۔

"ہاہاہا۔ کیا اندازہ لگایا ہے حمنہ۔" مہرین محظوظ ہوئی تو بلند قہقہہ کمرے کی فضا کے حوالے کیا، حمنہ نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

حارث شروع سے ان سب کی کمر دری، طنزیہ باتوں اور رویوں کو لے کر ان سب سے متنفر تھا۔ اس وقت بھی دماغ کھولنے لگا، مگر وہ ضبط کر گیا۔ اپنے گھر، اپنی شادی پر انہیں جواب دے کر بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ اس سے پہلے بھی کسی کو جواب دیا تھا نہ آج دینا چاہتا تھا۔ دل و دماغ البتہ طوفان کی زد میں آ چکے تھے۔ کچھ دیر پہلے تک کی خوشی و طمانیت اُسی طوفان کی نذر ہو چکی تھی۔ وہ غلط وقت پر بہت غلط سوچنے لگا۔

"کیا میں اتنا ناپسندیدہ ہوں۔ کسی کو میری پروا نہیں۔ میری خوشی اور زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیا میں واقعی اپنے باپ جیسا ہوں۔ ہاں شاید۔ میں ظہیر احمد کا بیٹا ہوں...... ظہیر احمد جیسا ہوں...... میں اپنے باپ جیسا ہوں۔ خود غرض اور بے حس...... محبت کے نام پر ارفع کو پابند کرنے جا رہا ہوں...... کیا وہ مجھ سے خوش ہوگی یا باقی سب کی طرح اس کے لیے بھی میرا وجود نا قابل برداشت ہوگا...... وہ بھی مجھ سے بدظن ہوگی...... اگر واقعی ہوئی تو...... تو کیا میں اپنے باپ کی طرح اپنی شادی برباد کر دوں گا، ارفع کی زندگی برباد کر دوں گا...... کر سکتا ہوں ایسا...... میں اپنے باپ جیسا ہی تو ہوں۔"

بچپن سے لے کر اب تک کی تمام محرومیاں اس کا منہ چڑانے لگیں۔ وہ ان میں الجھنے لگا۔ مہندی کی رسم میں غائب دماغی سے بیٹھا رہا۔ باقی وقت اور رات کیسے گزری، اُس نے کچھ یاد نہ رکھا۔

اگلے دن تمام تقریبات انجام پذیر ہوئیں۔ تو بیہ خالہ اور آئمہ کے علاوہ باقی رشتے دار اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ اور اس وقت جب ارفع دلہن کے روپ میں اس کے سامنے موجود تھی، وہ عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ چند جملوں کی بازگشت اسے مسلسل الجھانے میں محو تھی۔

"اپنے باپ جیسا ہوگا۔"

"بے جوڑ شادی۔"

"مزاج کا فرق۔"

"کیا میرا اور ارفع کو کوئی میل نہیں؟" وہ اپنی ہی ذہنی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

کمرے کے خاص ماحول میں چھائی خاموشی کو ایک مقام پر وہ محسوس کرتا سیدھا ہوا۔ سامنے بیٹھے وجود کی موجودگی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی۔

"میری پسند...... میری محبت ہے......"

حارث نے خود کو باور کروایا۔

ایک لمبا سانس لیا، دل و دماغ کو راحت ملی۔

سنبھلنے کی سعی کامیاب ہوئی۔
"کیسی ہو ارفع؟" اپنائیت سے اسے پکارا۔
"ٹھیک ہوں!" اس نے مختصر جواب دیا۔
"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" وہ قابل ستائش لگ رہی تھی، بلا جھجک اعتراف کیا۔
ارفع کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی۔
"یہ تمہارے لیے......" حارث نے بہت چاہت سے خریدا گیا بریسلٹ اس کی جانب بڑھایا۔ ارفع نے بازو آگے کیا۔ وہ مسکرایا، توقف بعد بریسلٹ اسے پہنانے لگا۔
ابتدائی چند جملوں نے ہی اسے ذہنی کشمکش سے کھینچ کر باہر نکال لیا تھا۔

☆☆☆

کل رات وہ سنبھلنے میں کامیاب تو ہوا تھا مگر اگلے دن ولیمے کی تقریب کے دوران ہی اسے وحشت نے گھیر لیا۔
وجہ وہی قریبی رشتے دار تھے جنہوں نے نہ کبھی اسے قریب کیا تھا اور نہ اس سے جڑے اپنے رشتے کو اپنا مانا تھا۔ سب کی ارفع پر تفتیشی و کھوجتی آنکھیں اسے اپنے اندر گڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ تقریب کے بعد گھر آ کر ہلکے پھلکے، ہنسی مذاق کے نام پر طنزیہ گفتگو اسے ناگواریت کی دلدل میں دھکیل چکی تھی۔ وہ دن جیسے تیسے کر کے گزر گیا۔ چند مزید دن بھی اسی دن کے زیر اثر رہے۔
ہدرت بیگم کے لیے اس کی خاموشی نئی نہیں تھی مگر ارفع کے لیے یہ سب عجیب تھا۔ اتنی خاموش نہ کبھی وہ خود رہی تھی نہ اپنے حلقہ احباب میں کسی کو اتنا چپ دیکھا تھا۔
"آپ خاموش کیوں رہتے ہیں۔"
رات کا کھانا کھانے کے بعد جب وہ کمرے میں آئے تو ارفع نے بالآخر پوچھنے کی جسارت کی کیونکہ شادی کے بعد سے اب تک حارث کی خاموشی محض ضرورت کی حد تک کی بات چیت نے کہیں نہ کہیں دونوں کے بیچ ایک ان دیکھی دیوار تعمیر کرنی شروع کر دی تھی۔
"ایسے ہی۔"
اوّل تو سوال پر وہ حیران ہوا پھر سرسری جواب دیا۔
"کوئی وجہ تو ہو گی، ایسے ہی تو کوئی بھی ایسے نہیں کرتا۔" وہ حقیقتاً جاننا چاہتی تھی۔ دل ہی دل میں خائف بھی تھی کہ کہیں حارث کو اس کی کوئی بات بری نہ لگی ہو جو وہ یوں خاموش رہتا ہے۔
"ایسے مطلب؟"
"آپ شروع سے کم بولتے ہیں؟"
"کیوں پوچھ رہی ہو؟"
"میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" جواب کیا دیتی، سیدھی وجہ بتائی۔
"کر تو رہی ہو۔"
"یہ بہت کم ہیں۔"
اور میرے لیے بہت زیادہ۔ مجھ سے آج تک کسی نے باتیں نہیں کیں۔ بس باتیں سنائیں ہیں۔" آخری دو جملے وہ محض خود سے ہی کہہ سکا تھا کہ یہی سچ تو اسے اندر سے کھا رہا تھا۔
"مجھے زیادہ باتیں کرنی اچھی لگتی ہیں۔" وہ بتانے لگی۔
"امی سے، آئمہ سے، کسی بھی دوست سے، اپنے امی ابو سے کر لیا کرو۔ کسی نے منع تو نہیں کیا۔"
"مجھے آپ سے باتیں کرنی ہیں۔" ارفع نے اپنی خواہش کو زبان دی۔
"کیوں؟"
"میں آپ کو جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کو کیا پسند ہے کیا نہیں، آپ کی عادات، آپ کے شوق کیا ہیں۔"
"مجھ سے کبھی کسی نے ایسا کچھ نہیں پوچھا۔"
حارث تنگ نہیں ہو رہا تھا مگر وہ اپنے بارے میں بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنے متعلق کسی کو بھی، کچھ بھی بتانے میں اسے بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی۔ "تم بھی مت پوچھو۔" مزید کہتے ہوئے اسے روکا۔

"کیوں؟" اس کے ہونٹوں میں ہی دبا رہ گیا۔

حارث سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے مزید بولا۔

"کچھ بتانے لائق ہوا تو میں خود بتا دوں گا۔ آئندہ مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس بار نارمل رہنا چاہتے ہوئے بھی لہجے میں اکتاہٹ نمایاں تھی۔

ارفع نے تلخی سے بچنے کے لیے چپ رہنے پر اکتفا کیا۔ حارث نے لیٹتے ہوئے آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بھی اپنی سائیڈ پر خاموشی سے لیٹ گئی۔

☆☆☆

شادی کی دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ پہلے سسرال، پھر ثوبیہ خالہ، شجاعت ماموں اور اب حشمت ماموں کے گھر جانا ہوا۔ وہاں سب موجود تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد بڑوں نے الگ اور کزنز نے الگ محفل جمائی ہوئی تھی۔

"ارفع۔ ایک بات پوچھوں؟"

گفتگو کے دوران زرقا آپی نے با آواز بلند اُسے مخاطب کرتے ہوئے اجازت طلب کی۔

"جی۔"

جہاں اُس نے اجازت دی وہیں حارث نے عجیب نظروں سے دیکھا، دل کو دھڑکا بھی لگا جیسے وہ آگے ہونے والی گفتگو جانتا ہو گا۔

"لیکن وعدہ کرو۔ جواب سچ پر مبنی ہو گا۔" حلف لینے کے سے انداز میں ڈیمانڈ کی گئی۔

وہ زرقا آپی کے انداز پر مسکرائی۔ اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہیں "ہمارا" حارث کیسا لگا؟" پوچھتے ہوئے لفظ "ہمارا" پر خاصا زور دیا گیا۔

جہاں باقی سب کی دلچسپی عروج پر تھی وہیں حارث نے ناگواری سے زرقا سمیت کو سب کو دیکھا۔ نگاہ آئمہ کی نگاہ سے بھی ٹکرائی جو شاید اسی کی طرح باقی سب کی "اصلیت" جانتی تھی۔ جانتی تھی کہ کسی مذاق کے نام پر ایک بار پھر طنز کے تیر چلائے جائیں گے۔

"اچھے۔" ارفع نے یک لفظی جواب دیا، یہی سچ بھی تھا۔

"کتنے اچھے؟" وجدان نے لہجہ شریر بنایا۔

"بہت اچھے۔" سنبھل کر جواب دیا۔

"اچھا آپ کو اِن کی کون سی عادت پسند ہے؟" وردہ کی جانب سے بھی سوال آیا۔

ارفع نے اس بار بتانے سے قبل وقت لیا۔

جس پر سب کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔

ارفع نے پہلے آئمہ اور پھر حارث کو دیکھا۔

"لگتا ہے تمہیں حارث کی کوئی عادت پسند نہیں۔" مہرین مزے نہ لیتی، ایسا ممکن نہ تھا۔

"یا کہیں ایسا تو نہیں کہ سب عادات پسند ہیں بس ایک آدھ چننے میں وقت ہو رہی ہے۔" حمنہ نے بھی خوب لطف اٹھایا۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔" ارفع نے بات سمیٹی، پُر اعتمادی سے جواب دیا۔

سب کے قہقہے مدہم ہوئے مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کے ہاتھ سے تمام لوازمات کے ساتھ سجائے گئے میدان کو کیسے طوفان کی نذر کرنے کی سعی کی گئی تھی۔

آئمہ، حارث کو کسی کام کے بہانے وہاں سے لے گئی۔ وہ وہاں سے چلا تو گیا تھا مگر جو آگ اُس کے اندر بھڑکانے کی کوشش کی گئی تھی وہ آگ لگ چکی تھی اور اُس آگ کے شعلے حارث کے دماغ تک پہنچ چکے تھے۔ رات کو گھر آتے آتے دیر بھی ہوئی مگر وہ اُس آگ کو بجھا ہی نہ سکا تھا۔

"کیا ..... جانتی کیا ہو تم میرے بارے میں؟" نجانے اُس کے اندر کا غبار، غصے کا روپ دھارے پہلی بار کسی پر نازل ہوا تھا۔

"پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔ میری عادات کا کتنا پتا ہے تمہیں۔ بتاؤ مجھے۔ ان کے ناٹک میں شامل ہو

کر میرا مذاق اڑانا چاہتی ہو؟"

"ایسا بالکل نہیں ہے۔" ارفع یک دم خوف زدہ ہوئی۔

"ایسا ہی ہے۔" وہ چلایا۔

ارفع نے نفی میں سر ہلایا۔

"خبردار...... خبردار ارفع...... میرا ضبط مت آزمانا...... نہیں پسند مجھے میرے متعلق گفتگو...... میں جیسا ہوں، چپ چاپ مجھے برداشت کرو...... مجھے سوال جواب پسند نہیں، مجھے جاننے کی کوشش ہی نہ کرو۔ سمجھیں تم۔"

حارث کا انداز خطرناک تھا۔

ارفع سہم چکی تھی، ڈرتے ڈرتے سر کو ہلایا۔

حارث کمرے سے باہر چلا گیا۔

لیکن جب کمرے میں واپس آیا تو بالکل غیر محسوس طریقے سے اُن دونوں کے بیچ حائل ہوتی دیوار تکمیل کے مراحل سے گزر کر مکمل ہو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ بدترین انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔

اُس کا دل محبت کے پودے کی آبیاری کرنا ہی بھول گیا۔ تمام جذبات و احساسات دل میں ہی مدفن ہو گئے۔ سابقہ محرومیاں مکمل طور پر اس کی ذات پر غالب آ گئیں۔

ارفع کے ساتھ جہاں بھی گیا، اُس کی سماعتوں نے ارفع کے لیے ستائشی الفاظ ہی سنے، چاہے وہ اُس کا ننھیال ہوتا یا سسرال۔ سب ارفع کی عادات واطوار کے گن گاتے۔ وہ مزید احساس کمتری کا شکار ہوتا، دن بدن الجھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

ارفع کو الگ اُس کی الجھن نے الجھا دیا تھا۔

اُس دن کے بعد حارث کو براہ راست وہ کبھی مخاطب نہ کر سکی۔ حارث نے کبھی بنا ضرورت بات نہ کی۔ نہ اچھی نہ بری۔ مگر وہ ارفع کو امی کے ساتھ باتیں کرتا دیکھتا، ہنستے دیکھتا، گھر کے دیگر کاموں میں دلچسپی لیتے دیکھتا، کچن میں ان کی صلاح لیتے دیکھتا، ارفع اس کے کام بھی چپ چاپ کرتی، آفس جانے سے پہلے حارث کی ضرورت کی ہر چیز تیار رکھتی، آفس سے آتے ہی وہ کپڑے تبدیل کر کے ہال میں آتا تو چائے کی پیالی میز پر رکھی ہوئی ملتی مگر اس سب کے باوجود فاصلہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"آپ فری ہیں؟"

حارث ٹی وی دیکھ رہا تھا جب مدرت بیگم سے بات کرنے کے بعد وہ ان کے کہنے پر اس کے پاس آئی۔

"کوئی کام ہے؟" بنا اسے دیکھتے جواباً سوال کیا۔

"جی۔"

"کیا؟"

"امی کی طرف جانا ہے۔"

"کیوں؟"

"بھائی نے امی اور ابو کو ویزا اپلائی کیا تھا۔ ان کا ویزا آ گیا ہے۔ اگلے ہفتے وہ آسٹریلیا جائیں گے۔ ان کے ساتھ تھوڑا وقت گزارنا چاہتی ہوں۔" اس نے تفصیلی وجہ بتائی۔

"کتنے عرصے کے لیے جا رہے ہیں؟"

"ایک سال کے لیے۔"

"ٹھیک ہے تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں لے جاتا ہوں، ان سے مل بھی لوں گا۔"

مثبت جواب پر ارفع دھیرے سے مسکرائی۔

"بھائی بھابھی اور ان کے بچوں کے لیے کوئی گفٹ بھی لے لینا۔" وہ جانے لگی تو حارث مزید بولا۔

ارفع کو اس غیر متوقع بات پر پُرمسرت حیرت ہوئی۔

"جی ٹھیک ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ دونوں پہلے ایک مال میں گئے، ارفع نے امی ابو کے علاوہ بھائی اور ان کی فیملی کے لیے کچھ گفٹس خریدے۔ پھر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ چائے وغیرہ پینے کے بعد حارث نے

اجازت لینی چاہی مگر زمان صاحب کے اصرار پر اسے رات کے کھانے کے لیے بھی رُکنا پڑا۔ اُن کی آمد کا سن کر پڑوس سے ثوبیہ خالہ بھی آ گئی تھیں۔ کھانے سے قبل اور بعد میں بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ طنز و تضحیک سے عاری محفل نے کئی ہفتوں بعد کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی مگر پُرسکون ضرور کیا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ جس دن انہوں نے جانا تھا وہ امی کے ساتھ دن کو ہی آ گیا تھا۔ ارفع کے ساتھ انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے بھی گیا۔ ارفع کا دل قدرے مطمئن ہوا تھا۔ اُس دن حارث نے معمول و ضرورت سے ہٹ کر بھی اس سے چند باتیں کی تھیں۔
مگر وہ محض ایک دن کا قصہ ثابت ہوا۔
اگلے دن اسے کسی کام کے سلسلے میں امی نے ماموں کے گھر بھیجا نتیجتاً واپسی پر وہی انداز، وہی نظر اندازی، وہی خاموشی...... حارث کے ہمراہ تھی...... جو ارفع کی سمجھ سے بالاتر تھی مگر حکم کے مطابق وہ چپ رہی۔ ذہن میں گردش کرتے سوالوں کو ذہن پر سوار ہی نہ ہونے دیا۔
☆☆☆
کچھ دن گزرے، زندگی اپنی ڈگر پر چلنے لگی۔
حمنہ کا رشتہ طے ہوا، گھر میں ہی منگنی کی تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا۔ تمام خاندان کے افراد مدعو تھے۔ منگنی کی رسم بخوبی انجام پذیر ہوئی تو ہر بار کی طرح بڑوں اور نوجوانوں نے الگ الگ محفل سجائی۔ سب کزنز ایک طرف بیٹھے باتوں میں مصروف تھے جب زرقا آپی نے باآوازِ بلند انہیں مخاطب کیا۔
''حمنہ کی خوشی کے ان یادگار لمحوں کو کیمرے میں قید کرنا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟''
''بالکل۔ زبردست آئیڈیا ہے۔'' وجدان اور وردہ نے فوراً حامی بھری۔
باقیوں کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔
''چلو میرا کیمرا لے آؤ۔ ابھی ہی میں اوپر کمرے میں رکھ کر آئی ہوں۔'' زرقا آپی نے سلمان کو کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے کیمرا لینے چلا گیا۔
''لیکن ایک شرط ہے۔'' جب ہی مہرین نے سب کو خبردار کیا۔
''کیسی شرط؟'' آئمہ نے پوچھا۔
''فیملی فوٹو گراف خوش گوار ہونی چاہیے۔ سب کا مسکرانا لازم ہے۔'' اپنے طور اُس نے لہجے میں بھرپور شرارت لائی مگر حارث کو خود پر جمی اس کی آنکھیں بہت کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھیں۔
''ایسا ہی ہوگا۔'' وجدان نے یقین دہانی کروائی۔
''کوئی حارث سے بھی پوچھ لے۔ ایسا ہوگا کہ نہیں۔'' اپنے پسندیدہ موضوع پر حمنہ نے بھی شرم اتار کر گفتگو میں حصہ لیا۔
''کیا مطلب؟'' جب ہی غلط وقت پر ارفع کی زبان پھسلی۔
حارث کی بیزاریت پہلے سے عروج پر تھی لیکن ارفع کے مختصر سوال نے گویا اُس کے اندر ارتعاش برپا کر دیا۔
''مطلب کو چھوڑو۔ پہلے بتاؤ۔ شادی کے بعد اب تک کتنی بار تم نے حارث کو مسکراتے دیکھا ہے؟'' زرقا آپی نے بظاہر ہنستے ہوئے پوچھا۔
''اور یاد رہے، یہاں تم دونوں کی شادی کی تصویروں کی بات نہیں ہو رہی۔'' مہرین نے وجدان کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے ساتھ ہی تصحیح کی کہ اسے جواب دینے میں آسانی ہو۔
ارفع کو اُن کی باتیں عجیب تر لگیں تو بے بسی سے آئمہ کو دیکھنے لگی۔
''ارفع بے چاری سے جب بھی حارث کے متعلق کچھ پوچھو۔ اسے گہری چپ لگ جاتی ہے۔'' حمنہ نے کھلکھلا کر ایک بار پھر حارث پر چوٹ کی۔
''بکواس بند کرواپنی!''
حارث کا ضبط آج تمام ہوا۔ غصے سے آگ بگولا ہوا۔
سب نے پہلے اسے پھر حیرت سے ایک

دوسرے کو دیکھا۔ ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ اُن کی باتوں کے جواب میں حارث کا یہ ردِعمل سامنے آیا۔

"اور تم......" اگلے ہی پل وہ خوں خوار انداز میں ارفع کی طرف مڑا۔ ارفع نے سہم کر اُسے دیکھا۔

"ذرا شرم نہیں تم میں......ان کی بکواس سن رہی ہو۔" وہ باقاعدہ چلایا۔

"کیا ہوا حارث...... پاگل ہو گئے ہو کیا؟" مہرین نے بھی آواز اونچی کی۔

"ایک چھوٹا سا مذاق برداشت نہیں کر سکتے؟" زرقا آپی نے بھی سوال اسے متنفر نظروں سے گھورا۔

جب تک اُن کی آواز سن کر سب بڑے بھی وہاں آ گئے تھے۔

"یہ چھوٹا سا مذاق ہے۔" وہ طنزیہ ہوا۔ باری باری سب کو دیکھا۔ شدید نفرت سے......اپنے غصے کا کھل کر اظہار کرتے ہوئے۔

"یہ تم سب کی فطرت ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پر ذلیل کر کے مذاق کا نام دے دیتے ہو۔"

"آواز نیچے کرو۔" حشمت ماموں جنہیں وجدان تمام باتیں اپنے طور فوراً بتا چکا تھا، حارث پر بھڑکے۔

"یہ آواز اب نیچے نہیں ہو گی۔" وہ انہی کے انداز میں بولا۔

"اوقات میں رہو۔" شجاعت ماموں نے بھی درشت انداز میں اسے ٹوکا۔

"آپ کے کرم اور مہربانیوں کی بدولت ہمیشہ اوقات میں ہی رہا ہوں۔" ندرت بیگم کے روکنے کے باوجود وہ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا طنزیہ گویا ہوا۔

"ناشکرے، احسان فراموش، خود غرض انسان۔ آنکھیں دکھا رہا ہے مجھے۔" شجاعت ماموں کے غصے کو بھی بس ہوا کی ضرورت تھی۔ اس پر چلائے۔

"کہا تھا ہم نے، یہ اپنے باپ جیسا ہی ہو گا۔ یہ اپنے باپ جیسا ہی ہے۔ اِسے ہم نے رہنے کے لیے چھت دی۔ ہمارا دیا کھا کر بڑا ہوا ہے اور آج ہمیں ہی آنکھیں دکھا رہا ہے۔" حشمت ماموں نے بھی کوئی لحاظ نہ برتا۔

"ہاں مانتا ہوں...... سَر چھپانے کے لیے چھت دی مگر پیار کبھی نہیں دیا تھا۔ کھانا ضرور فراہم کیا تھا مگر ساتھ اپنے اندر کا زہر بھی انڈیلتے رہے تھے۔ ہمیشہ اُسی زعم میں اپنے رویوں اور لہجوں سے میری روح تک کو چھلنی کرتے آئے ہیں۔ اپنی اولاد کو بھی ضرور یہی نصیحت کی ہو گی جس پر سالوں سے عمل کرتے۔ ایک ایک دن میرے لیے اذیت کا باعث بنے ہیں۔ اپنی ماں کی وجہ سے میں نے ہمیشہ سب کچھ چپ چاپ سہا ہے مگر اب مزید نہیں۔"

امی کے چپ کروانے کی ہر کوشش کو ناکام بناتا وہ اندر جمع غبار نکال رہا تھا۔

ارفع سمیت سب کزنز بالکل چپ ہو گئے تھے۔

"ہوں میں اپنے باپ جیسا...... کیا کر لیں گے آپ؟" آج ڈر و خوف کا سوال اُس کے لیے ناپید تھا۔

"افسوس ہی کریں گے۔ جیسے تمہارے باپ سے اپنی بہن کو بیاہ کر کیا تھا۔ تمہارے باپ نے تمہاری ماں کی زندگی برباد کی تھی۔ تم اپنی بیوی کی کرو گے۔ تمہیں اپنے باپ کی طرح کوئی فرق نہیں پڑے گا بس اس کی زندگی عذاب ہو جائے گی۔" ارفع سے ہمدردی کرتے وہ کاری ضرب لگا چکے تھے۔

"اِس کی زندگی عذاب کروں یا اِسے جان سے مار دوں...... میری مرضی...... آپ کو اِس معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

بات بڑھتی اور بگڑتی جا رہی تھی۔ حشمت ماموں نے اُسے گالیاں دینا شروع کیں۔ شجاعت ماموں نے گھر سے نکلنے تک کا کہہ دیا۔ ثوبیہ خالہ اور ندرت بیگم حارث کو بمشکل باہر لے کر آئیں۔ آئمہ اور ارفع بھی فوراً اُن کے پیچھے آ گئیں۔

وہ آج خوشی خوشی یہاں آئے تھے۔ مگر جاتے وقت غصہ وملال اُن کے ساتھ گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن ندرت بیگم نے معلناً بھائیوں کو فون کیا۔ بیٹے کی طرف سے معافی مانگی۔ جواباً انہوں نے بہن کو کھری کھری سنائیں، حارث سے آئندہ لاتعلقی کا اعلان کیا۔

حارث کو امی کے کال کرنے پر تو غصہ آیا ہی آیا مگر لاتعلقی کی بات پر وہ مزید بھپر گیا۔

"یہ لاتعلقی بہت پہلے اختیار کرتے تو آج میں اندر سے خالی نہ ہوتا۔"

وہ بیٹے اور بھائیوں کے اختلاف ولڑائی میں مکمل طور پہ بے بس تھیں۔ تو یہ خالہ انہیں نہ سنبھالتیں تو شاید وہ اِن بگڑتے حالات میں خود کو بھی سنبھال ہی نہ سکتیں۔

"تم تو بہت خوش مزاج ہونا۔ یوں چپ رہ کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ جاؤ سب کے ساتھ مل کر میری ذات پہ طنز وتحقیر کے تیر برساؤ۔ میری محرومیوں اور کمیوں پر اُن کے ساتھ مل کر مذاق اڑاؤ..... قہقہے لگاؤ۔"

حارث کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور اشتعال ارفع کے لیے آزمائش بنا۔ وہ آتے جاتے ارفع کو متنفر نظروں سے گھورتا۔ چپ کی چادر اتار کر اب اٹھتے بیٹھتے کچھ نہ کچھ غلط کہتا۔ وہ جواباً خاموش ہوتی تو اُس کا بازو اپنے مضبوط شکنجے کی گرفت میں لیتا۔ وہ درد وتکلیف کے باوجود بولنے سے گریز کرتی...... البتہ آنکھوں میں پانی بھر آتا، جسے وہ چاہ کر بھی روک نہ پاتی۔ نتیجتاً چند دن چیخنے چلانے کے بعد وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

اُس کی چپ بظاہر گھر کے ماحول کے لیے سازگار ثابت ہوئی مگر اس کے اندر برپا طوفان کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ جھکنے لگا تھا۔ تنگ آ گیا تھا۔ کئی دن بیت گئے۔

بیتے دنوں میں وہ اندر برپا انتشار کے باوجود ایک فیصلہ کرتا اور اُس پر عمل کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ وہی فیصلہ اسے شام ڈھلتے ہی ارفع کے مقابل لے آیا۔

"تم......"

پُرسوچ انداز اپناتا، اُس کی آنکھوں میں بغور دیکھنے لگا۔ اپنی آنکھوں میں تیرتی تھکاوٹ کو اُس پر مکمل عیاں ہونے دیا۔

"ہاں تم......"

وہ دو قدم پیچھے ہٹی، حارث دو قدم آگے بڑھا۔

"رکو......ڈرو مت!"

اس بار ارفع کا ہاتھ پکڑا مگر گرفت پہلے کی طرح مضبوط تھی نہ ارفع کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ نتیجتاً وہ بنا مزاحمت ایک جگہ کھڑی ہوئی۔

"تم ہی ہو۔ میرے مسئلے کا حل۔ ہمارے مسئلے کا حل......" حارث نے اپنی سوچ کا زبان دی۔ لہجہ پُریقین، آواز قدرے دھیمی رکھی۔ وہ حیران ہوئی مگر خاموش رہی۔

"تم سدھارو گی مجھے۔"

یہ استدعا تھی نہ سوال۔ ایک سوچ تھی۔ ایک حتمی فیصلہ تھا۔ جسے وہ بڑے تحمل کے ساتھ ارفع کے گوش گزار رہا تھا۔

ارفع کی حیرت وخاموشی اگلے ہی پل بے یقینی کا شکار ہوئی۔ سب ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ پہلے سے بدتر...... ہونے جا رہا تھا۔ حارث کا لب ولہجہ عارضی طور پر اس کے غصے اور جنونیت کے سامنے ڈھال بنا ہوا تھا۔

"چپ کیوں ہو؟" ارفع کی مکمل خاموشی پر استفسار کیا۔

جواباً وہ اب بھی کچھ نہ بولی۔ بولتی بھی کیسے۔ ہمیشہ چپ رہنے کا حکم سنتی آئی تھی۔

"بتاؤ۔ کرو گی نا مجھے ٹھیک؟" لیکن حارث کو آج اسے سننا تھا۔ پُروثوق لہجے میں پوچھنے لگا۔

ارفع نے تھوک نگلتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا کہ اسی میں عافیت تھی۔ حارث کے چہرے پر

مسکراہٹ بکھری۔
"مجھے یہی امید تھی تم سے......" اپنی خوشی کا اظہار کیا۔
ارفع کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھرتے ابھرتے دم توڑ گئی۔ ابھی کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔
حارث اس کا ہاتھ چھوڑ کر کچھ ہی فاصلے پر رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔ ارفع کا وجود ہنوز اس کی آنکھوں کے حصار میں تھا۔
"تو آؤ۔ مجھے سرے سے بدلو۔ میرا غصہ، میری عادات، میری سوچ...... سب کچھ۔ مجھے اپنے جیسا بناؤ۔ نارمل، خوش مزاج، زندہ دل...... آؤ...... آؤ مجھے اپنے جیسا بناؤ...... میں بدلنا چاہتا ہوں...... تم مدد کرو میری...... تم ہی میری مدد کر سکتی ہو...... تم ہی مجھے بدل سکتی ہو...... آؤ شاباش...... جلدی کرو...... مجھے اپنے جیسا بناؤ۔"
بے بسی، التجا یا حکم...... یا کچھ اور...... حارث کا ایک ایک لفظ اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے کی طرح برسا۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ کے عالم میں گری۔ قدم جامد اور زبان پہلے سے گنگ تھی۔
ایک اور آزمائش سر اٹھا چکی تھی۔ نیا امتحان شروع ہونے ہی والا تھا۔
"آؤ ارفع...... میں منتظر ہوں۔" جب ہی وہ دوبارہ گویا ہوا۔ ارفع نے آواز پر خود کو سنبھالا۔
"آؤ نا......" حارث کا تحمل اب جواب دینے لگا تھا۔ اسے وہیں کھڑا دیکھ کر بے چین ہوا۔
"حارث......" وہ بمشکل بولی۔
"سوال جواب نہیں ارفع۔ مجھے وقت ضائع نہیں کرنا۔ تم بس مجھے ٹھیک کرو۔" وہ دوٹوک بولا۔
ارفع کا دل و دماغ گھبرا چکے تھے۔ البتہ وہ اپنی گھبراہٹ کو اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھتی یا الفاظ کے تانے بانے بنتی حارث کی بے چینی عروج پکڑ چکی تھی۔
"تم آ کیوں نہیں رہی؟"
وہ نا چاہتے ہوئے بھی درشت لہجے میں کہتا کرسی سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھا، قریب پہنچ کر اس کا بازو اپنے مضبوط شکنجے میں دبوچا۔
"تم چاہتی ہی نہیں ہو کہ میں ٹھیک ہوں...... تم مجھے اسی حال میں رکھنا اور دیکھنا چاہتی ہوں...... تاکہ سب مجھ سے نفرت کریں۔ تم مظلوم بن کر سب کی ہمدردیاں سمیٹو۔ لوگ مجھ پر تھو تھو کریں۔ تمہیں صابر شاکر کہیں...... مجھے گالیاں دیں...... تمہیں عظیم کہیں...... میری ہر محفل میں برائیاں کریں...... تمہیں ہر جگہ مجھے جھیلنے پر شاباش دی جائے۔ میرے باپ سے میری مماثلت کر کے تذلیل کریں...... اور تم...... میری ماں کی طرح بھی بن جاؤ...... یہی تو چاہتی ہو نا تم......! یقیناً میری ماں نے بھی میرے باپ کے ساتھ ایسا ہی کیا ہوگا۔" حارث گلا پھاڑ کر اس پر چلایا، اپنے اندر کا غصہ اس پر نکالنے لگا۔ کچھ دیر پہلے اوڑھا گیا تحمل کا لبادہ جیسے گہری کھائی میں پھینک دیا گیا تھا۔ "تم نے کبھی کوشش نہیں کی کہ میں سدھروں۔"
ارفع کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔
حارث نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔
"ہر بار تم رو دھو کر چپ کر جاتی ہو، ان آنسوؤں سے خود کو کمزور ثابت نہیں کرتیں بلکہ مجھے اپنی، میری اور سب کی نظروں اس دنیا کا سب سے ظالم، جابر، گھٹیا اور نفسیاتی آدمی بناتی ہو۔ میں مانتا ہوں میں برا ہوں، خود غرض ہوں، انا پرست ہوں۔ اپنے باپ جیسا ہی ہوں۔ میرے سینے میں بھی میرے باپ کی طرح پتھر ہے۔ تو کیا اپنی زندگی ختم کر لوں؟"
اس کا غصہ بے بسی میں بدلنے لگا۔
ارفع نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔
حارث کی آخری بات نے اسے خوف زدہ کیا۔
"تم سے شادی کے بعد میں نے سوچا تھا کہ کبھی اپنے باپ کی طرح نہیں بنوں گا۔ تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ مر جاؤں گا مگر اپنے رشتے کو اس

نہج پر نہیں لاؤں گا جہاں تمہارے یا میرے ذہن میں طلاق کا خیال آئے۔ میں مانتا ہوں میرا غصہ میری عادات تمہارے لیے کرب کا باعث بنتی ہیں، میں خود کو روکنے کی کوشش بھی کرتا رہا مگر میں تو بقول سب کے اپنے باپ جیسا ہوں تو میری زندگی میں سب ٹھیک کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی میرے لیے ٹھیک کیسے سوچ سکتا ہے۔ میں کسی کے لیے ٹھیک کیسا سوچ سکتا ہوں۔ تم بھی مجھے ٹھیک نہیں کر سکتیں تو پھر ہمارے ساتھ رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ ہاں اگر کبھی دل نے کوئی سوال کیا تو قصوروار مجھے ٹھہرانا۔ میں اپنی قسمت پر الزام تھوپ دوں گا۔"

ارفع نفی میں سر ہلاتی رہی مگر وہ اپنی ہی الم کے عالم میں چاروں شانے چت کھڑا تھا۔ بات مکمل کر کے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

تہہ شدہ کاغذ اٹھا کر حارث نے سرعت سے اسے کھولا۔ اندر درج تحریر پڑھنے سے قبل وہ ایک پل کو رکا۔ دل مضطرب ہوا۔ دماغ نے البتہ فوراً ہار مانی، فرار ممکن نہیں تھا۔ اس نے خط پڑھنا شروع کیا۔

"حارث...... انسان کو بے شمار وجوہات بے بس کرتی ہیں۔ ہزاروں باتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ رشتے، رویے، لہجے اور محرومیاں دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جو انسان کو بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ تباہ کر دیتی ہیں۔ مثبت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر دیتی ہیں مگر کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے جو اس صورت حال سے نکلنے کی راہ دکھاتی ہے۔ آپ نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی نہ مجھے اپنے قریب آنے دیا کہ میں آپ کو سمجھ سکتی۔ آپ کے لیے وہ "خاص" وجہ نہ سہی پر ایک ایسا دوست ضرور بنتی جو شاید آپ کو آپ کی ذات سے ملوا سکتی۔ آپ کو یقین دلا سکتی کہ میں آپ کو اوروں کی نظر سے نہیں دیکھتی۔ آپ نے مجھے باقی سب کی طرح سمجھا مگر میرا سچ نہ آپ نے سنا نہ جاننے کی کوشش کی۔ میرے لیے آپ ہی سب کچھ تھے۔ میں نے کبھی آپ کو کسی بھی وجہ سے، کسی بھی بات کو لے کر کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ میں کبھی آپ کے زخموں پر نمک نہیں چھڑکنا چاہتی تھی۔ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ کوئی آپ کو کچھ بھی سمجھے، کچھ بھی کہے، میرے لیے آپ ہر لحاظ سے معتبر اور خاص ہیں۔

آپ غصے میں کوئی غلط فیصلہ کریں اس سے پہلے میں خود ہی جا رہی ہوں۔ میں آپ سے جڑا رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے ہمارے رشتے سے محبت ہے کیونکہ یہ رشتہ میرے پیارے اللہ کی رضا اور حکم سے بنا ہے۔ جسے توڑنا میرے لیے آسان نہیں ہے۔ اور ایسے میں تو بالکل بھی نہیں جب آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ اس امانت کے لیے ہم دونوں کو ہمارا رشتہ بچانا ہی ہوگا۔ مگر ایک پہلی اور آخری بار درخواست کروں گی۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ کم از کم اس وقت تک تو بالکل بھی نہیں جب تک آپ اپنا فیصلہ نہیں بدلتے۔ ہمارے رشتے اور آپ کی امانت کو آپ کا انتظار رہے گا۔"

خط پڑھنے کے بعد وہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑا تھا۔

غصہ ختم اور ذہن خالی ہو چکا تھا۔

☆☆☆

"میں اپنے باپ جیسا ہی ہوں۔ ٹھیک کہتے تھے سب۔ میں نے ارفع کی زندگی برباد کر دی۔"

امی کو خط پڑھانے کے بعد وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"نہیں تم اپنے باپ جیسے نہیں ہو۔" بیٹے کا دکھ ان کے لب و لہجے میں بھی بول رہا تھا۔

"ہوں۔ سب کہتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہی سنا ہے اپنے بارے میں۔" اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ رینگی۔

"لیکن میں نے تمہیں سب کی نظروں سے کبھی نہیں دیکھا۔"

"مگر سب کو چپ چاپ سنا تو ہے۔" اس نے

گلہ کیا۔
"یہی۔ تو قصور ہے میرا۔ میری چپ نے تمہاری زندگی پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے۔" انہوں نے آزردگی سے اعتراف کیا۔
"آپ کو بولنا چاہیے تھانا۔"
"ہاں۔" ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

حارث خاموشی سے انہیں سنتے ہوئے یقین کرنے کی سعی کرنے لگا۔
"کیا تم نے ارفع کو بلاوجہ یا کسی بھی وجہ سے مارا ہے؟"
امی کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"اس کے گھر والوں کی تذلیل کی ہے؟"
سوال پر پھر دائیں بائیں سر ہلایا۔

"یہ اپنے باپ جیسا ہی ہوگا...... سے...... یہ اپنے باپ جیسا ہی ہے میں فرق محض آخری الفاظ کا نہیں ہے۔ ان الفاظ نے میری شخصیت کو مکمل طور پر روندنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مجھے دکھ تو بس یہ تھا کہ آپ نے بھی کسی کو روکا نہیں۔"
"ظہیر کی وجہ سے میں بھائیوں کے در پر آگئی تھی، بے بس تھی، مجبور تھی، تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میرے گھر والوں کو میری زندگی برباد ہونے کا دکھ تھا اور جو دکھ مجھے ظہیر نے دیے، جس کرب سے مجھے گزرنا پڑا، اس نے میرے گھر والوں کو ظہیر سے متنفر کر دیا تھا۔ ظہیر سے جڑے ہر رشتے سے وہ نفرت کرنے لگے تھے، اسی نفرت کی لپیٹ میں میرا بیٹا جلایا جانے لگا۔ اور ایک مجبور عورت کی بے بسی کی انتہا اس زیادہ کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو سینے سے لگا کر اندر ہی اندر رو تو لے مگر کسی کو روکنے کی سکت نہیں رکھ سکتی۔ بھائی چاہتے تھے کہ میں دوسری شادی کروں، لیکن میں نے ان کی بات نہیں مانی۔ ظہیر اور بھائیوں کے بعد میں تمہیں کسی اور شخص کے ہاتھوں بے وقعت ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میرے لیے تم ہی سب کچھ تھے۔ مجھے تم پر یقین تھا۔ اور یہ میرا یقین ہی تھا کہ میری آنکھوں نے تمہیں کڑے حالات سے مقابلہ کرتے، کڑوی کسیلی باتیں سن کر بھی کامیاب ہوتے دیکھا۔ تم بہت قابل ہو حارث۔ اپنی قابلیت کی بنا پر اچھی ملازمت کر رہے ہو۔ یہ گھر تم نے بنایا ہے۔ تم ظہیر جیسے ہوتے تو یہ سب کبھی ممکن نہ ہوتا۔ میں نے تم میں کبھی ظہیر کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی۔" وہ ماں تھیں۔ سچے دل سے بول رہی تھیں۔

"اسے بنیادی ضرورتوں کے لیے ترسایا ہے؟"
"نہیں......"
"اس پر بے جا پابندیاں لگائی ہیں؟"
"کبھی نہیں۔"
"تو پھر کسی کی بھی باتوں پر دھیان دینا چھوڑ دو۔ میں تمہاری ماں تمہیں کہتی ہے کہ تم اپنے باپ جیسے نہیں ہو۔ تم نے ساری عمر تمام ناانصافیوں کو چپ چاپ سہا، پھر بھی کسی سے گلہ نہیں کیا، اپنے باپ کے بدترین عمل کو پیروں کی بیڑیاں نہیں بنایا نہ لفظی نفرت کا اظہار کیا، باوجود اس کے باپ کے نام اور رشتے کو لے کر تمہیں عمر بھر طعنے ملے، کرب جھیلنا پڑا۔ تم بہت لوگوں سے بہت بہت بہتر ہو۔ میرے لیے ہیرا ہو۔ ارفع کے لیے بہت خاص ہو۔"
انہوں نے آنکھیں صاف کر کے حارث کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا، اسے خاص ہونے کا احساس و یقین دلانا چاہا۔
"مگر وہ تو چلی گئی ہے۔"
"وہ تم سے رشتہ توڑ کر نہیں گئی۔ بلکہ تم سے جڑا رشتہ بچانے کے لیے گئی ہے۔" وہ بولیں۔
حارث چپ رہا۔
"ابھی دیر نہیں ہوئی حارث۔ سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ تم سب کی منفی باتوں کے حصار سے خود کو نکالو۔ مثبت ہو کر سوچو۔ تمہارے اندر ایک خوب صورت دل ہے۔ اُس کی آواز سنو بس، باقی سب آوازیں اور بُری یادیں اپنی زندگی سے دور پھینک دو۔"
امی سے پہلی طویل گفتگو اس کے لیے موجودہ

بدترین ذہنی کیفیت میں باعث راحت ثابت ہو رہی تھی۔

"ہوں۔ ایسا ہی کروں گا۔"

"ارفع کے آنے تک خود کو وقت دو۔"

"پتا نہیں وہ کب آئے۔ اُس نے تو خود کو ڈھونڈنے سے بھی منع کیا ہے۔"

"اُس کا انتظار کرنا چاہتے ہو؟"

"جی۔ مگر وہ کہاں گئی ہوگی۔ اس کا بھائی اور امی ابو تو یہاں ہیں بھی نہیں۔" البتہ وہ فکر مند بھی ہوا۔

"میں ثوبیہ سے بات کروں۔ اس سے پوچھوں؟"

"نہیں۔ ارفع نے ڈھونڈنے سے منع کیا ہے۔ جب تک وہ خود میرے سامنے نہیں آجاتی، میں اُس کی بات کا پاس رکھوں گا۔" وہ حتمی فیصلہ کرتا سنجیدگی سے بولا۔

"اگر آپ کو معلوم بھی ہو گیا کہ وہ کہاں ہے تو پلیز مجھے مت بتایئے گا۔ اُس کے آنے تک میں خود کو اُس کے قابل کرنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں مجھے وقت لگے گا۔ اس بار میں کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا۔ بس دعا کیجیے گا کہ جو کچھ آپ نے اور میں نے سہا ہے وہ ارفع اور میرے بچے کی قسمت نہ دہرائے۔"

"ان شاء اللہ۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" وہ پُر وثوق لہجے میں بولیں۔

"ان شاء اللہ۔" حارث بھی پُر امید تھا۔

☆☆☆

تلخ یادوں سے نکل کر اس نے ماضی کی کتاب بند کی۔ گہرا سانس خارج کیا۔

باقی کے چھ ماہ اس نے کیسے گزارے یہ ایک الگ کہانی تھی۔ ایک الگ خوب صورت کہانی۔ جس کے ہر ورق پر محبت درج تھی۔ خود سے کیے "خود کو بدلنے" کا عہد تھا۔ اُس عہد کے لیے کی گئی تمام جدوجہد تھی۔ ارفع کے لیے محسوس کی گئی محبت تھی۔ اپنی اولاد کے لیے محبت تھی۔ وہ محبت جسے ارفع کے ساتھ کی ضرورت تھی۔ وہ محبت کہ جسے وہ کسی صورت کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جسے پانے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔ وہ محبت کہ جس کے لیے اس نے خود کو تمام محرومیوں سے نکال کر، اپنے باپ سمیت سب کو معاف کر دیا تھا۔ وہ محبت جو اسے مثبت راہوں پر لے آئی تھی۔ وہ محبت جس کے لیے وہ خود کو سرتاپیر بدلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ محبت جس کے لیے اب جانے انجانے میں کی گئی تمام ناانصافیوں اور غلطیوں کا ازالہ کرنے کے لیے دل سے تیار تھا۔

کل ہونے والی ملاقات کا اُس نے پچھلے کئی ماہ سے تصور کیا، تصور حقیقت بننے جا رہا تھا۔ حارث کو اپنی محبت کے لیے اہتمام کرنا تھا۔

تمام رات محبت، دل اور دماغ سے صلاح لیتا رہا۔

اگلے دن تمام جذبات کا خصوصی خیال رکھتے ہوئے شام کے وقت ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ارفع کے کچھ گفٹس اور پھول لیے۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی، ارفع نے ہی دروازہ کھولا۔ مسکراتے چہرے کے ساتھ ارفع کو پھول دیتے وقت اُس کا دل محبت کی لے پر دھڑک رہا تھا۔

"یہ تمھارے لیے!"

"شکریہ! اندر چل کر بیٹھیں؟" پھر اسے اندر آنے کو کہا۔

حارث نے اثبات میں سر کو جنبش دیتے ہوئے اس کی پیروی کی۔ ہال تک آیا، صوفے پر بیٹھا۔ ارفع نے سامنے والے صوفے پر نشست سنبھالی۔

"کیسی ہو ارفع؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"کیا کر رہی تھیں؟" اس نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔

"کچن میں تھی۔ آئمہ کے ساتھ۔" اس نے بتایا۔

حارث مسکرایا کہ دل کو کسی اور جواب کی تمنا

تھی۔
"السلام علیکم حارث بھائی۔" اتنے میں آئمہ چائے و دیگر لوازمات لیے وہاں آئی۔
"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو آئمہ؟"
"میں بالکل ٹھیک۔ اچھا ہوا جو آپ ٹائم پر آئے۔ ورنہ یہ سب ٹھنڈا ہو جاتا جو آپ کی بیگم نے اسپیشلی "میرے منع کرنے کے باوجود" آپ کے لیے خود بنایا ہے۔" چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے آئمہ نے بتایا۔
ارفع نے بتانے پر مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔
"واقعی؟" حارث کو البتہ خوشگوار حیرت ہوئی۔
"جی واقعی...... اور یہی نہیں۔ صبح سے آپ کا انتظار بھی کیا جا رہا تھا۔" آئمہ نے مزید انکشاف کیا۔
مقصد دونوں کے بیچ چھائی پُرتکلف فضا کا جمود توڑنا تھا۔
حارث کے دل کے لیے یہ انکشاف خوب صورت تھا۔ چاہت بھری نظروں سے ارفع کو دیکھا۔ جبکہ وہ نظریں چرانے میں محو تھی۔ اُسے آئمہ سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی۔
"ایک بات اور...... آپ کی بیگم کی خواہش ہے جو یہ میری زبانی آپ تک پہنچانا چاہتی ہیں کہ رات کا کھانا آپ نے ہمارے ساتھ کھانا ہے۔" آئمہ نے مزید بتایا۔
ارفع نے باقاعدہ اُسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا۔
"بیگم کی خواہش ہے تو انکار کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔" حارث جو اُسے آئمہ کو گھورتا دیکھ کر محظوظ ہوا تھا، پُرلطف و مان بھرے لہجے میں بولا۔
ارفع اپنی خفت مٹانے کے لیے مسکرائی۔
"فواد نظر نہیں آ رہا؟" حارث نے بات بدلی۔
"وہ آنٹی کے ساتھ اپنے ماموں کے گھر ایک ہفتے کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ وہاں ان کے کسی رشتے دار کی شادی ہے۔ میں اکیلی تھی تو پھر ارفع کو بلا لیا تھا۔" اس نے بتایا۔
"اچھا۔"
باقی وقت، ڈنر کی تیاری سے کھانا کھا لینے تک آئمہ کی موجودگی میں ہلکی پھلکی باتیں کرتے گزرا۔ آج اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ اس کا دل بے حد مطمئن و سرشار تھا۔ مگر ان دونوں سے اجازت طلب کرتے وقت چاہ کر بھی ارفع سے وہ بات نہ کہہ سکا جو وہ کل بھی کہنا چاہتا تھا۔
"میں کل شام کو پھر آؤں گا۔"
"ضرور...... اجازت لینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔" ارفع کی جھجک کو مدِنظر رکھتے ہوئے آئمہ نے کہا۔
حارث چہرے پر مسکراہٹ سجائے، ارفع کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا، کل آنے کا کہہ کر چلا گیا۔
"اب کوئی خدشہ باقی ہے؟" آئمہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔
ارفع نے نفی میں سر ہلایا۔
آئمہ طمانت سے مسکرائی۔
"انہیں نے ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔ نہ مجھ سے ہمارے بچے کا کوئی ذکر کیا۔ نہ کوئی سوال جواب...... کیوں؟" البتہ ذہن میں گھومتے سوال کو زبان دی۔
"شاید وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوں۔ کہنا اور پوچھنا چاہتے ہوں مگر اپنے سابقہ رویے کی وجہ سے وہ دانستہ خود کو روک رہے ہوں۔ وہ خود کو بدل چکے ہیں لیکن تمہارا اعتماد بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ جس پر شاید انہیں فی الحال سوالیہ نشان نظر آ رہا ہو گا۔" آئمہ نے وجہ بتائی۔
"میں انہیں کیسے یقین دلاؤں کہ مجھے ان پر اعتبار ہے۔"
"تم ان سے باتیں کرو۔ صرف انہیں سننے کی چاہت رکھو۔ وہ اعتراف بھی کریں گے، دل کا حال بھی بتائیں گے اور جب تمہارے دل کا حال جانیں

گے تو تمہاری توقعات پر بھی پورا اتریں گے۔ ہر وہ بات کہیں گے جو تم سننا چاہتی ہو۔ جو تم دونوں کی آئندہ زندگی کے لیے ضروری بھی ہیں۔"

آئمہ کو سنجیدگی سے سنتے ہوئے وہ اس کی باتوں پر غور کرنے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ بتائے گئے وقت پر اس کے سامنے موجود تھا۔ سلام دعا و حال احوال پوچھنے کے بعد وہ سنجیدہ ہوا۔

"ڈاکٹر کے پاس جاتی ہو؟"

"جی۔"

"کیا کہتی ہیں ڈاکٹر؟"

"سب ٹھیک ہے۔"

"اچھا ماشاء اللہ۔ اب کب جانا ہے؟"

"دو ہفتے بعد......"

مختصراً بتایا، حارث کا اس کے متعلق پوچھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

"میں اس بار تمہارے ساتھ جاؤں گا۔" کہتے ہوئے حارث نے بغور اسے دیکھا، اس کے چہرے کے تاثرات جواب جاننا چاہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ نارمل تھی۔

"تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟" حارث نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے خوشی ہوگی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"آئی ایم سوری ارفع۔" جب ہی وہ شرمندہ ہوا۔

"پلیز ایسامت کہیں۔"

"میں نے اپنا حق ادا نہیں کیا۔" وہ نادم بھی تھا۔

"وقت باقی ہے ابھی۔"

اس بات کو لے کر ارفع کے دل میں حقیقتاً کوئی میل تھا نہ وہ اس بات کو لے کر حارث سے خفا تھی۔ حالات ایسے تھے کہ پہلے وہ یہ بات حارث کو بتا نہیں سکی اور جب بتایا تب اپنا رشتہ بچانے کے لیے منظر سے غائب ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے ہوتی تو یہ خبر جاننے کے بعد حارث کا فوری ردعمل دیکھ بھی لیتی، تب بھی دونوں کا رشتہ سولی پر لٹکتا رہتا۔ وقتی طور پر ہی سہی مگر بہت سوچنے کے بعد وہ اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر آئی تھی۔

"اب سب ٹھیک ہوگا۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔" وہ پر وثوق تھا۔

ارفع کو اس پر یقین تھا۔

توقف بھر دونوں خاموش رہے، جب آئمہ بھی ان کے پاس آئی تو حارث نے ارفع کچھ دیر کے لیے اپنے ساتھ باہر چلنے کا پوچھا۔ اس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

"حارث۔"

دونوں قریبی پارک میں تھے۔ ارفع نے اسے پکارا۔

"ہوں۔"

آپ مجھ سے پوچھیں گے نہیں کہ میں چھ ماہ تک کہاں تھی؟"

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔

"کیوں؟" حیرانی بجا تھی۔

"پوچھنا ضروری تو نہیں۔"

"اگر میں کہوں ضروری ہے تو؟"

"تو میں کہوں گا کہ ایک فیصلہ جو آپ کے اندر مثبت سوچ اور مثبت تبدیلی لائے۔ زندگی کی خوب صورتی سے آپ کو ملوائے، رشتوں کی اہمیت کا احساس دلائے۔ محرومیوں اور تلخی سے نکال کر آپ کی شخصیت کو سنوارے۔ جو آپ کو محبت کے رنگ میں رنگ دے۔ کسی کا آپ کے لیے ضروری ہونے کا یقین دلائے۔ اس فیصلے کا احترام آپ پر لازم ہوتا ہے۔"

وہ صدق دل سے گویا ہوا۔

ارفع جواباً کچھ نہ بولی۔

"مجھے تم پر خود سے بڑھ کر یقین ہے ارفع۔ تم پہلے جہاں تھیں تب بھی میری تھیں۔ اب میرے

ساتھ ہو تب بھی میری ہو۔ اور یہ ہی بات میرے لیے اہمیت رکھتی ہے۔"
حارث کا لب ولہجہ اور انداز خاص تھا۔
ارفع آسودگی سے مسکرائی۔
"ہمیں اب گھر جانا چاہیے۔" توقف بعد سوالیہ اسے دیکھا۔
"ہاں چلو۔"
دونوں ہمراہی میں چلنے لگے۔ دونوں کے دل اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے۔ لیکن دونوں کے دماغ ایک بات کو لے کر کہنے کی چاہ کے باوجود زبان پر الفاظ نہ لا سکے۔
حارث اسے آئمہ کے گھر چھوڑ کر کل پھر آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

☆☆☆

اگلے دن حارث وہاں گیا، کچھ دیر باتوں کے بعد ارفع کو کہیں باہر چلنے کا کہا۔ ارفع نے حامی بھری، اسے انتظار کا کہا اور کچھ ہی فاصلے پر کھڑی آئمہ کے ساتھ کچھ ڈسکس کیا، جس پر آئمہ کمرے میں گئی اور اُس کا بیگ اٹھا کر لے آئی۔
حارث نے آئمہ کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے خوش گوار حیرت سے اُسے اور پھر ارفع کو دیکھا جو آئمہ سے گلے ملتے الوداعی الفاظ ادا کر رہی تھی۔ وہ آئمہ کو "اللہ حافظ" کہتا خوشی خوشی باہر آیا۔
بیگ گاڑی میں رکھا، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ارفع کا انتظار کرنے لگا۔ ارفع کے بناء کہے گھر جانے کے فیصلے سے دل محو رقص تھا۔
توقف بعد وہ آئی، فرنٹ سیٹ پر بیٹھی۔ حارث نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ مطلوبہ جگہ پر پہنچے۔ حارث نے کھانا آرڈر کیا۔ کچھ دیر بعد کھانا ان کے سامنے تھا۔
دونوں نے ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان کھانا کھایا۔ ماحول ان کے دل کی طرح پُرسکون تھا۔ بل ادا کرنے کے بعد وہاں سے گھر کے لیے نکلے۔

"تم مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ؟"
"کیا؟" سوال پر وہ چونکی۔
"کچھ بھی......" کہتے ہوئے وہ ایک پل کو رکا، گاڑی اسٹارٹ کی، پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولا۔ "شادی کے بعد میری وجہ سے ہم ایک دوسرے کو جان نہیں سکے۔ مجھے یاد ہے ایک بار تم نے مجھ سے میری پسند ناپسند کا پوچھا تھا، تب میں جس ذہنی کیفیت کا شکار تھا، اس نے مجھے میرے اندر ہی قید کیا ہوا تھا۔ اور اُس قید کی وحشت میرے دل و دماغ پر قابض تھی۔ محرومیوں نے بھی مجھے اندر سے کھوکھلا کیا ہوا تھا اور رہی سہی کسر دن بدن اندر جمع ہوتے غصے نے پوری کر دی تھی۔ میں ہر بات سے چڑنے لگا تھا۔ ہر چیز مجھے اپنے مزاج کے مخالف لگنے لگی تھی۔ میں چاہ کر بھی تمہارے نزدیک نہیں آ پا رہا تھا۔"
وہ سنجیدہ ہوا۔ شرمندہ بھی تھا۔ کسی مجرم کی طرح اپنا جرم قبول کیا۔
"پرانی باتوں کو بھول جائیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"کیسے ارفع۔ کیسے بھول جاؤں۔ ان باتوں کی وجہ سے میں نے تمہیں کتنی تکلیف دی ہے۔ تم نے یہ کڑا وقت اکیلے گزارا ہے۔"
"لیکن اب ہم ساتھ ہیں۔"
ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے ارفع۔ میں تمہیں اور ہمارے بچے کو ایک مکمل اور خوب صورت زندگی دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" حارث ٹھوس و پُریقین لہجے میں بولا۔
"مجھے آپ پر یقین ہے۔ ایسا ضرور ہو گا۔" وہ مسکرائی۔
"اچھا اب مجھے بتاؤ نا اپنے بارے میں۔" بات بدلتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔
"بتاؤں گی مگر کل...... ابھی آپ مجھے تائی جان کے گھر ڈراپ کر دیں۔" وہ بولی۔
"وہاں کیوں؟" وہ چونکا۔ گاڑی روڈ کے ایک

سائیڈ پر روکی۔
"کیونکہ آج فواد بھائی اور اُن کی امی واپس آجائیں گے۔ اس لیے میں تائی جان کے گھر واپس جارہی ہوں۔ اِس سے پہلے میں وہیں تھی۔" وجہ بتاتے ہوئے اس نے حارث کو دیکھا۔
"اوہ...... اسی لیے امی ہر ہفتے خالہ کی طرف جاتی تھیں۔"
ارفع نے اس کی قیاس آرائی پر مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
"جی۔ میں نے تائی جان کے گھر جانے سے قبل انہیں بتایا تھا، اور آپ کو بتانے سے بھی منع کیا تھا۔ لیکن میرے لیے وہ باقاعدگی سے آتیں۔ ہمیشہ ڈاکٹر کے پاس بھی میرے ساتھ جاتی ہیں اور......" بتاتے ہوئے اس نے بات ادھوری چھوڑی۔
"اور کیا؟" حارث نے مزید جاننا چاہا۔
"آپ کے بارے میں بھی بات کرتی رہتی ہیں۔" اس نے بتایا۔
حارث مسکرایا۔ پھر بات بدلی کہ اب مزید چپ رہنا فضول تھا۔
"مجھے لگا تھا کہ تم میرے ساتھ گھر جاؤ گی۔"
"آپ نے اتنے دنوں میں ایسا کچھ نہیں کہا۔"
"میں کہنا چاہتا تھا۔ لیکن ڈر تھا کہ کہیں تم انکار نہ کردو۔" حارث نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنا ڈر بیان کیا۔
"آپ کہہ کر تو دیکھتے۔"
"ابھی کہوں تو ساتھ چلو گی؟"
"آپ ابھی چاہتے ہیں کہ میں آپ ساتھ جاؤں؟" ارفع اس کے دل کے حال سے تو واقف تھی مگر اس کی خواہش اس کی زبانی سننا چاہتی تھی۔
"ہاں...... کیونکہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں تمہارے ساتھ، ہمارے گھر میں ایک نئی اور خوب صورت زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے بچے کو وقت، توجہ اور پیار دینا چاہتا ہوں۔ مجھے اور میری محبت کو تمہاری ضرورت ہے ارفع۔"
حارث صدقِ دل سے بولا۔ محبت اس کی آنکھوں میں نمایاں تھی۔ محبت اس کے لہجے میں بھی بول رہی تھی۔
ارفع کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ نے جگہ بنائی۔
"اور ہم دونوں کو آپ کی ضرورت ہے حارث۔ میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اعتراف کیا۔ اپنا اعتبار و یقین ظاہر کیا۔
"شکریہ ارفع!" وہ دل سے بولا۔
اور گاڑی اسٹارٹ کی۔
"لیکن تائی جان انتظار کررہی ہوں گی۔" وہ یاد آنے پر بولی۔
"میں ان سے بات کرلوں گا۔ اچھا اب تو تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ؟" اس نے کہتے ہوئے بات بدلی۔
"آج نہیں۔" اس نے منع کیا۔
"کیوں؟"
"کیونکہ آج میں اِن خوب صورت لمحوں کو محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کے ساتھ وقت بتانا چاہتی ہوں۔" ارفع نے خوب صورت وجہ اُس کے گوش گزار ی۔
حارث مسکرایا۔
"جیسے آپ کی مرضی بیگم صاحبہ۔" سرِ تسلیم خم کیا۔
آج کا دن حقیقتاً خوبصورت و یادگار تھا۔ وہ کیونکر ارفع کی بات رد کرتا۔ ایک دوسرے کو جاننے کے لیے تو ویسے بھی زندگی انہیں پھر سے ایک ساتھ لے آئی تھی۔

☆☆

عائشہ تنویر

دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ اب تو شاید کسی نے زور سے دھڑ دھڑایا تھا۔ شور سے اس کی آنکھ کھلی۔ پہلے تو ایک لمحہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا پھر وہ سائڈ پر پڑا دوپٹا کھینچتی باہر بھاگی۔

"کون؟" دروازے کے پاس پہنچ کر کنڈی کھولتے اس نے عادتاً پوچھا تھا۔ حسب توقع دوسری طرف کام والی ماسی زبیدہ تھی۔

"اتنی دیر سے بجا رہی تھی دروازہ، اگر کل گاؤں نہ جانا ہوتا تو واپس ہی چلی جاتی۔" زبیدہ نے اندر آتے شکوہ کیا۔ آج وہ آخری دن ہی کام پر آئی تھی۔ اس کی ساس نے اسے گاؤں بلوا لیا تھا۔ دو تین ماہ تک واپس آنا ممکن نہیں تھا سو وہ زارا سے مل کر ہی جانا چاہتی تھی۔

"بس طبیعت بہتر نہیں تھی۔ جواد کے جانے کے بعد میں لیٹی تو آنکھ لگ گئی پتا ہی نہیں چلا۔" زارا بھی دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے چل دی تھی۔ زبیدہ اندر جا کر ڈسپنسر سے پانی لینے لگی۔

"میں منہ دھو آؤں، پھر ناشتا کرتے ہیں۔" زارا اسے کہتی اندر چلی گئی۔ وہ سر ہلا کر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ زارا پہلے اسے ناشتا کرواتی، پھر کام شروع ہوتا۔

"کیا ہوا طبیعت کو بھابھی، خیر تو ہے؟" زارا ناشتا بنانے لگی تو زبیدہ کو پوچھنے کا خیال آیا۔

"بس رات سے سر دکھ رہا ہے۔ سامنے پیشانی سے کنپٹیوں تک، اتنی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں کہ میرا حشر خراب ہو گیا۔" زارا نے چائے ٹیبل پر رکھتے جواب دیا۔

"پیاری بھی تو اتنی ہو، نظر لگ گئی ہو گی۔ سو بجن، سو دشمن۔" زبیدہ نے ستائشی نظروں سے اس کی موہنی صورت دیکھی۔ وہ نرمی سے مسکرا دی۔ یہی نرمی اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ جو اسے سب سے الگ دکھاتی۔

"مجھے کس کی نظر لگنی، اکیلی رہتی ہوں، نظر تو صرف تمہاری لگ سکتی ہے اور تو کوئی نہیں آتا جاتا۔"

اس نے شرارت سے کہا تو حسب توقع زبیدہ تڑپ اٹھی۔

"میری نظر کیوں لگے گی، نظر تو حاسدوں کی لگتی ہے۔ میں تو جب دیکھتی ہوں، آپ کو ماشاء اللہ کہتی ہوں۔ بھابھی کہتی ہوں لیکن بہنوں جیسی ہیں آپ میرے لیے۔"

"مذاق کر رہی تھی بھئی۔ تم تو سنجیدہ ہو گئیں۔ ختم کرو یہ قصہ اور اب کام شروع کرو۔" زارا کو آخر بولنا ہی پڑا۔ باتیں کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

بالآخر زبیدہ اٹھ کر صفائی کرنے لگی جبکہ زارا اپنا موبائل لے کر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی۔ کام کرتے کرتے زبیدہ کمروں کے پیچھے بنی گیلری میں گئی تھی اور پھر اس کی بے ساختہ چیخ نما پکار آئی۔

"ہائے بھابھی یہ کیا ہے۔"

وہ جلدی سے گیلری کی طرف لپکی، زبیدہ دروازے میں ہی ہاتھ لبوں پر دھرے کھڑی تھی۔ اس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو کپڑے کی بنی ایک گڑیا صاف ستھرے لباس میں سجی بنی سامنے پڑی تھی۔ گڑیا بہت اچھی بنی ہوئی تھی لیکن عمومی طور پر جیسے دھاگے سے آنکھیں یا ہونٹ بنائے جاتے ہیں، وہ موجود نہیں تھے۔ مارکر سے بنے دھندلے، مٹے مٹے سے بھدے نقش البتہ نظر آ رہے تھے۔

"ارے یہ کہاں سے آئی۔"

وہ کہتی ہوئی اسے اٹھانے آگے بڑھی تھی جب زبیدہ نے بے اختیار ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کیا۔

"اسے ہاتھ مت لگائیں بھابھی!" اس نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟" زارا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"پہلے یہ سوچیں کہ یہ آئی کہاں سے۔" زبیدہ نے سوال اٹھایا تو زارا چپ رہ گئی۔ عام طور پر اس کے گھر میں کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ گیلری میں کوئی بھی چیز برابر والے گھروں سے نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ پشت پر موجود گھر سے کچھ گر سکتا تھا لیکن ابھی وہاں

فلیٹس زیر تعمیر تھے اور بلڈنگ میں کسی کی رہائش نہ تھی۔ اوپر والے پورشن میں اس کی جٹھانی رہتی تھیں، شادی کے دس سال بعد بھی بے اولاد تھیں۔ ان کے گھر ایسا کوئی کھلونا ملنا ممکن نہیں تھا۔

"پیچھے سے شاید کسی مزدور یا......" زارا نے سوچ سوچ کر بولنا چاہا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بولے۔

"ٹھیکے دار کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ کام کل سے بند ہے۔" زبیدہ نے ٹھنڈے لہجے میں آگاہ کیا۔

"پھر......؟ اس نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ایسی ہی گڑیاں بنا کر جادو کیا جاتا ہے۔ آپ کا سر دکھ رہا تھا نا پیشانی، اس کی پیشانی دیکھیں آپ، یہ کیل۔" زارا نے نظر دوڑائی۔ گڑیا کی پیشانی پر تھمب پن کی مدد سے دوپٹہ ٹانکا گیا تھا۔

"دوپٹا پہنایا ہے۔" اس نے وضاحت دی۔ وہ زبیدہ کی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی لیکن اتنی توہم پرست یا ضعیف الاعتقاد نہ تھی۔

"گڑیا کو دوپٹے کی کیا ٹینشن۔ ایسے تو آپ اوڑھتی ہیں دوپٹا، بالکل وہی انداز۔" اس کے توجہ دلانے پر زارا نے دیکھا تو واقعی اپنا انداز ہی لگا، پھر دل ہی دل میں جلدی سے استغفار پڑھتی وہ زبیدہ سے بولی۔

"جاؤ جھاڑو لاؤ، اسے ڈالیں کوڑا دان میں۔ بلاوجہ اتنا وقت ضائع کیا۔" خود کو سمجھانے کے باوجود زبیدہ کی باتوں کا اتنا اثر ہو چکا تھا کہ وہ اب اسے ہاتھ لگانے سے گریز کر رہی تھی۔

"میں ماچس لاتی ہوں، اسے یہیں پر آگ لگا دیتے ہیں۔ احتیاط اچھی ہوتی ہے۔" زبیدہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ ماچس سے گڑیا جل گئی، راکھ باتھ روم میں بہا دی گئی۔ حتیٰ کہ زبیدہ کام کر کے بھی چلی گئی لیکن گڑیا کے بارے میں سوچ سوچ کر دوبارہ زارا کا سر مزید دکھنے لگا۔

☆☆☆

زارا والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ ابو کی نوکری دبئی میں تھی سو اس کی زندگی کا زیادہ حصہ بھی دبئی، پاکستان میں گھومتے گزرا۔ او لیول کے بعد باقی تعلیم اس نے یہاں سے ہی حاصل کی۔ اپنا گھر تھا، امی اور وہ یہیں رہ گئے، چھٹیاں ہوتیں تو دبئی بھی چلے جاتے۔ جواد ان لوگوں کے مکان کے اوپر والے حصے میں اپنے بھائی بھابھی کے ساتھ کرائے پر رہتا تھا۔ شادی کا وقت آیا تو اس نے زارا کا نام لے دیا۔ بھابھی کو محسوس تو ہوا کہ ان کی پسند کو اہمیت نہیں دی گئی لیکن انہوں نے اسے ہمیشہ اولاد کی طرح چاہا تھا سو بہ سہولت اس کی خواہش مان لی اور شادی ہو گئی۔ زارا کی امی خود دبئی چلی گئیں اور اکلوتی بیٹی کو گھر فرنشڈ کروا دیا کہ آرام سے رہو۔ زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی، پیار کرنے والا شوہر، معاشی سکون سب کچھ میسر تھا۔

آج والے واقعے کی وجہ سے معاشرتی توہم پرست سوچ نے زارا کو پریشان کر دیا۔ وہ زبیدہ کی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی لیکن گولی کھا کر جو دوبارہ سوئی تو شام تک وہ سب بھول بھال گئی۔ طبیعت یوں بھی آج کل اچھی نہیں تھی۔ ہر وقت غنودگی سی رہتی۔

کچھ دن مزید گزرے تو وہ خوش خبری مل گئی جس کا سب کو شدت سے انتظار تھا۔ زارا کے والدین کو نانا، نانی بننے کا شوق تھا۔ تو بھائی، بھابھی اور خود جواد عرصے سے گھر میں چھائے سناٹے سے تنگ آ کر ننھے بچوں کی قلقاریاں سننے کو ترس رہے تھے۔ جواد سن کر خوشی سے دیوانہ ہونے لگا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، ابھی سے مٹھائیاں بانٹنا شروع کر دے۔

"یار تمہارا بھی کوئی بہن، بھائی نہیں، میرے خاندان میں بھی بس ایک بھائی ہی ہیں۔ اب ہمیں زیادہ محنت کرنی ہوگی۔ کوشش کرنا پہلی بار ہی جڑواں ہوں تاکہ جلدی جلدی خاندان بڑھے۔" جواد نے شرارت سے کہا تو زارا بے اختیار ہنس دی۔

"آہستہ بولیں، فیملی پلاننگ والے سن لیں گے تو ماریں گے۔" اس نے یاد دلایا۔

"ہماری ہی فیملی پلاننگ ہونی رہ گئی ہے بس۔ ہم نے تو کرکٹ ٹیم بنانی ہے۔" جواد نے منہ بنایا پھر قدرے سنجیدگی سے بولا۔

"بھائی، بھابھی کو بچوں کا بہت شوق ہے لیکن جانے کس مصلحت کے تحت اللہ اب تک انہیں انتظار کروا رہا ہے۔ تم کوئی ایسی بات نہیں کرنا کہ ان کا دل دکھے۔"

"آپ کیسی بات کر رہے ہیں، وہ صرف ہمارا ہی نہیں، ان کا بھی بچہ ہوگا۔" زارا نے اسے تسلی کروائی تھی۔

بھابھی جو گھٹنوں کے درد سے مجبور کم کم نیچے آتی تھیں۔ معلوم ہوتے ہی خوشی سے بے حال فوراً نیچے آئیں۔

"اپنا بہت خیال رکھنا زارا۔ شروع میں ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔" انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

"جی بھابھی!" اس نے پیاری سی مسکان چہرے پر سجائے سر ہلایا۔ وہ خود بھی بہت خوش تھی۔

☆☆☆

وہی دن، رات جو پہلے ایک سے گزرتے اسے بے زاری میں جلا کرتے تھے۔ اب ایک خوب صورت انتظار میں بدل گئے تھے۔ سب اس کا خیال رکھتے۔ عام خواتین کی طرح وہ چڑچڑی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے مزاج میں بہت مثبت تبدیلی آئی تھی۔ وہ چھوٹے بچوں کو دیکھ کر تصور میں اس کی شبیہہ بنانے کی کوشش کرتی جو اس کے جسم کا حصہ ہوتا۔ ابھی بہت وقت پڑا تھا لیکن ابھی سے ہی وہ نام بھی سوچنے لگ گئی تھی۔ اب تو بھابھی بھی زیادہ وقت نیچے ہی گزارتیں تاکہ وہ اکیلی نہ رہے۔ کام میں مدد مل جائے۔ سارا دن وہ ان سے اسی موضوع پر بات کرتی، بیٹی ہوئی تو یہ نام رکھنا ہے، بیٹا ہوا تو فوج میں بھیجنا ہے، بھابھی بھی ترسی ہوئی تھیں۔ سو اس کی باتیں جوش و خروش سے سنتیں۔ امی سے بھی زارا کی روز ہی بات ہوتی۔ وہ اکثر اس کی تفصیلات سن کر ہنستیں اور اسے سمجھاتیں کہ بے شک خوشی کی بات ہے لیکن اتنا سر پر سوار نہ کرو۔ نارمل زندگی گزارو، سورہ مریم، سورہ یوسف کی تلاوت کرو۔ اذکار کرو تاکہ نیک اولاد نصیب ہو۔

☆☆☆

سب کچھ ٹھیک تھا لیکن آٹھویں مہینے وہ ہو گیا جو کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ روٹین چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس گئی تھی لیکن ڈاکٹر نے ایڈمٹ کر لیا۔ فوری طور پر فون کر کے جواد کو بلایا گیا۔ اس کا بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا۔ فوری طور پر ڈیلیوری نہ کرائی جاتی تو اس کی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ شل دل و دماغ سے جواد نے کاغذات پر سائن کیے تھے۔ زارا بری طرح رو رہی تھی۔ سب اسے سمجھا رہے تھے لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی۔ جیسے کوئی مٹھی میں بھینچ رہا تھا۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔ دل کا درد آنسوؤں کی صورت بہہ رہا تھا۔ اس کا بچہ اس کے ہاتھوں میں آنے سے پہلے ہی دنیا سے چلا گیا۔ اس کی حالت کے پیش نظر اسے دکھائے بغیر ہی بچہ دفنا دیا گیا۔ وہ خود پر طاری ہونے والے ڈپریشن کو نہ روک سکی۔ امی بھی کچھ عرصہ کے لیے دبئی سے اس کے پاس آ گئیں۔ بھابھی بھی سمجھاتیں کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہے۔ جواد بھی خود کو خوش باش ظاہر کرتا۔ وہ چپ چاپ سب کی باتوں پر سر ہلاتی رہتی لیکن دل خوش ہی نہیں ہوتا۔ وہ بے دلی سے روزمرہ کے کاموں میں مصروف رہتی۔

اس دن وہ کچن میں کھڑی دودھ ابالتے ہوئے بھابھی سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کا دل بہلانے کے خیال سے وہ اب بھی چکر لگاتی رہتی تھیں۔ دروازے پر بیل ہوئی تو وہ دروازہ کھولنے گئی۔

"ارے زبیدہ تم......؟" اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔ زبیدہ کے ساتھ اندر آتے وہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی، زبیدہ حسب عادت پانی پینے لگی۔

"دودھ میں چھری کیوں پھیر رہی ہیں۔" زبیدہ کی تحیر آمیز آواز پر زارا نے دیکھا۔ بھابھی چولہا بند کر کے اب چھری دھو رہی تھیں۔ چھری پر دودھ لگا تھا۔

"دودھ گرنے والا تھا، جلدی میں چمچ نہیں ملا۔" مسکرا کر بتاتی، بھابھی بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ وہ دودھ ابالتے ہوئے اس میں چمچہ چلاتی

رہتیں، بلکہ ابلنے لگتا تب بھی آگ کم کر کے، چمچہ چلا کر اچھی طرح پکاتیں۔ اس معاملے میں وہ کافی وہمی تھیں کہ دودھ پک جائے۔ زارا تو ایک ابال آنے پر ہی چولہا بند کر کے فارغ ہوتی۔ اسی لیے اس نے چمچہ بھی پاس نہیں رکھا تھا۔ پانی پی کر زبیدہ بھی آبیٹھی۔

''تم کب آئیں۔ بہت عرصہ لگا دیا۔'' زارا نے پوچھا۔

''بس باجی! وہاں کوئی کام تو ہے نہیں، جو جمع پونجی تھی۔ سال بھر میں ختم ہوئی، آنا ہی پڑا۔'' زبیدہ نے بتایا۔ وہ اب زارا کو اس بات پر راضی کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ دوبارہ اسے کام پر رکھ لے۔

''اب میں بلاوجہ کیسے نکالوں اسے، تم دوبارہ چلی جاؤ گی۔ تو پریشانی تو مجھے ہوگی نا۔'' زارا نے انکار کیا۔

''میں اس سے خود بات کرلوں گی باجی، میں ہی رکھوا کر گئی تھی۔ اس کے پاس بہت کام ہے۔ میرے پاس تو بس دو گھر ہیں۔'' زبیدہ تو کری پکی کر کے ہی جانا چاہتی تھی۔

''تمہارے پاس وقت ہے تو آکر پنکھے اور دیواریں صاف کردو۔ پھر میں اس سے بات کرتی ہوں۔'' زبیدہ کے مستقل اصرار کے آگے زارا نے ہار مان لی تھی۔

زبیدہ کا دوبارہ آنا جانا شروع ہوگیا تھا۔ محلے سے اسے زارا کے ساتھ ہونے والے افسوس ناک واقعے کا بھی علم ہوگیا تھا۔ اس نے بہت دکھ کا اظہار کیا اور زارا کو اپنے گاؤں کی عورتوں کے ایسے متعدد قصے سنائے۔

زندگی روٹین پر آگئی تھی۔ جب بھابھی کو خوش خبری ملی۔ اتنے انتظار کے بعد جب سب مایوس ہو گئے تھے۔ یہ خبر سب کو خوش کر گئی۔ زارا بھی خوش تھی۔ بھابھی نے اس کا بہت خیال رکھا تھا، اسی لیے اب وہ بھی کوشش کرتی کہ انہیں کوئی مشکل نہ ہو۔ اس کے بار بار اوپر نیچے کے چکر کی وجہ زبیدہ کو معلوم ہوئی تو افسوس سے بولی۔

''آپ کا بچہ گیا ہے تو ان کا آرہا ہے۔ اللہ کے نرالے کام۔'' اس کا انداز زارا کو بالکل اچھا نہ لگا۔ جو ہونا تھا، ہوگیا۔ امی نے بھی اسے یہی سمجھایا تھا کہ ابھی زندگی پڑی ہے۔ اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں۔ وہ اور دے گا۔ تم اس کی رضا پر راضی رہو۔ اس نے فوراً اپنی ناگواری ظاہر کی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ ماشاءاللہ کہتے ہیں۔''

''جی، جی وہی۔ ہمارے گاؤں میں ایسا بہت ہوتا ہے نا، جادو ٹونا۔ حسد کی وجہ سے۔ بس وہ یاد آگیا۔ آپ کی گھر میں بھی تو کسی نے پتلا بنا کر پھینکا تھا نا۔'' سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ کہنے سے باز نہ آئی اور پرانی بات یاد دلائی۔

''پتلا نہیں، گڑیا تھی۔ آگئی ہوگی کہیں سے۔ کسی کوے نے لا پھینکی ہوگی۔ تم خاموشی سے کام کرو۔'' زارا چڑ کر سخت انداز میں بولی۔ تو زبیدہ بھی خاموش ہوگئی۔

زارا نے زبیدہ کو تو خاموش کروا دیا تھا لیکن خود ذہنی خلفشار کا شکار ہوگئی تھی۔ کبھی وہ گڑیا یاد آتی تو کبھی چھری سے دودھ کاٹنا۔ دس، بیس سال بعد لوگوں کے اولاد ہوتی ہی ہے لیکن اپنے بچہ ضائع ہونے اور بھابھی کے امید سے ہونے کا تعلق بناتی تو زبیدہ سچ لگنے لگتی۔ اسی پراگندگی کے عالم میں اب وہ اوپر جاتی بھی تو خود کو اجنبی محسوس کرتی۔ بھابھی کی ساری محبت دکھاوا لگتی۔ اتنی اچھی، مخلص دکھائی دینے والی بھابھی کے دماغ میں ایسا خناس بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی سوچیں پنڈولم کی مانند جھول رہی تھیں۔ ابھی تک اس نے ان باتوں کا امی ابو یا جواد سے تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن اب اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ جواد سے کچھ کہنا تو گھر میں جھگڑا ڈالنے والی بات تھی۔ وہ اپنے بھائی بھابھی سے پیار ہی نہیں بلکہ ان پر اندھا اعتماد بھی کرتا تھا۔ اس کی امی بہت سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہیں کچھ کہتی تو وہ بھی اسے ہی ڈانٹتیں۔ ایک بار اس نے کسی کا نام لیے بنا سرسری سا ذکر نظر اور حسد کا کیا تو فوراً معوذتین، سورہ بقرہ پڑھنے کی تاکید کرنے لگیں۔ آخر اس نے عبادت میں ہی پناہ ڈھونڈی۔ اس نے زبیدہ سے کام کروانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ دانستہ ایسی سوچوں سے اجتناب برتنے کی کوشش کرتی، تلاوت کرتی۔

☆☆☆

اس دن وہ تلاوت کے بعد رو، رو کر اللہ سے مدد مانگ رہی تھی۔

''اے اللہ پاک! تیرے سوا میں کس سے

کہوں۔ یہ وسوسے سچے ہیں یا جھوٹے، تو ہی جانتا ہے۔ تو عالم الغیب ہے۔ مجھے سیدھا رستہ دکھا۔ بدگمانیوں سے اپنی پناہ میں رکھ۔ نظر بد، جادو اور حسد سے بچا۔ اللہ پاک مجھ پر رحم فرما۔"

کتنی دیر بلکنے کے بعد اس کا دل ہلکا ہو گیا تو وہ آرام کرنے لیٹ گئی۔ جب اچانک دروازے پر گھنٹی بجی۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" تعجب سے بڑبڑاتے وہ دروازے کی طرف گئی۔ اس کے گھر مخصوص اوقات میں گنے چنے لوگ ہی آتے تھے۔

"کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں ثمینہ ہوں آپ کے پیچھے والے گھر میں رہتی ہوں۔" آج کل کے حالات کے پیش نظر خاتون کی آواز پر بھی وہ تذبذب کا ہی شکار رہی۔ پیچھے والے گھروں کی پشت ملی تھی۔ داخلی دروازے الگ گلیوں میں تھے سو کوئی جان، پہچان نہ تھی لیکن تعارف کے بعد دروازہ نہ کھولنا بھی معیوب تھا۔ آخر اللہ کا نام لے کر اس نے دروازہ کھولا۔

سامنے ایک بڑی سی چادر میں لپٹی خاتون اور اسکارف پہنے چھوٹی سی بچی پیاری سی مسکان لیے کھڑی تھیں۔ بچی کو دیکھ کر اسے حوصلہ ہوا۔ اس نے انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔

"وہ دراصل میرے دو سال کے بیٹے نے کچھ چیزیں آپ کے گھر پھینک دی ہیں، آپ لا دیں۔" وہ خاتون بھی اندر آ گئی تھیں لیکن آگے بڑھنے میں متذبذب تھیں۔

"میرے گھر کہاں؟" وہ سامان کے ذکر پر چونکی۔

"آپ کی گیلری میں ہوگا۔ ہماری گیلری آپ کی گیلری سے ملتی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔ وہ تیزی سے گیلری میں آئی اور سامان دیکھ کر اسے ایک دم چکر آ گیا۔ ایک ڈائری، پین اور وہی کپڑے کی گڑیا گیلری میں پڑی تھی۔ وہ شاید ساکت و صامت وہیں کھڑی رہتی۔ لیکن جوش سے اس کے پیچھے آنے والی ننھی بچی نے بھاگ کر گڑیا اٹھالی۔

"یہ آپ کی ہے؟" زارا نے بے یقینی سے پوچھا۔ ایسی ہی گڑیا تھی جو اس نے جلائی تھی۔

"جی۔" بچی جلدی سے اپنی چیزیں اٹھا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہی ان خاتون کے پاس آئی جو داخلی دروازے کے سامنے ہی کھڑی تھیں۔

"یہ گڑیا...... سال پہلے بھی ایسی گڑیا آئی تھی میرے گھر، خود بناتی ہیں۔" زارا نے عجیب سٹپٹائے انداز میں کہا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا سوال کرے۔

"اس کی دادی بناتی ہیں۔ چہرہ نہیں بناتیں کہ بت نہ بنے تو یہ خود ڈرائنگ کا شوق پورا کرتی ہے۔" وہ مسکرا کر بتا رہی تھیں۔

"جن دنوں ہمارا فلیٹ بن رہا تھا، ایک دن دیکھنے آئی تھی یہ اپنے بابا کے ساتھ پھر گڑیا بھول گئی تھی۔ شاید آپ کے ہاں گر گئی ہو تب بھی۔" انہوں نے وضاحت دی۔ اس کے بعد وہ شکریہ کے الفاظ ادا کرتی، اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی رہیں لیکن اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں تو سائیں، سائیں ہو رہی تھی۔ اس گڑیا کی وجہ سے اس نے بڑی بہنوں کی طرح محبت کرنے والی بھابھی کے بارے میں کیا کیا نہیں سوچ لیا تھا۔ شیطانی وسوسوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ اگر جلد بازی کر کے وہ کسی کو کچھ کہہ دیتی تو آج اس کے پاس واپسی کا راستہ بھی نہ ہوتا۔ اس کا گھر تباہ ہو جاتا۔ اگر وہ جادو کے بچاؤ کے چکر میں عاملوں کے پاس جا کر ایمان گنوا دیتی۔ اس لرزہ خیز خیال سے وہ بے اختیار کانپ اٹھی۔

بلاشبہ بعض گمان صریح گناہ ہیں۔ وہ بہتی آنکھوں کے ساتھ اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے گئی تھی جس نے یہ خناس اس کے ذہن سے نکالا۔ بے شک اللہ مدد مانگنے والوں کو نامراد نہیں کرتا۔

☆☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---- روبی رشید

میک اپ ---- روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ---- موسیٰ رضا

صدف سمیع

ٹریفک میں پھنسے ہوئے اسے آدھا گھنٹا گزر چکا تھا اور ابھی بھی نکلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ گرمی، حبس اور رش نے اسے کافی کوفت زدہ کردیا تھا۔ آج خاص طور پر وہ آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا اور جتنی جلدی گھر جانے کی کوشش کر رہا تھا اتنی ہی دیر ہورہی تھی۔ آج اس کی شادی کی سالگرہ تھی اس کی امی اور سائرہ کی دو مرتبہ کال آچکی تھی۔ امی کی تو خاص طور پر تاکید تھی کہ ان کی چہیتی بہو کے لیے پھول ضرور لے کر آؤں۔

سائرہ خالص امی کی پسند تھی یعنی ایک طرح سے یہ مکمل ارینج میرج تھی۔ کیونکہ امی پسند کی شادی کے سخت خلاف تھیں۔ وہ خاندانی روایات اور اصولوں پر چلنے والی خاتون تھیں۔ ان کو لڑکا اور لڑکی کی اس طرح کی آزادی اور میل جول بالکل پسند نہیں تھا۔ اور وہ اپنی پسندیدہ بہو کے ساتھ بہت خوش تھیں۔ ان کا حکم تھا کہ سالگرہ کی تقریب میں کوئی کمی نہ ہو، ان کی بہو کوئی کمی محسوس نہ کرے۔ ٹریفک کم ہوا تو اس نے گاڑی آگے بڑھائی سامنے پھولوں کی دکان سے پھول خریدے اور تیزی سے گھر کی طرف گاڑی دوڑائی۔ پھولوں کو دیکھتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا کتنی جلدی ایک سال گزر گیا۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے میں کتنا پریشان تھا۔

☆☆☆

اطہر اور ندیم دونوں رات کا کھانا کھا کر گلی میں ٹہل رہے تھے یہ ان کی روز کی عادت تھی، رات کو ٹہلنا اور دن بھر کی ہر بات شیئر کرنا۔ دونوں کے گھر آمنے سامنے تھے۔ دس سال کا ساتھ تھا گھروں میں بھی بے تکلفی سے آنا جانا تھا۔ ندیم دیکھ رہا تھا کہ اطہر آج کچھ چپ چپ ہے۔

"کیا بات ہے اطہر! تم اور اتنے خاموش...... ضرور کوئی خاص بات ہے۔" ندیم سے رہا نہیں گیا تو پوچھ لیا۔

"کیا کہوں ندیم! تم کو تو سب پتا ہے ایک ہی مسئلہ ہے میری زندگی میں۔" اطہر نے جواب دیا۔

"اچھا! اب سمجھا تمہاری امی لڑکی دیکھنے جارہی ہوں گی تو یہ تو اچھی بات ہے نا، اب تمہاری بھی شادی ہوجائے گی۔" ندیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے جانتے ہی نہیں کچھ!" اطہر کہتے ہوئے غصے سے اٹھ کر جانے لگا۔ تو ندیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے بٹھالیا اور بولا۔

"ارے یار! غصہ کیوں ہوتے ہو جانتا ہوں مگر تم بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں۔ تم خود جانتے ہو اپنی امی کو۔ پسند کی شادی زہر سے زیادہ بری لگتی ہے انہیں۔ پھر بھی اگر تم کہو تو میں امی سے کہتا ہوں وہ تمہاری امی کو سمجھائیں گی۔"

"ارے نہیں یار! امی کو نہ پتا لگے کہ میں کسی کو پسند کرتا ہوں وہ بہت ناراض ہوں گی آنٹی کو بھی کچھ نہ سنادیں۔" اطہر ڈر کر بولا۔

"تو تمہیں کیا ضرورت تھی کسی کو پسند کرنے کی جب اپنی امی کو جانتے ہو۔" ندیم چڑ کر بولا۔

"یار! کوئی تو حل ہوگا؟" اطہر مسکین سی شکل بنا کر بولا تو ندیم کو ہنسی روکنا مشکل ہوگئی۔

"ہنسو ہنسو خوب ہنسو، تم جیسے ہی دوست ہوتے ہیں جو کسی کام نہیں آتے۔" اطہر رونے جیسا ہوگیا۔

"نہیں یار! ایسی بات نہیں......" ندیم اطہر کے ناراض ہونے پر سنجیدہ ہوگیا۔

"چلو گھر چلو، امی سے پوچھتے ہیں شاید وہ کوئی اچھا مشورہ دے دیں۔" ندیم نے اطہر کو اٹھاتے ہوئے کہا تو دونوں ندیم کے گھر کی طرف بڑھے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی نازیہ پر نظر پڑی تو ندیم نے امی کا پوچھا۔ نازیہ ندیم کی چھوٹی بہن تھی۔

"کیا بات ہے آتے ہی امی کو پوچھ رہے ہیں کوئی خاص بات ہے کیا...... اور یہ اطہر بھائی کا منہ کیوں اترا ہوا ہے...... کیا ہوا؟" نازیہ ایک دم پریشان ہوگئی۔

"کچھ...... نہیں ہوا۔ وہی اطہر کا مسئلہ......" ندیم نے آہستہ سے نازیہ کو کہا۔

"اوہو......" نازیہ نے ہنسی روکی کیونکہ ندیم نے گھور کر دیکھا تھا۔

"تم امی کو بلاؤ۔" ندیم نے نازیہ سے ذرا غصے سے کہا اور پھر اطہر کی طرف مڑا۔ "تم کیوں یہاں کھڑے ہو۔ آؤ نا اندر۔" اور پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں جا کر بیٹھ گئے۔

ندیم کی امی اندر آئیں تو اطہر نے ان کو سلام کیا۔

ندیم کی امی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔ کیا بات ہے اطہر! اتنے خاموش سے کیوں ہو مجھ تو وہ چپ تھیں۔

"آنٹی! آپ تو جانتی ہیں آپ کو تو میں ہر بات بتاتا ہوں۔ امی کل کسی لڑکی کو دیکھنے جا رہی ہیں۔ وہ تصویر دیکھ چکی ہیں اور ان کو بہت پسند آئی ہے بتا رہی تھیں کہ گھر والے بھی اچھے ہیں۔ میں تو ڈر رہا ہوں کہیں بات پکی ہی نہ کر دیں۔ آنٹی! بتائیں میں کیا کروں۔" اطہر پریشانی سے بولا تو آنٹی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھو بیٹا! یہ خالص تمہارے گھر کا معاملہ ہے مگر کیونکہ ہم لوگ بہت پرانے پڑوسی ہیں اور اب تو رشتے داروں سے بڑھ کر ہو گئے ہیں اس ناتے میں نے تمہاری امی سے بات کی تھی...... تمہاری پسند کا تو نہیں بتایا مگر ان کو کہا تھا کہ ایک لڑکی میری جاننے والی ہے اگر وہ چاہیں تو دیکھ لیں، بہت اچھی ہے۔ گھر بار بھی اچھا ہے اور سوچا تھا کہ اس لڑکی کے گھر لے جاؤں گی۔ میں نے تو اس لڑکی کی امی سے بات کر لی تھی کہ ہم آپ کے گھر آنا چاہتے ہیں۔"

اطہر بڑا حیران ہوا یہ سب سن کر۔

"مگر کب آنٹی......! کب بات کی آپ نے ان لوگوں سے اور اس کی امی نے پوچھا نہیں کہ آپ کیسے جانتی ہیں اس کو، کیونکہ پسند کی شادی تو وہ لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔" اطہر واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"ارے کیا ہو گیا ہے کیوں پریشان ہو گئے۔ بھول گئے تم ہی تو نمبر دے کر گئے تھے کہ میں بات کروں۔ پہلے تو میں نے اس لڑکی سے بات کی پھر اس نے اپنی امی کو یہ کہہ کر تعارف کروا دیا کہ میں اس کی دوست کی امی ہوں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ ہماری پڑوسن اپنے لڑکے کے لیے لڑکی دیکھ رہی ہیں اور مجھے آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں ان کو لے کر آ جاؤں تو وہ راضی ہو گئیں۔ مگر تمہاری امی اب کسی اور کو دیکھنے جا رہی ہیں اور یہاں کے لیے منع کر دیا تو اب میں کیا کروں۔" انہوں نے ساری بات تفصیل سے بیان کی۔

"آپ ایسا کریں کہ اس لڑکی سے کورٹ میرج کر لیں۔" ندیم کے بھائی فرحان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ اپنی امی کی مرضی کے بغیر خود سے کوٹ نہیں خرید سکتا کورٹ میرج کرے گا۔ ندیم نے اطہر کا مذاق اڑاتے ہوئے فرحان کے ہاتھ پر تالی ماری۔

"اگر ندیم کورٹ میرج کرے تو تم سب کو کیسا لگے گا؟" اطہر نے غصہ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا؟"

"ہم کیا کر لیں گے۔" فرحان ہنسا۔

"کیوں آنٹی! آپ کیا کہیں گی اس بات پر۔" اطہر نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا اندر سے اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔

"کیا کہوں گی بیٹا! آج کل تو اولاد کی خوشی میں ہی ہم ماں باپ خوش رہتے ہیں اور پھر میں تو ان کی ماں کم اور دوست زیادہ ہوں۔" آنٹی نے لاپروائی سے ایسے کہا جیسے ان کی نظر میں یہ کوئی معیوب بات نہ ہو۔

"چلیں آنٹی آپ تو بہت لبرل ہیں قبول کر لیں گی مگر ہر ماں ایسی نہیں ہوتی۔" اطہر یہ کہہ کر گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

اپنے گھر جاتے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ ندیم کے گھر والے کچھ زیادہ ہی آزاد خیال ہیں۔

وہ ندیم کی امی کو بہت پسند کرتا تھا، ان کے گھر کا ماحول بھی اسے اچھا لگتا تھا، مگر آج وہ سوچ رہا تھا آزاد خیالی ایک حد میں ہی اچھی لگتی ہے۔ گھر کا ماحول ماں بناتی ہے اور میری ماں میرے لیے بھی بہترین انتخاب کریں گی کیوں کہ میں بھی اپنے گھر میں ایسا ہی ماحول چاہوں گا جہاں بڑوں کے سامنے بچے ایک حد میں رہیں۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

اس کی امی کو لڑکی پسند آ گئی تھی اور وہ بھی امی کی پسند پر راضی ہو گیا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ امی نے یقیناً اس کے لیے اچھی لڑکی پسند کی ہو گی۔ اپنی پسند نہ ملنے پر اسے افسوس تو تھا پر وہ اللہ کی رضا سمجھ کر خاموش تھا۔

وہ اس وقت حیران رہ گیا جب منگنی کی انگوٹھی پہناتے وقت اس نے لڑکی کی جگہ پر سائرہ کو دیکھا۔

رسم کے بعد سب ادھر ادھر ہوئے تو ندیم اس کے پاس آیا۔

"آج تو بہت خوش ہو گے تمہاری منگنی تمہاری پسند کی لڑکی سے ہی ہوئی ہے۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے اطہر سے پوچھا۔

"ہاں یار! پتا نہیں کیسے ہو گیا یہ سب؟" اطہر حیرانی سے بولا۔

"ہونا کیا تھا...... ! سائرہ تمہاری قسمت میں تھی، مل گئی۔ اصل میں جس دن تم ہمارے گھر آئے تھے نا اس کے دوسرے دن تمہاری امی آئی تھیں اور ہماری امی سے کہنے لگیں کہ آپ نے جو لڑکی بتائی ہے پہلے وہ دکھا دیں۔ جہاں میں جا رہی تھی اس کے والد باہر گئے ہوئے ہیں جب آئیں گے تب جاؤں گی۔ سوچا یہ دیکھ لوں ہو سکتا ہے یہ زیادہ اچھے لوگ ہوں۔ بس امی لے گئیں اور آنٹی کو سائرہ ایسی پسند آئی کہ ایک ہفتے میں منگنی اور ایک مہینے میں تمہاری شادی رکھ لی۔" ندیم نے تفصیل بتائی تھی۔

☆☆☆

"پتا نہیں اللہ کو میری کون سی بات پسند آئی تھی کہ میرا پردہ رہ گیا اور آج سائرہ میری بیوی۔ اگر امی کو پتا چل جاتا کہ سائرہ میری پسند ہے تو کبھی بھی یہ شادی نہ ہوتی۔"

ان ہی سوچوں میں ڈوبے کب گھر آ گیا اطہر کو پتا ہی نہیں چلا۔ گھر آ کر امی کو سلام کیا، سائرہ کو پھول دیے اور فریش ہونے چلا گیا۔ فریش ہو کر نیچے آیا تو دیکھا سارے مہمان آ چکے تھے۔ سائرہ کے گھر والے بہت عزت سے ملے۔ سائرہ بھی بہت خوش تھی کیوں کہ امی ہر چیز میں اس کو آگے رکھ رہی تھیں آخر کو ان کی پسندیدہ بہو تھی، اوپر سے فرماں بردار بھی۔ اسی خوشی میں کیک لایا گیا جب کیک کاٹا تو امی نے اسے اور سائرہ دونوں کو پیار کیا۔ تقریب بہت اچھی رہی کھانا بھی بہت اچھا تھا جو سائرہ نے امی کی مدد سے تیار کیا تھا۔

"سائرہ! ایک کپ چائے بنا دو۔" اطہر نے سائرہ سے کہا۔

"نہیں، تم بیٹھو سائرہ! تم اور اطہر دونوں گفٹ کھول کر دیکھو، میں چائے لاتی ہوں۔"

سائرہ نے منع کیا تو امی نے ہنس کر کہا۔

"ارے میں زیادہ اچھی چائے بناتی ہوں۔" سائرہ بھی ہنس کر بیٹھ گئی اور میں سوچ رہا تھا جو میں چاہ رہا تھا اگر ویسا ہوتا تو آج گھر کا یہ ماحول نہ ہوتا اور امی اتنی خوش نہ ہوتیں۔

چائے بناتے ہوئے اطہر کی امی سوچ رہی تھیں اگر اس دن اطہر کو بلانے ندیم کے گھر نہ جاتی تو اپنے اتنے اچھے بیٹے کو یہ خوشیاں نہیں دے پاتی۔ وہ اندر جانے کے لیے قدم اٹھانے ہی والی تھیں کہ فرحان کی آواز پر رک گئیں۔ جب وہ کورٹ میرج کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ اور پھر تجسس کے ہاتھوں باہر ہی رک گئیں کہ اطہر کیا جواب دیتا ہے۔ اور جب اطہر نے انہیں جواب دیا تو ان کو احساس ہوا کہ ان کا بیٹا تو ان کا اتنا فرماں بردار ہے کہ اس کی ماں اس کی خواہش پوری نہیں کریں گی اس کے باوجود انہیں دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ بس پھر انہوں نے بھی ایک فیصلہ کیا اپنے بیٹے کو اس کی خوشیاں دینے کا۔

سائرہ کی فیملی سے مل کر انہیں تسلی ہو گئی کہ وہ بھی اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے تو دیر کس بات کی تھی۔ یوں جٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو گیا اور ان کے ایک اچھے فیصلے نے ان کے گھر میں خوشیاں بکھیر دیں۔

چائے لے کر آئیں اور پیار بھری نظر اپنے بیٹے پر ڈالی کہ جن کے بیٹے اتنے فرماں بردار ہوں ان کے لیے ماں باپ کا دل بھی اتنا ہی نرم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اصول چھوڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

☆☆

کوثر ناز

ہماری محبت بھی پنجاب یونیورسٹی کے ان ہی درختوں تلے پھلی پھولی جن کے سائے میں آئے روز کئی نئے جوڑے عہد تجدید وفا کرتے ہیں اور جو درخت پانی سے زیادہ جدائی کی راہ چننے والے محبت کے پنچھیوں کے آنسوؤں کے ساتھ بہتے جذبات کے باعث پروان چڑھتے ہیں۔

میں یہاں اس وقت آئی تھی جب میرے جذبات اور میرے خواب عروج پر تھے۔

میرے خوابوں کا حصول میری زندگی کی اولین ترجیح تھا۔

میرے خوابوں میں سے ایک خواب اس یونیورسٹی سے ”فیکلٹی آف بی ہیویرل اینڈ سوشل سائنس“ کی ڈگری لینا بھی تھا۔ یہ چننے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ میں زندگی کو بہت گہری نظر سے دیکھنا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ زندگی مجھے جس کہانی میں بھی نظر آئے اسے امید کا دامن تھما کر اس کی کہانی میں رنگوں کا کردار ادا کروں۔ جوانی کا جوش تھا کہ ہر کسی کی مدد کو فوراً تیار رہا کرتی۔

مجھے یہاں آئے چار ماہ ہونے کو آئے تھے، جب مجھے وہ ملا۔ وہیں انہی درختوں کی اوٹ میں کوئی دبلا پتلا سا نوجوان چہرے پر مایوسی کی کیفیت سموئے قلم سے زمین کو کریدتے ہوئے اپنے حال پر بے حال تھا۔ میں جو کسی کو دوست نہ رکھتی تھی، کسی سے مراسم نہ بڑھاتی تھی اس کی جانب چل پڑی۔

”بھری جوانی میں زندگی سے مایوس ہو جانا دو وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے، یا تو جب دل کو شدید ٹھیس پہنچے ہے یا پھر گھریلو حالات ذہنی آسودگی دینے میں ناکام نظر آتے ہیں۔“ یہ میرا تجربہ تھا جو اس کے ساتھ بانٹ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر مجھے نہیں دیکھا لیکن سینڈلز کی قید میں میرے سفید پیروں کو کئی لمحوں تک تکتا رہا۔ نظر انداز کر کے پھر زمین کو کریدنے لگا۔

”تمہارے لباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم گھریلو مسئلوں کا شکار نہیں ہو تمہارا مسئلہ محبت ہے۔“

میں اس کے سامنے جھکتے ہوئے اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا چکی تو اس نے بغور مجھے دیکھا۔ ہری آنکھوں والے نوجوان، جو یقیناً پٹھان تھا، نے سر پر اگے ہوئے بالوں کے بھاری بھرکم چھتے کو ہاتھ سے نئے سرے سے ترتیب دیا اور مجھ پر نظر جمالی۔

”مجھے یہاں تمہاری محبت نہیں کھینچ لائی ہے لیکن ہاں تمہارا یوں بے حال ہونا مجھے تمہارے پاس لایا ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ زندگی میں ایسا کون سا روگ ہے جو انسان کو اتنا مایوس کر دیتا اور میں جاننا چاہتی ہوں کہ کیا میں کسی کو امید دے سکتی ہوں۔“ میں اسے اپنی جانب تکتے ہوئے پا کر کہہ رہی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں کرب تھا تکلیف تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی یاسیت تھی مایوسی تھی۔

”مجھ پر ایکسپیریمنٹ کرنے آئی ہیں؟“ اس کی اردو اچھی تھی لیکن لہجہ پختون ہونے کی چغلی کھا رہا تھا میں ہنس دی۔

”مطلب؟“

”مطلب یہی نا کہ آج جو لیکچر ملا اس کے بعد آپ یہ محسوس کر رہی ہوں گی کہ اس کا تجربہ بھی کیا جائے کہ آیا آپ امید دینے کے لائق ہیں یا نہیں؟“ وہ بڑی بے باکی سے سوال کر رہا تھا میں گڑبڑا کر رہ گئی۔

”نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“ میں اپنی نظر میں چور بن گئی کہیں نہ کہیں یہ لیکچر کا ہی اثر تھا کہ میں اس کی جانب کھنچی چلی آئی تھی۔

”مجھے امید کس بنیاد پر دیں گی آپ؟ کیا آپ میرے حالات سے واقف ہیں یا یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی بھی لڑکی کو اپنے حالات سے آگاہی دے دوں گا؟“ وہ سخت مزاج تھا یقیناً پٹھانوں کا اصلی وارث تھا۔

”تم......“ وہ میرا سوال بھانپ گیا تھا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

یعنی وہ میرا کلاس فیلو تھا لیکن میں نے اسے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

”میرا مقصد تم سے کچھ اگلوانا یا ہمدردی کرنا

نہیں تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ زندگی کا روشن چہرہ دیکھوں۔ مایوسی کفر ہے۔"

"یہ ساری باتیں کتابی ہیں اور زندگی ڈھائی گھنٹے کی فلم نہیں ہے۔" وہ زندگی کے خوب صورت ترین حصے میں تلخ یادیں جمع کر رہا تھا۔

"اسی لیے تو اسے امیدوں سے پُر ہونا چاہیے۔" میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی اور نہ میں وہاں سے اٹھ کر اپنا راستہ ناپنا چاہتی تھی۔ میں ایسا کرتی تو وہ ایک طنزیہ ہنسی میری جانب اچھالتا اور پھر اپنی اداسی میں غرق ہو جاتا۔

"میں خود کو جھوٹی تسلی دینے پر یقین نہیں رکھتا۔ جب میں محسوس کرتا ہوں کہ زندگی میں مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔"

"آپ سمجھتے ہیں یہ بہادری کا کام ہے؟" میں نے ٹھان لی تھی کہ اس کی رائے بدلنی ہے۔

"تو بہادری اس میں ہے کہ اپنی تکلیف کو نظر انداز کر کے ہنسو اور کہو کہ اٹس آل فائن ہے؟"

"بالکل۔ اپنی تکلیف کو بھول کر مسکرانا ہی اصل میں زندہ دلی کا کام ہے۔"

"لیکن مجھے زندہ دلی کا تمغہ لینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"یعنی مایوس انسان کہلوانا چاہتے ہیں؟ اپنی حالت خود نہیں بدلنا چاہتے؟" سوال در سوالات سے تنگ آ کر وہ اٹھ گیا، میں نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بہت سنا تھا کہ پٹھان ہٹ دھرم ہوتے ہیں کسی کی نہیں سنتے۔ اپنی عقل کی کرتے ہیں اور وہ سبز آنکھوں والا بھی اپنی ہی سننے کا عادی تھا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو یونیورسٹی کا وہ پورا خطہ خالی ہو گیا۔ اچانک منظر موسم سب بدل گیا تھا۔ میں ہمدردی کے تحت آئی تھی اور اب اپنا دل لیے بیٹھی تھی۔ مجھے مایوسی ہوئی میں اسے سمجھانے میں ناکام ٹھہری تھی لیکن فی الحال مکمل مایوس نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

اس ایک دن کے بعد میں پورا ہفتہ بے چینی سے اسے ڈھونڈتی رہی لیکن مجھے وہ کہیں نہیں ملا تھا کلاس میں، ارد گرد ہر روز کئی کئی بار اسے ڈھونڈنے کے لیے نگاہ دوڑاتی اور سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ آتا۔ یہ اس دن کا دوسرا پیریڈ تھا جب میں ڈائری پر آڑی ترچھی سطریں کھینچتے ہوئے اپنے الجھے ہوئے ذہن کو تسکین دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی تبھی کسی نے آ کر میرے ہاتھ سے پین چھین لیا۔

"ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔ کسی کو امید دینی ہو تو پھر خود کو ثابت قدم ثابت کرنا ہوتا ہے۔" وہ جانے کب آ کر میرے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا تھا اور نہ جانے کیسے میرے چہرے کو پڑھ لیا تھا۔

میں اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔ میرا دل نئی لے سے آشنائی پانے لگا۔ محبت ہونے کے قریب تھی شاید یا ہو گئی تھی لیکن دل اسے دیکھ کر دھڑکنے لگا۔

"کتنا یاد کیا مجھے؟" پھر ہفتے بعد وہ مجھے لیے اسی درخت تلے بیٹھا تھا جہاں ہم پہلی بار ملے تھے۔

"میں کیوں یاد کروں گی؟" میں سرے سے انکاری ہوئی۔

"کھاؤ قسم کہ یاد نہیں کیا۔" اس کی آنکھوں میں جگنو سے روشن تھے میں ڈر گئی تھی۔ جہاں کچھ عرصے پہلے سارے رنگ ماند تھے وہیں کئی اب خواب روشن تھے۔ جو لب مایوسی کی کیفیت کے باعث مرجھائے ہوئے تھے آج کھل رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں میری کیفیت بھانپ کر شرارت ناچ رہی تھی۔ اور میں اس سے نگاہ چرانے پر مصر تھی۔ میرے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا کہ کہیں اس حسن کے دیوتا کو میری نظر نہ لگ جائے یا پھر وہ میری نظر سے کچھ نہ جان لے۔

میں اپنی کتابیں اور بیگ اٹھا کر اٹھنے لگی اس نے بے دھڑک ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

"محبت اس طرح چھپانے سے چھپ نہیں جاتی۔" میں نے آنکھیں موند لیں۔ اس کا لمس جان لیوا تھا اور میں کسی قیامت کے لیے تیار نہیں تھی۔

"محبت کون سی؟" خود کو کسی حد تک سنبھالتے ہوئے میں اس سے پوچھ رہی تھی وہ کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ فوراً سے پیشتر بدلا۔

"وہی محبت جس کا ذکر تم نے مجھ سے کیا تھا۔ جس محبت کا غم مجھے بنجر کر رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ مایوسی حل نہیں ہے۔" وہ اب مسکرا کر اسے دیکھ رہا اس کی مسکراہٹ میں مصلحت تھی۔ میری بھی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یعنی میرا سمجھانا خالی یا بیکار نہیں گیا تھا میرا سمجھانا کام آیا تھا۔ میرے لیے یہ کامیابی بہت تھی۔ میں امید کا استعارہ ہو سکتی تھی۔ میں خوش تھی اور وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

"تم میرے لیے امید کا استعارہ ہو حور۔"

چوتھے سمسٹر تک آتے آتے ہمارے درمیان محبت پروان چڑھ چکی تھی ہم یک جان دو قالب ہو گئے تھے۔

اس سے اس قدر محبت کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ مجھ پر بے حد انحصار کرنے لگا تھا۔ اس کا ہر کام مجھ سے شروع ہو کر مجھ پر ختم ہونے لگا تھا اس نے خود کو میرے سپرد کر دیا تھا اور میں اسے لے کر بے حد محتاط ہو گئی۔

ہمارے درمیان محبت کا باقاعدہ اظہار دوسرے سمسٹر کی شروعات میں ہوا جب ہم کئی ہفتوں کی چھٹیاں گھر گزارنے کے بعد واپس ملے تھے اور اس نے مجھے اپنی پہلی محبت کی داستان سنائی۔

اس کی پہلی محبت اس سے کئی سال بڑی لڑکی تھی۔ جس نے محبت تو کی لیکن خاندانی روایات کی بھینٹ چڑھ گئی۔ پہلی محبت یا دل لگی کی جدائی تھی جب سر چڑھ کر بولنے لگی اور گھریلو حالات اتنے سازگار نہ تھے کہ وہ شادی کر سکتا یا گھر میں اطلاع ہی کر دیتا۔ سو مایوسی کی راہ پر چل نکلا لیکن پھر میرا ساتھ میرا اعتماد پا کر وہ پھر سے جینے لگا تھا۔

اس نے میری طرح زندگی کے نئے رنگوں کو محسوس کیا تھا۔ میں اگر اس پر عاشق تھی تو وہ بھی مجھ سے پہلی سی محبت کرنے لگا تھا۔ ہم نے پنجاب یونیورسٹی کے انہی درختوں کے سائے تلے بیٹھ کر مستقبل کے حسین خواب بنے تھے جنہیں گواہ کر کے ہر جوڑا اپنا عہد ہزار بار دہراتا ہے۔ ہم اس تمام عرصے میں ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھ رہے تھے۔ وہ مالی طور پر غیر مستحکم تھا تو میں اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی اور اگر میں سیاست کے میدان میں کامیاب امیدوار والد اور سوشل ایکٹیوٹیز میں مصروف ماں کی عدم توجہ کا شکار تھی تو اس نے اپنی محبت سے میری تمام محرومیاں دور کر دی تھیں۔

ہماری سانسیں حقیقتاً ایک ساتھ چلنے لگی تھیں۔ محبت ہماری نس نس میں رچ بس گئی اور یہاں آ کر ہماری محبت مکمل ہو گئی لیکن وہ مجھ سے ضد کیا کرتا کہ محبت شادی تک ادھوری ہوتی ہے شادی محبت کو مکمل کرتی ہے لیکن میرا موقف تھا کہ محبت اقرار کے بعد مکمل ہو جاتی ہے بعد کی محبت تو محبت کی طویل عمری یا مختصر عمری کا نام ہوتی ہے لیکن وہ شادی کے لیے کہتا تو میں ہر بار اس کا ہاتھ تھام کر اسے دلاسا دیتی اور شادی کی یقین دہانی کرواتی۔

☆☆☆

ہمیں ایک ساتھ یہ تیسرا اور آخری سال تھا۔

ان ہی دنوں جب امتحانات کی تیاری کے لیے تمام طلباء اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تو میں بھی اس وعدے پر روانہ ہوئی کہ امتحانات کے بعد وہ اپنے والدین کو میرے گھر لائے گا اور وہ بخوشی راضی ہو گیا۔ میں نے گھر میں بات کر لی تھی۔ بابا آسانی سے مان گئے ہر بار کی طرح انہوں نے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی تھی جب کہ ماما نے میرے خلاف محاذ کھول لیا۔

وہ مجھے حذیفہ خان کی مالی حالت کے طعنے دیتیں تو کبھی ہمارے اسٹیٹس کا نہ ملنا ان کی فکریں بڑھائے رکھتا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کا سوشل سرکل ان پر تھو تھو کرے گا جبکہ بابا کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ جتنا بابا کا سیاسی اثر و رسوخ ہے اس کی بنا پر وہ ایک سے ایک بہترین رشتوں کی لائن لگا سکتے ہیں۔

ماما نے جتنا بھی شور کیا وہ کسی نے سنا ہی نہیں تھا کیونکہ بابا کا کہنا تھا جہاں ان کی بیٹی کی رضا ہوگی وہ وہیں میری شادی کریں گے اور مجھے کیا چاہیے تھا؟

میں نے یہ خوش خبری حذیفہ خان کو فون کر کے سنائی تھی اور وہ بے تحاشا خوش ہوا اس نے اطلاع دی تھی کہ اس کے والدین اس کے ساتھ میرے گھر آنے کو تیار ہیں۔ ان دنوں ہماری خوشیاں حقیقتاً آسمان کو چھوتی تھیں۔ ہمیں دنیا اپنی مٹھی میں اور آسمان اپنی دھرتی لگنے لگا تھا۔

لیکن پھر اچانک...... اچانک ہماری محبت کو بھی یونیورسٹی میں شروع ہو کر وہیں ختم ہو جانے والی محبتوں کی نظر لگ گئی۔ وہ تمام محبتیں جن کا انجام اچھا نہیں ہوا تھا۔ اس روز آسمان سوگوار تھا، ہلکی پھلکی بوندا باندی میرے غم میں برابر کی شریک تھی۔ میرے آنچل سے چھیڑ خانی کرتی ہوا میرے بکھرے سراپے کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

میں حذیفہ خان کا انکار سن کر اسی راہ داری سے بے حال اور بے ڈھنگی چال چل کر جا رہی تھی جہاں کبھی ہم نے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے عہد کیے تھے۔

حذیفہ نے مجھے کہا تھا کہ ”میری پہلی محبت لوٹ آئی ہے اسے طلاق ہوگئی ہے اور جور مجھے آج پتا چلا ہے کہ میں تم میں سہارا ڈھونڈ رہا تھا لیکن میری محبت تو بس وہی تھی جسے دیکھ کر میرا دل آج بھی دھڑکتا ہے، جس کا سوگوار حسن مجھے تم سے بے وفائی پر مجبور کر رہا ہے۔“ اور میں نے پھر کچھ نہیں کہا میں بکھر گئی تھی۔ وہ مجھے امید اور تسلی کے الفاظ دینا چاہتا تھا لیکن میں ہار گئی۔ میں اب سمجھ گئی تھی کہ جب حقیقی مات ہو تو روح کیسے چھلنی چھلنی ہو جاتی ہے۔

موسم مجھے اپنی ہمراہی کا مکمل یقین دلا رہا تھا بارش اب تیزی سے برسنے لگی تھی۔ کوئی میرے سر پر چھتری لیے میرے ساتھ چل رہا تھا میں نے اجنبی نگاہ سے اسے دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر اپنے سر سے چھتری گرا دی۔ مجھے بارش میں بھیگنا تھا مجھے اپنا غم دھونا تھا۔ گھر جانے سے پہلے مجھے اپنا غم کم کرنا تھا۔ مجھے ماما کے منتخب کیے گئے اس لڑکے سے شادی کرنی تھی جس کی تعریف میں ماما میرے یہاں آنے تک زمین و آسمان کے قلابے ملاتی رہی تھیں لیکن میں نے حذیفہ خان کی محبت میں ان کی کسی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔

☆☆☆

ماہ و سال گزر گئے تو زندگی بھی بدل گئی تھی۔ میری زندگی میں کامران اور پھر چند سال بعد میرا چاند ہادی آ گیا تھا۔ میرا غم کم ہو گیا تھا۔ میں اسے تقریباً بھلا چکی تھی کیونکہ کامران بہت محبت کرنے والا شخص تھا اور اس کا مستقبل خاصا روشن تھا۔ وہ اقتدار میں موجود سیاسی جماعت کا متحرک کارکن تھا اور ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔ کامران سے شادی کے بعد میں صرف گھر اور اپنے بیٹے کی ہو گئی تھی۔ کامران کی ہمیشہ خواہش ہوتی کہ ان کے ہمراہ سیاسی محافل میں جاؤں لیکن میں گھریلو ماحول میں اتنا رچ بس گئی تھی کہ باہر نکلنا عذاب لگتا تھا۔ مجھے حذیفہ کے بعد محبت اور لوگوں سے خوف آنے لگا تھا۔ لوگوں میں یا دنیاوی چیزوں میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ وقت گزرتا گیا تو کامران بھی میری فطرت سے آگاہ ہوتے گئے اور انہوں نے سوشل ایکٹیوٹیز میں مجھے لے جانے کی ضد کرنا چھوڑ دی اور اب ہم اپنی دنیا میں پرسکون تھے۔

☆☆☆

ہادی تین سال کا ہوا تو اسے اسکول میں داخل کروانے کے بعد کچھ وقت خود کے لیے میسر آتا تو ایسے میں، میں ٹی وی چلا لیتی۔ میری شادی سے لے کر اب تک، میں باہر کی دنیا سے مکمل طور پر بے خبر تھی۔ میں جانتی تھی کہ کامران سیاست میں بڑا نام رکھتے ہیں لیکن کبھی ان کی ٹاک شوز میں آمد یا سیاسی بیان نہیں دیکھے۔ کبھی ان کے کام میں دلچسپی نہیں لی اور نہ ہی وہ سیاست کو کبھی گھر میں لے کر آئے لیکن اب کچھ عرصے سے خاصے پریشان دکھائی دیتے تھے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ دوسری سیاسی جماعت کا کوئی

کارکن ہمارے حلقے میں سرگرم ہے اور اس بار الیکشن جیتنے کی بھرپور تیاری کر رہا ہے اور وہ ہر طرح سے اسے ناکام کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

میں سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنے آپ میں مگن تھی۔ نہ جانے کیوں ہادی کے اسکول جاتے ہی مجھے اپنا تنہا ہونا یاد آجایا کرتا۔ اور میں پھر اس راہ داری پر چل نکلتی جس پر بھی برستی بارش اور چلتی تیز ہوا مجھے سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

اس روز بھی میں ماضی سے نکل کر حال میں تب لوٹی جب میری خادمہ ٹی وی دیکھتے ہوئے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی میں حیرانی سے اسے ہاتھ میں جھاڑو پکڑے دیکھتے ہوئے ٹی وی کے سامنے آموجود ہوئی وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

''باجی ہٹو آگے سے دیکھنے دو نا۔ یہ میرا پسندیدہ پروگرام ہے کتنا ہنساتے ہیں اس میں۔ پتا ہے اس میں سیاست دان آکر بڑے مزے مزے کی باتیں بتاتے ہیں اور دیکھیں آج تو صاحب کے حلقے کے مخالف آئے ہوئے ہیں۔'' میری ٹی وی پر جمی نظر گڑی کی گڑی رہ گئی وہ مسلسل بول رہی تھی۔ وہ مسلسل بول رہی تھی اور میں صدمے کے باعث وہیں صوفے میں دھنس گئی۔

''غیر سیاسی پروگرام میں ضروری ہوتا ہے کہ سیاست دان اپنا سیاسی چولا اتار پھینکے اور آپ ہیں کہ بیان بدل ہی نہیں رہے۔'' ہوسٹ کے سوال پر وہ ہنس رہا تھا ساتھی سیاست دان مسکرا رہے تھے۔ کامیڈینز جگتیں کر رہے تھے اور وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''شادی نہ کرنے کی وجہ سلمان خان کی پیروی کرنا ہے یا شیخ رشید سے متاثر ہیں؟'' ایک اور چٹکلا نما سوال وارد ہوا تھا اور چہرے کا رنگ دونوں کا فق ہو گیا۔ ٹی وی کے اندر اُس کا اور باہر حورین کا۔

''جس لڑکی سے مجھے عشق تھا اس تک پہنچنے کی اس وقت اوقات نہیں تھی۔ میرے والدین اس کے والد کی دھمکی سے ڈر گئے تھے اور مجبوراً مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ دوسرے معنوں میں اپنی محبت سے ہاتھ دھو بیٹھا تو پھر دل کو کوئی اور بھائی ہی نہیں۔'' شکستگی اور کرب آواز میں ہی نہیں چہرے پر بھی واضح تھا۔ وہ اعتراف کر رہا تھا۔

حورین مزید صدموں کی زد میں آگئی تھی۔ بابا اتنی آسانی سے کس لیے مانے؟ یعنی سیاسی کھیل کھیلا تھا انہوں نے۔ جس کے سامنے وہ ہار گیا تھا کیونکہ اس کی اوقات بابا کے رسوخ سے بہت نیچے تھی۔

''تو پھر آپ نے محبوبہ کے کرتا دھرتاؤں کو کوئی سبق کیوں نہیں سکھایا۔'' یقیناً وہ مزاح کے انداز میں سوال تھا لیکن وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''کیونکہ میں نے انہیں سیاسی مات دینے کی ٹھان لی تھی۔'' اس کے جواب پر ایک قہقہہ بلند ہوا لیکن اس کے آنسو تھے کہ اپنی کم عقلی پر ماتم کناں تھے۔ اس کی محبت جو باپ کی حیثیت کی نذر ہو گئی اس پر بہہ رہے تھے۔

پروگرام ختم ہو گیا تھا لیکن وہ ٹی وی کے سامنے سے ہل بھی نہیں پائی تھی۔ کامران آئے تو بتول اٹھ کر بھاگ گئی جب کہ وہ میرے ساتھ بیٹھے مخالف سیاسی کارکن کی برائیاں کر رہے تھے۔ میں جو خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی لیکن چپ تھی کہ پھر وہ بہت خاموش پا کر بول اٹھے۔

''کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا؟''

''ہاں بالکل سب ٹھیک ہے۔'' میں نے کھل کر مسکرانے کی کوشش کی۔

''کیا سوچ رہی جو اتنی اداس ہو؟''

''آپ کے علاوہ اور کچھ سوچا یا سمجھا جا سکتا ہے؟'' میں نڈر ہو کر کہہ رہی تھی کامران کا قہقہہ بلند ہوا۔ دل نے مجھے اندر ہی اندر ملامت کی تھی لیکن میں ڈھیٹ بن گئی تھی کیونکہ ایسے ''غیر سیاسی'' سوالوں پر ''سیاسی'' جوابات دینے والی 'مات' تو سو میں سے ستر عورتیں اپنے گھر کے حاکموں کو دیتی ہی آئی ہیں۔ اس میں انوکھا کیا تھا؟

☆☆

شعاع عزیر

تدبیر۔ تقدیر

☆بندے کے آگے اور پیچھے اس کے نگہبان ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ٹل نہیں سکتی اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔ (سورۃ الرعد۔ 11)

لوح محفوظ

☆ملک پر اور خود تم پر کوئی مصیبت نہیں آتی جو پہلے سے لکھی نہ ہو ایک کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کہ ہم اس کو پیدا کریں گے۔ بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے تاکہ جو تمہارے ہاتھ نہیں آیا اس پر غم نہ کھایا کرو اور جو اس نے تم کو دیا اس پر خوشی نہ مناؤ اور اللہ کسی اترانے اور بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ الحدید......22-23)

☆اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) اس کے پاس ہے۔ (سورۃ الرعد۔ 39)

جنت یا دوزخ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ صادق المصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں پوری کی جاتی ہے پھر چالیس دن میں نطفہ خون بستہ بن جاتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں وہ مضغہ گوشت ہوتا ہے پھر اللہ ایک فرشتے کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے پس وہ اس کا عمل، اس کی موت، اس کا رزق اور شقاوت یا سعادت لکھ دیتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اور ایک آدمی دوزخیوں جیسا عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو فوراً اس کا نوشتہ تقدیر آگے بڑھتا ہے اور وہ اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ الٰہی آگے بڑھتا ہے اور وہ دوزخیوں جیسے عمل کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری۔ 561)

حضرت علیؓ نے فرمایا

(1) اپنے ہمسفر سے اپنے جیسا ہونے کی امید مت کرو، کیونکہ تم کسی کا سیدھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

(2) خلوص اور اچھائی اپنے الفاظ میں نہیں اپنی نیت اور فطرت میں پیدا کرو تاکہ تم لوگوں کے عیب نہیں ان کی خوبیاں دیکھ پاؤ بے شک یہ تمہاری عزت اور بخشش کا وسیلہ ہے۔

(3) میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ بہترین عمل اور دین کا ستون ہے۔

(4) کوتاہی کا نتیجہ شرمندگی ہے اور دور اندیشی کا نتیجہ سلامتی ہے۔

(5) آدمی کا وزن اس کی عقل ہے۔

(6) ضرورت سے زیادہ کا سوال نہ کرو اور مل جانے سے زیادہ طلب نہ کرو۔

سحر وقاص راجپوت......لاہور

زبان کی اہمیت

ایک دفعہ کسی شخص نے جعفر برمکی سے پوچھا: ''آدمی میں کتنے عیب ہوتے ہیں؟''

آپ نے جواب دیا: ''عیب تو بے شمار ہیں مگر ایک خوبی ایسی ہے کہ اگر وہ کسی آدمی میں ہو تو تمام عیب چھپ جاتے ہیں۔''

سائل نے پوچھا: ''وہ خوبی کیا ہے؟''

آپ نے جواب دیا: ''زبان پر قابو۔''

حریم سلمان......کراچی

دلچسپ معلومات

☆ جتنی مرضی کوشش کر لیں جو مرضی کر لیں آپ یہ یاد نہیں کر سکتے آپ کا خواب کہاں سے شروع ہوا تھا۔

☆ گھوڑا، بلی اور سانپ بہرے ہوتے ہیں۔

☆ ٹھنڈا پانی گرم پانی سے زیادہ ہلکا ہوتا ہے۔

☆ اٹھارویں صدی میں کیچپ بطور دوا استعمال ہوتا تھا۔

☆ اگر موٹے گلاس میں گرم مشروب ڈالا جائے تو پتلے گلاس کی نسبت اس کے ٹوٹنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

ثناء شہزاد......کراچی

قابل قدر

☆ کرامت یہ ہے کہ ایسی نیکی تم سے ظاہر ہو جو اور کسی سے نہ ہو۔

☆ ہم میں سے اکثر خاموشی کے مفہوم کو سمجھتے ہیں لیکن اس بات سے بہت کم آگاہ ہیں کہ خاموشی کب اختیار کی جائے۔

☆ جس کے والدین ادب نہیں سکھاتے اس کو زمانہ سکھاتا ہے۔

☆ بہت سے لوگ جتنی محنت سے جہنم کماتے ہیں اس سے آدھی محنت میں جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ادیبہ......لاٹھیانوالہ

سکون کی تلاش

میں دوپہر کو پورچ میں بیٹھا تھا کہ اس دوران ایک ایشین نسل کا خوب صورت لیکن انتہائی تھکا ماندہ سا چھوٹا کتا کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اس کے گلے میں پٹا بھی تھا۔ میں نے اسے پچکارا وہ دم ہلاتا وہیں بیٹھ گیا بعد میں اٹھ کر اندر گیا تو وہ کتا بھی میرے پیچھے پیچھے کمرے میں چلا آیا اور کھڑکی کے پاس پاؤں پھیلا کر سو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کی نیند کے بعد کتا اٹھا اور دروازے کی طرف گیا تو میں نے دروازہ کھول دیا اور کتا باہر چلا گیا۔

اگلے دن اسی وقت وہ پھر آ گیا اور ایک گھنٹہ سو کر چلا گیا اس کے بعد وہ روز آنے لگا۔ آتا سوتا اور پھر چلا جاتا۔ مجھے تجسس ہوا۔ آخر وہ کتا کس کا ہے اور کہاں سے آتا ہے۔ میں نے اس کے پٹے میں ایک چٹھی باندھ دی جس پر لکھا تھا۔

"آپ کا کتا روز میرے گھر آ کر سوتا ہے یہ آپ کو معلوم ہے کیا؟"

اگلے دن جب وہ پیارا سا کتا آیا تو اس کے پٹے پر ایک چٹھی بندھی ہوئی تھی۔ اسے نکال کر میں نے پڑھا اس میں لکھا تھا۔

"یہ بہت اچھا پالتو کتا ہے۔ میرے ساتھ ہی رہتا ہے لیکن میری بیوی کی دن رات کی جھک جھک، بک بک کی وجہ سے وہ چین سے سو نہیں پاتا اور روز ہمارے گھر سے چلا جاتا ہے۔ اگر اجازت دیں تو کیا میں بھی اس کے ساتھ آ سکتا ہوں؟"

افشاں سیج......کراچی

علم

1۔ اچھا سوال آدھا علم ہے۔

2۔ ستارے آسمان کے لیے زیور ہیں اور تعلیم یافتہ افراد زمین کی زینت ہیں۔

3۔ علم انسان کی تیسری آنکھ ہے۔

4۔ علم کی تحقیق میں "بحث" جہاد ہے۔

5۔ علم دوست ہے انسان کو یہ دوستی فائدہ دیتی ہے۔

گڑیا راجپوت......جاتری شریف

خوش نصیب شاعر

اعظم گڑھ کے ایک قصبہ میں سامعین کا یہ موڈ ہو گیا کہ پرانی غزل پر پرانا کلام نہیں سنیں گے۔ بیکل اتساہی اور وسیم بریلوی جتنی غزلیں انہیں یاد تھیں سب کا پہلا مصرعہ سنانے لگے اور مجمع سے آواز آتی رہی کہ سنی ہوئی ہے آخر کار ان لوگوں نے مہلت مانگی کہ جائے قیام سے اپنی اپنی بیاضیں لے آئیں۔

بشیر بدر بھی سراسیمہ کہ کون سی غزل پڑھیں۔ ان کے پاس ایک اور شاعر بیٹھے تھے وہ بشیر بدر کو ایک مصرعہ سناتے اور پوچھتے یہ غزل پڑھ لوں۔ پھر وہ خود ہی کہتے، یہ غزل وہاں پڑھ چکا ہوں۔ دیکھیے، یہ غزل پڑھ لوں پھر وہ کہتے" یہ میں فلاں قصبے میں پڑھ چکا ہوں۔" آخر بشیر بدر نے تنگ آ کر کہا۔

"بھائی! تم سب سے خوش نصیب شاعر ہو تمہارا کوئی شعر کسی کو یاد ہی نہیں رہ سکتا۔ نہ یقین آئے تو تم وہی غزل پڑھ کے دیکھ لو جو گزشتہ برس یہاں پڑھ چکے ہو۔

اقصیٰ شہزاد...... ڈھوک اعوان سکھر

اعتماد

1۔ ہر آدمی سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ لیکن بے تکلفی بہت کم لوگوں کے ساتھ رکھو اور ان بہت کم لوگوں پر اعتماد کرنے سے پہلے انہیں اچھی طرح آزما لو۔

2۔ جس نے ایک بار اعتماد شکنی کی ہو، اس پر کبھی بھروسانہ کریں۔

3۔ اعتماد کا پودا، آہستہ آہستہ نشوونما پاتا ہے۔

4۔ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے، اس پر اعتماد نہ کریں۔

5۔ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے ہیں۔

6۔ عورتیں مردوں پر بالکل اعتبار نہیں کرتیں۔ لیکن کسی خاص مرد کے معاملے میں اپنے اس اصول کو بھول جاتی ہیں۔

قاضی صبا ایوب...... اٹک

تعویذ

شیخ سعدی سفر کر رہے تھے۔ ساتھ ان کا گدھا تھا۔ ایک گاؤں میں پہنچے تو رات پڑ گئی۔ سردی کے دن تھے رات بسر کرنے کا ٹھکانا تلاش کرنے لگے۔ گاؤں والوں میں سے کوئی ٹھکانا دینے پر رضا مند نہ ہوا۔ آخر ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گھر والے نے کہا۔

"میری بیوی دردزہ میں تڑپ رہی ہے، بچہ نہیں ہوتا اگر تو دعا کرے تو جگہ دے دوں گا۔"

شیخ سعدی مان گئے۔ انہیں کمرہ مل گیا۔ پھر انہوں نے ایک پرزے پر تعویذ لکھا اور گھر والے سے کہا۔

"اسے مریضہ کی ناف پر باندھ دو۔" تعویذ باندھتے ہی بچہ ہو گیا۔

اگلی صبح شیخ سعدی تو چلے گئے۔ جب بھی کسی گاؤں والی کو زچگی ہوتی تو گاؤں والے وہی تعویذ لے جا کر باندھ دیتے تکلیف رفع ہو جاتی۔

گاؤں کے مولوی کو اس بات پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے سوچا اگر تعویذ لکھی ہوئی آیت کا پتا چل جائے تو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ مولوی نے جھوٹ موٹ کا بہانہ تراشا اور تعویذ مانگ کرلے گیا۔ اسے کھولا تو، تو لکھا تھا۔

"یا اللہ! میں اور میرا گدھا اب آرام سے ہیں۔ ٹھکانا مل گیا۔ باقی تو جانے اور تیرا کام۔

انقلابی لوگ

امام خمینی اپنی جوانی میں جب انقلاب کی تحریک کے سربراہ تھے اور ان کی قوم عیاشیوں میں مبتلا تھی تو ایک دن ان سے پوچھا گیا اے قوم، یہ لوگ اسلامی انقلاب لائیں گے جو خود بدکرداری، بزدلی، مایوسی، کرپشن اور بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں؟ تو امام خمینی نے اپنے قریب کھڑی عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں...... بلکہ اس خاتون کی گود میں جو بچہ ہے، یہ نسل انقلاب لائے گی۔"

سبق: بزدل، کم ہمت اور مایوس قوم سے انقلاب کی توقع رکھنا فضول ہے، انقلاب کے لیے ہمیشہ ایک نئی پود، نئی نسل، نیا ذہن اور نیا جذبہ نڈر اور بہادر قوم کو تیار کرنا پڑتا ہے۔

عائشہ کیانی...... میرا موڑہ

☆☆

اقصیٰ امان، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

مجھے ایسا لطف عطا کیا کہ جو ہجر تھا نہ وصال تھا
مرے موسموں کے مزاج داں تجھے میرا کتنا خیال تھا

کسی اور چہرے کو دیکھ کر تیری شکل ذہن میں آ گئی
ترا نام لے کے ملا اسے میرے حافظے کا یہ حال تھا

کبھی موسموں کے سراب میں کبھی بام و در کے عذاب میں
وہاں عمر ہم نے گزار دی جہاں سانس لینا محال تھا

کبھی تو نے غور نہیں کیا کہ یہ لوگ کیسے اجڑ گئے
کوئی میر جیسا گرفتہ دل تیرے سامنے کی مثال تھا

تیرے بعد کوئی نہیں ملا جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جلا گئی مرے دل کو کس کا ملال تھا

کہیں خون دل سے لکھا تو تھا ترے سال ہجر کا سانحہ
وہ ادھوری ڈائری کھو گئی وہ نہ جانے کون سا سال تھا

فریدہ حق، کی ڈائری میں تحریر

ایک خوبصورت غزل

تیری کیفیت میرے ہم نفس کبھی آگ ہے کبھی آب ہے
تیرے اختیار میں کچھ نہیں یہ محبتوں کا عذاب ہے

ذرا ٹھہر جا، ذرا سوچ لے، میں تیرا ہوا کہ نہیں ہوا
تیری آگہی کے قریب ہی تیری وحشتوں کا سراب ہے

دل بے اماں کو اماں ملی، تری توجہ کو کہاں ملی
جہاں تو نے ماتھا لگا دیا، میرا سینہ خانہ خراب ہے

وہی ہے گلی وہی ہے بسی وہی بندشیں وہی چاہتیں
میں ابھی تلک نہ سمجھ سکا تو نصیب ہے کہ نصاب ہے

کوئی ایک غالد نہیں یہاں جو تڑپ رہا ہے نہاں نہاں
وہ عاشقی کے جہاں میں سبھی صورتوں پہ نقاب ہے

اقرا سرور، کی ڈائری میں تحریر

قمر جلالوی کی غزل

کسی صورت سحر نہیں ہوتی
رات ادھر سے ادھر نہیں ہوتی

خوف صیاد سے نہ برق کا ڈر
بات یہ اپنے گھر نہیں ہوتی

ایک وہ ہیں [illegible] روز آتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ خبر نہیں ہوتی

اب میں سمجھا ہوں کاٹ کر شب غم
زندگی مختصر نہیں ہوتی

کتنی پابند وضع ہے شب غم
کبھی غیروں کے گھر نہیں ہوتی

کتنی سیدھی ہے راہ ملک عدم
حاجت راہ بر نہیں ہوتی

سن لیا ہو گا تم نے حالِ مریض
اب دوا کارگر نہیں ہوتی

شہرین اسلم، کی ڈائری میں تحریر

عبیداللہ علیم کی غزل

ہجر کرتے یا وصل گزارا کرتے
ہم بہر حال بسر خواب تمہارا کرتے

ایک ایسی بھی گھڑی عشق میں آئی تھی
خاک کو ہاتھ لگاتے تو ستارا کرتے

اب تو مل جاؤ تم کہ تمہاری خاطر
اتنی دور آ گئے دنیا سے کنارا کرتے

محوِ آرائشِ رُخ ہے وہ قیامت سرِ بام
آنکھ اگر آئینہ ہوتی تو نظارا کرتے

ایک چہرے میں تو ممکن نہیں اتنے چہرے
کس سے کرتے جو کوئی عشق دوبارا کرتے

جب ہے یہ خانۂ دل آپ کی خلوت کے لیے
پھر کوئی آئے یہاں کیسے گوارا کرتے

کون رکھتا ہے اندھیرے میں دیا آنکھ میں خواب
تری جانب ہی ترے لوگ اشارہ کرتے

ظرفِ آئینہ کہاں اور ترا حسن کہاں
ہم ترے چہرے سے آئینہ سنوارا کرتے

حورالعین اقبال، کی ڈائری میں تحریر

عباس تابش کی غزل

ہنسنے نہیں دیتا کبھی رونے نہیں دیتا
یہ دل تو کوئی کام بھی ہونے نہیں دیتا

تم مانگ رہے ہو مرے دل سے مری خواہش
بچہ تو کبھی اپنے کھلونے نہیں دیتا

میں خود ہی اٹھاتا ہوں شب و روز کی ذلت
یہ بوجھ کسی اور کو ڈھونے نہیں دیتا

کہتا تو بہت ہے کہ خلا ہے مرے اندر
لیکن وہ کہیں ہم کو سمونے نہیں دیتا

وہ کون ہے اس سے میں واقف بھی نہیں ہوں
جو مجھ کو کسی اور کا ہونے نہیں دیتا

بچے کی طرح چیختا رہتا ہے مسلسل
کیا خوف مرے شہر کو سونے نہیں دیتا

نمرہ، اقرا، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی غزل

کبھی رک گئے کبھی چل دیے کبھی چلتے چلتے بھٹک گئے
یونہی عمر ساری گزار دی، یونہی زندگی کے ستم سہے

کبھی نیند میں کبھی ہوش میں، تُو جہاں ملا تجھے دیکھ کر
نہ نظر ملی، نہ زباں ملی، یونہی سر جھکا کے گزر گئے

کبھی زلف پر کبھی چشم پر، کبھی تیرے حسیں وجود پر
جو پسند تھے مری کتاب میں وہ شعر سارے بکھر گئے

مجھے یاد ہے کبھی ایک تھے، مگر آج ہم ہیں جدا جدا
وہ جدا ہوئے تو سنور گئے، ہم جدا ہوئے تو بکھر گئے

کبھی عرش پر کبھی فرش پر، کبھی ان کے در کبھی دربدر
غمِ عاشقی تیرا شکریہ، ہم کہاں کہاں سے گزر گئے

کچھ موتی چنے ہیں...... ادارہ

زوال کے اسباب

ظلم ہو اور انصاف نہ ملے۔ رشوت چلے اور حق دار کو حق نہ ملے۔ اخلاق پست ہو جائیں اور صحبت تباہ۔ لوگ لذات میں کھو کر مستقبل سے غافل ہو جائیں۔ اس کے بعد تمہیں کسی دشمن کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تم خود اپنے سب سے بڑے دشمن بن جاتے ہو۔ (مختار مسعود..... لوح ایام)

گڑیا راجپوت...... جاتری شریف

زندگی کی امید

ملنا اور بچھڑنا زندگی کا حصہ ہے۔ لیکن بچھڑنے کے بعد ملنا زندگی کی امید کہلاتا ہے۔ فاصلہ کسی رشتے کو جدا نہیں کر سکتا اور وقت کسی نئے رشتے کی تخلیق نہیں کرتا۔ اگر جذبات سچے ہوں تو رشتے ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ محبت ایک عام سا جذبہ نہیں، یہ ایک ایسا سمندر ہے جس میں اگر کوئی ڈوب جائے تو وہ مدد کے لیے کسی کو نہیں پکارتا کیونکہ وہ یہ خودکشی ایک نئی اور پہلے سے خوب صورت زندگی گزارنے کے لیے کرتا ہے۔ (عنیزہ سید..... شب آرزو کا عالم)

افشاں سمیع..... کراچی

جاننا اور ماننا

جاننا اور بات ہے اور ماننا اور بات۔ ہم بہت سی باتیں جان لیتے ہیں مگر وہ ہمارا جز وایمان نہیں بنتیں۔ جاننا صرف ذہن کو متحرک کرتا ہے، دل میں جذبہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عمل پر اپنا رنگ نہیں چڑھاتا۔ ایسا جاننا ذہن پر بوجھ کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میری طرح بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سروں پر جاننے کی بھاری گٹھڑیاں اٹھائے پھرتے ہیں لیکن ماننے کی سبک روی سے محروم ہیں۔ (ممتاز مفتی..... علی پور کا ایلی)

ثناء شہزاد..... کراچی

زبان کا گھاؤ

کون کہتا ہے، انسان نے اس جدید دور میں میزائل، بم اور ڈرون ایجاد کر کے تباہی پھیلائی ہے۔ جتنا گہرا گھاؤ انسان کی زبان کسی انسان کے دل میں لگا سکتی ہے، اس کی کاٹ اور زخم کا مقابلہ یہ نئے دور کے ہتھیار کسی صورت نہیں کر سکتے۔ کبھی کبھی میں سوچتا کہ ایٹم بم کے موجد کو شاید زبان کے زہر کا ٹھیک طرح سے ادراک نہیں ہوگا، ورنہ اسے دنیا برباد کرنے کے لیے اتنی محنت نہیں کرنا پڑتی۔ (ہاشم ندیم...... پری زاد)

قاضی صبا ایوب...... اٹک

شیطان

شیطان کائنات کا پہلا صحافی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو خبر دی کہ انسان زمین پر جا کر کیا کرے گا۔ یہی نہیں وہ پہلا وکیل بھی ہے جس نے آدم کو مشورہ دیا پھل کھا لو، پھر کوئی تم سے جنت کا قبضہ نہ لے سکے گا، ہمیشہ کے لیے یہیں رہو گے۔ اور فیس مشورے میں جنت میں لے لی۔ اپنی غلطی تسلیم کرنا دراصل خود کو انسان ماننا ہے۔ کیونکہ وہ صرف شیطان ہے جس نے آج تک اپنی غلطی تسلیم نہیں کی شاید اس لیے کبھی ہم بھی آج کل اپنی غلطی نہیں مانتے۔ (ڈاکٹر یونس بٹ...... شیطانیاں)

اقصیٰ شہزاد...... ڈھوک اعوان

بھوک

قدرت انسان کو ہر بھوک پر قابو پاتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے کیونکہ مال و زر کی بھوک پر قابو پانے سے انسان کے اندر کا لالچ ختم ہوتا ہے۔ دل کی خواہش پر قابو پانے سے فیاضی آتی ہے۔ شہوت کی بھوک پر قابو پانے سے اس میں پارسائی آتی ہے اور پیٹ کی بھوک پر قابو پانے سے اس میں نفس کشی آتی ہے۔ (قیصرہ حیات)

زرینہ خانم لغاری...... مظفر گڑھ

نامے میرے نام

اقصیٰ امان اینڈ شائستہ نصر اللہ...... کوٹلہ جام بھکر

کرن پڑھتے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے مارچ 2020 سے شروع کیا ہے۔ خط لکھنے پر بشریٰ اور عاصمہ یامین نے مجبور کیا ہے لو بھلا ہمارے بھکر سے یہ دونوں بھیج رہی ہوں اور ہم خاموش بیٹھے رہیں۔ زبردست بشریٰ یار دل خوش کردیا۔ ویسے یار "ساڈے نال وی دوستی کرلو تو اڈے کو انڈی یاں! نے کوڑیاں دا بڑا حق ہوندا ہے۔" کرن سارا کے سارا ہی بہت زبردست ہے کسی کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ "مصباح علی سید" جی واہ واہ داد تو آپ کا حق ہے ناں آخر اتنا اچھا ناول لکھ رہی ہیں۔

"مہوش افتخار" دھواں دار...... ارے ارے اب غلط سمجھ رہی ہیں تو اپنی غلطی ہے ناں ہم تو کہہ رہے ہیں کہ دھواں دار انٹری ماری ہے دل خوش کردیا۔ ویلڈن۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" اچھا اینڈ تھا۔ ارے یار آسیہ مرزا کیا آبس بے چارے کو جنگلی بلی کے ساتھ دے دیا ہے عنیزہ سید سے ناول لکھوائیں پلیز۔ اب بات کروں گی رسالے کی جان فرح بخاری کی تحریر "کنار خواب جو" کی۔ کیا ناول ہے فرح جی آپ ہماری موسٹ فیورٹ رائٹر ہیں اب ہمارے سوار اور کنعان کو جلد ملوادیں اور ثمامہ میڈم سے کہیں منہ دھو کر رہے بڑی سوار پر قبضہ کرنے والی۔ ہائے بے چارہ عبدل! شازمہ چڑیل کے چنگل میں پھنس گیا ہے ایسی عورتیں فتنہ ہوتی ہیں۔ ارے یار فائزہ یہ کیا بھئی آرمی والے سے منگنی بھی کرلی ہے اور ہمیں بلایا بھی نہیں خیر! مبارک ہو۔

ج: اقصیٰ امان "نامے میرے نام" کی محفل میں خوش آمدید، پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ سب بہنوں کی رائے ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔

عائشہ کیانی...... میرا موڑہ

جنوری کا شمارہ ہاتھ لگا تو اسے کھولتے ہوئے ماما سے یہی بات کررہی تھی کہ پتا نہیں میرا انٹرویو کب آئے گا۔ اور جیسے ہی نظر فہرست میں مقابل ہے آئینہ "عائشہ کیانی" پر پڑی تو نہ پوچھیں کہ خوشی سے کیا حالت ہو رہی تھی سب سے پہلے ماما نے پڑھا پھر اٹھا کر بھائی کو دکھایا۔ بلال بھی بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد تصویر بنائی اور دونوں بھائیوں (اویس اور عظیم) کو بھیج دی۔ سب ہی بہت خوش ہوئے۔

اب آتے ہیں تبصرے کی طرف ابھی تک آدھا رسالہ ہی پڑھا ہے۔ مگر خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔ اس لیے ہاتھ خود بخود کاغذ اور قلم کی طرف چلے گئے۔ جتنا پڑھ چکی ہوں اس پر تبصرہ کررہی ہوں۔ سب سے پہلے مقابل ہے آئینہ پڑھا۔ پھر اڑتی ہوئی پہنچی "فرح بخاری کے پاس"، "کنار خواب جو" شاندار، اعلیٰ، عمدہ کیا کیا کہوں۔ بہت اچھا فرح جی۔ آپ تو چھا گئیں۔ پہلے ساگر کنارے تھا۔ اب آپ کا (کنارے خواب جو) بہت بہت مبارک فرح جی ناول کی کامیابی پر۔ اس کے بعد رسالے کو الٹی سائیڈ سے پڑھنا شروع کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ تبصرہ ہوجائے۔ حجامہ کو پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ یہ وہی ہے ناجو "شام رنگ سیاہ" ایمل رضا کے ناول میں لڑکی ڈائنا جونکیں لگاتی تھی۔ حجامہ اور جونکیں لگانا ایک ہی ہے کیا؟ پھر دسترخوان پر گئی۔ سب کچھ بہت لذیذ تھا۔ بس ایک چیز سمجھ میں نہیں آئی۔ خالدہ جیلانی جی یہ "گوند کھانے کے لڈو" میں یہ گوند کیا چیز ہے۔ اس کے بعد نفسیاتی اور معاشرتی مسائل پر آئی۔ "انا" کو پڑھ کر بہت سبق حاصل ہوا جو کہ آنے والی زندگی میں کام آئے گا۔ ادرک کی چائے کے فوائد پڑھ کر حیرانی ہوئی۔ اس کے بعد بیوٹی باکس پر آئی فائدہ مند معلومات ملی سرکہ والا مشورہ آزماؤں گی۔ اس کے بعد بہنوں کے خطوط پر آئی فائزہ بھٹی جی "تسی گریٹ ہو" آپ محفل کی رونق ہیں۔ اور بہت مبارک ہو منگنی کی۔ ماریہ نذیر نظر نہیں آرہیں۔ خیریت تو ہے ناماریہ جی۔ زرتاشیہ، سحر وقاص اور اقرا سرور کے خطوط پسند آئے۔ باقی سب بھی بہت اچھے تھے۔ "کرن کرن خوشبو

، یادوں کے دریچے" اور "موتی چنتے ہیں" ہمیشہ کی طرح زبردست رہا۔ آخر میں زینب احمد سے ملاقات کی۔

ج: عائشہ جی! گوند ایک کوگل نامی درخت کے عرق بنایا جاتا ہے۔ یہ مختلف ادویات اور طاقت کی چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کچھ مٹھائیاں بھی بنائی جاتی ہیں۔

زاہدہ راجپوت...... کراچی

میں کرن (نامے میرے نام) میں پہلی مرتبہ شرکت کررہی ہوں جنوری کا شمارہ آیا۔ چھا گیا اور چاروں شانے چت کرگیا۔ مجھے مطالعے کی "لت" نے ٹی وی موبائل اور انٹرنیٹ کی دنیا سے بہت دور رکھا ہوا ہے۔ کتب بنی ایسا نشہ ہے جس کے سامنے سائنس کی یہ ساری ایجادات ہیچ ہیں اور موبائل سے تو مجھے اللہ واسطے کا بیر ہے۔

سرورق (گاؤن میں ملبوس دلربا) اور اول و آخر رسالہ بے مثال۔ لاجواب۔ دعائیہ حمد اور نعت نے آنکھیں نمناک کردیں۔ کرن کتاب اور مستقل سلسلے بہترین تھے۔ "مقابل ہے آئینہ" اس دفعہ منفرد مزے کا لگا (چٹ پٹا)۔ جس کہانی نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا وہ صدف میمونہ کی "آدم اور حوا" ہر لفظ ہر جملہ "کچھ موتی چنے میں" لکھنے کے قابل اور اقتباس کے تو کیا کہنے۔ میمونہ جی میں تو آپ کی مداح ہوگئی میری تو دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مہروش قسمت کی دھنی نکلی کے پہلے بچے کی پیدائش کے بعد ہی اس کی سن گئی، مہروز کی آنکھیں بھی جلد کھل گئیں اور اس نے جس صبروتحمل سے مہروش کو ڈپریشن سے نکالا اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی مہروش سے محبت کرتا تھا۔ دوسری تحریر مکمل ناول "سیماب" اف۔ ام ہانی شروع سے آخر تک تم (آپ) نے مجھے "دبوچے" رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بہن دنیا کی سب سے پیاری مخلوق...... بھائی پہ واری صدقے جائے......اور بھائی کس طرح سے کس کس نام سے بہنوں کا استعمال کرتے ہیں (غیرت کے نام پر قتل وراثت سے محرومی وغیرہ)۔ ایک سبق اس کہانی سے ضرور لینا چاہیے جہاں آپ بچے کا رویہ غیر معمولی دیکھیں اور انتہا پسند (غصہ، بے حسی، مایوسی) فوراً ماہر نفسیات سے رجوع کریں۔ انسانی دماغ ایک پیچیدہ مشین ہے اس میں کوئی گرہ پڑ سکتی ہے جسمانی تکلیف کے تدارک کے ساتھ ذہنی علاج کی اہمیت کی سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ لوگوں کی اکثریت (بغیر علاج) ان ذہنی بیماریوں کی اذیت سہتے مرجاتے ہیں۔" مہوش افتخار کا "دامن سحاب" ان شاء اللہ دھماکا خیز ناول ثابت ہوگا۔ آسیہ مرزا نے سکندر میں تبدیلی لاکر اچھا کیا (میرے ہم نفس میرے ہم نوا میں)" کنار خواب جو" میں سوار کا ماضی جان کر دل بوجھل ہوگیا۔ اگر وہ کنعان سے سچی محبت کرتا تھا تو اس کا اتنی جلدی ثمامہ کی طرف مائل ہونا اور یہ کہنا کہ "سوار پر ابھی اتنے برے دن نہیں آئے" (واوری بشاشت) ناگوار گزرا۔ افسانوں میں "کردار نے متاثر نہیں کیا۔ تم میرے لیے کافی نہیں ہے" عانیہ کا خلع لینے کا فیصلہ احمقانہ لگا۔ "نیلم پری" کی میرے قتل کے بعد جاگ سے تو یہ "زندگی کے شجر سے" اچھا سبق دے گیا۔ "سدرہ آن ڈائٹ" زیادہ تر ایسی ہی ڈائٹ کی جاتی ہے۔ "انسان صفت" وقت رہتے اپنی اصلاح کرنا ضروری ہے۔" کانچ سے سائبان" کا اختتام ہوا مصباح سید نے بہت اچھا ناول لکھا ہائے ری "انا" جس کو ہینے سے لگائے خود کو تباہ کرلیتے ہیں۔

ج: زاہدہ جی! "کرن" کی محفل میں آپ کی آمد کا "شکریہ" امید ہے کہ آئندہ آپ باقاعدہ اس محفل میں شریک ہوں گی۔

اقراء گل ناز شر...... گوجرہ

اگر میں ڈائجسٹ کی بات کروں تو اس میں تمام افسانے، ناولز اور ناولٹ بہت اچھے ہوتے ہیں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پسند نہیں آتے۔ پھر میں سوچتی ہوں کہ اگر مجھے اور میری بہنوں کو پسند نہیں آتے۔ بہت سارے ایسے بھی ہوں گے جو ان کہانیوں کو پسند کرتے ہیں۔ کرن میں شائع ہونے والے ام طیفور کا ناول "ساگر کنارے" اور ایمل رضا کا "شام رنگ سیاہ" دونوں زبردست ناولز تھے۔ "ہوائیں رخ بدل گئیں" کوئی خاص پسند نہیں تھا۔ پھر بھی پڑھ لیتے تھے۔ کچھ تو رائٹر نے سوچ کر لکھا ہوگا۔ میں سب سے پہلے سلسلے وار ناولز پڑھتی ہوں۔ باقی سب بعد میں پورے کا پورا رسالہ۔ میں خود بھی اور میری دونوں بہنیں بھی پڑھتی ہے۔ اتنے سالوں سے پڑھ رہی ہے اب تو خود بھی

کہانی لکھ لیتی ہوں۔ میں نے حنا، شعاع، آنچل اور کرن میں لکھ کر بھیجا ہے کرن میں اپنے افسانے احتساب کے بارے میں پوچھنا تھا۔ آپ اس بارے میں بتادیں۔

☆ اقرا جی! ''کرن'' کی کہانیوں کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ نے اپنے افسانے کے بارے میں پوچھا ہے خطوط میں ہم کہانیوں کے بارے میں نہیں بتاتے آپ کرن کے آفس میں فون کر کے معلوم کیجیے۔ خطوط کو ایڈٹ کرنا ہماری مجبوری ہے وجہ آپ نے خود لکھ دی ہے۔

فہمیدہ جاوید......ملتان

سرورق اچھا لگا ڈریس اوپن اسٹائل میں پیارا اور ماڈل کا ہیر اسٹائل زیادہ پیارا لگا۔ ہم بھی شادی میں پارلر سے تیار ہوتے ہیں مگر ہمارے چھوٹے بالوں کا ماڈل کے اسٹائل جیسا اسٹائل بن ہی نہیں پاتا کہ بال کم ہیں گھنے نہیں۔ شاہین کا سروے پسند نہیں آیا نہ زینب احمد سے ملاقات(آخری بار انٹرویوز کی فرمائش کر رہی ہوں کہ تھک گئی ہم بہنیں مگر آپ بس نوٹ ہی کرتی رہتا(ناٹ مائنڈ)۔ تینوں رسالوں میں اداکار ہی نظر آتے۔ مہوش کے ناول میں طیبہ کے حالات اور بھائی کی بیماری پر افسوس ہوا۔ میرے خیال سے شاہ مخدوم نے ماضی میں کچھ غلط کیا ہے اس لیے باغ کے طور پر بدلہ پورا ہو رہا ہے۔ خیر ناول اچھا ہے بس زیادہ صفحات لگا دو مہوش۔ آسیہ جی کا ناول سمپل سا ہے آسان سا۔ ارسلہ تو حد کرتی ہے بھئی سکندر کی ماں کی عیادت پر بھی کیسی بکواس کر رہی تھی سکندر سے، سکندر تم اریبہ سے شادی کرو کہ ہم تمہاری سالیاں بن کر دودھ پلائی، جوتا چھپائی کریں گے۔ مکمل ناول ام ہانی کا ''سیماب'' لاجواب، طویل۔ مزا آ گیا 60 صفحات کا۔ دل چاہا کہ منصور کو بہت زیادہ ماروں جو سیماب کو اتنا تنگ کیا۔ ''نفسیاتی مریض'' ام ہانی بہت ہی پسند آیا ناول۔ آپ ایسے ہی طویل ناولز کے ساتھ آتی رہنا کہ موضوع اور کرداروں کے ساتھ بھرپور انصاف کیا تم نے ماشاء اللہ۔ فرح کے ناول میں اقرا سرور کا اندازہ درست نکلا۔ شازمہ جیسی ہی جہنم میں بڑی بڑی چیخیں ماریں گی۔ لگتا ہے 2 اقساط کے بعد ناول ختم ہوگا خیر فرح اچھا لکھ رہی ہو۔ مصباح جی نے منہل اور زیاج کو ملا دیا مگر آخر میں روا وہائم کی مستقل جدائی سے کسک باقی رہ گئی۔ مصباح جلدی آنا دوبارہ۔ ''آدم اور حوا'' میں ناولٹ کا نام جتنا اچھا لگا اتنا ناولٹ پسند نہ آیا۔ وہی عطیہ جی کا بدلہ پورا کرنا اپنے ماضی کا۔ خیر چلو اگلی بار میمونہ انفرادیت برقرار رکھنا جیسے عنوان رکھا۔ افسانے تمام ہی بہت زیادہ پسند آئے ایک بات کہوں اب مجھے بھی زیادہ افسانے پسند آتے ہیں ناولز سے بھی زیادہ شاید کم الفاظ اور زیادہ اثر ہوتا ہے اس لیے خیر ''کردار'' زبردست تھا کہ ضروری نہیں نمازی فرشتہ ہی ہو۔ گڈ ام اقصیٰ جلدی آنا تم بھی۔ ''کنیز زہرہ'' نے دل خوش کر دیا افسانہ لکھ کر کیا سبق دیا جی فاخرہ کے ذریعے نصرت بیگم کو۔ زارا انجم انے بھی نئی نسل کے لیے بڑی اصلاحی تحریر لکھی اور ڈائری پر لکھنا بہت اچھا لگا کہ مجھے ڈائری پر لکھی جانے کی تحریریں زیادہ پسند ہیں مزید ایسی تحریریں لگانا۔ ''سدرہ آن ڈائیٹ'' میں خوش بخت بہن نے بھرپور انصاف کیا عنوان کے ساتھ۔ نئی ہیں خوش بخت مگر جیسا افسانہ لکھا، لگا کہ کب سے لکھ رہی ہیں نائس۔ ''نیلم پری'' بھی پسند آیا اور تنویر صاحب پر شدید غصہ آیا۔ ''حوریہ بتول'' کے افسانے سے مجھے اختلاف لگا کہ اتنا اچھا شوہر تخص گھر والوں کے لیے چھوڑ دینا عجیب لگا۔ اب عورت کو کچھ تو صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ اتنی بڑی بات نہ تھی جو طلاق کا ارادہ کرلیا۔

''مقابل ہے آئینہ'' میں عائشہ کے سچے سچے جوابات پسند آئے۔ اچھا لگا کہ جو حقیقت تھی وہی عائشہ نے بیان کی گڈ۔ خطوط میں پیاری زرتاشیہ مجھے سچ میں تمہارا نام پسند ہے۔ ملتان میں رہتی ہو تم میری پڑوسن۔ میں بوہر گیٹ ماجد بکس سینٹر سے رسالے لیتی اور ریلوے اسٹیشن ڈاک سے پوسٹ کرتی ہوں۔ اچھا لگا ہمیں بھی کسی نے یاد کیا کہ، بہنوں اگرچہ ہم تجاویز دیتے ہیں اور کبھی کبھی تنقید بھی کرتے ہیں مگر ہم بھی دل والے ہیں کیونکہ ملتان والے ہیں۔ ''کرن کتاب'' بہت پسند آئی اور کک چائے کے فوائد اتنے سارے واہ، انیلا جی کا کچن بھی اچھا لگا۔ انیلا تمہیں کچن میں دلچسپی ہے یہ اچھی بات ہے اور شعاع خواتین کے اسکیچز کی میں دل کھول کر تعریف کروں گی کہ جو اسکیچز آپ کے ادارے کے ہیں ویسی اور کسی رسالے میں اتنے اچھے اسکیچز نہیں۔ جنید انصار کے ہی ہمیشہ دینا

اسکیچز اور شائستہ کے بھی ہاں۔ کرن کے شروع میں جہاں ادارے والوں کا نام لکھا ہوتا ہے اس کے نیچے کا اسکیچ تو ایک ماڈل کا تھا جو اپریل 2003 کے خواتین میں لگی تھی۔ کہانیوں سے زیادہ مجھے ٹائٹل یاد رہتے ہیں چاہے 10 سال پرانا پوچھ لو، ہاہاہا بس دلچسپی ہوتی ہے۔

☆ فہمیدہ جی! ماشاء اللہ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے، آپ کو سترہ سال پرانا ٹائٹل یاد ہے۔ کسی بھی نئے سلسلے کو شروع کرنے کے لیے پہلے جگہ بنانی ہوتی ہے۔ ہم نے اس لیے کچھ سلسلے کم کیے ہیں کہ آپ بہنوں کی فرمائش پوری کرسکیں۔ آپ کی بھی فرمائش پر ہم کام کررہے ہیں "تم میرے لیے کافی نہیں۔" میں اگر عانیہ سمجھوتا کرلیتی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ اس کے لیے کافی تھا۔ جبکہ کہانی میں یہی دکھانا مقصود تھا کہ تمام رشتے اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں کسی ایک رشتے کے سہارے زندگی نہیں گزرتی۔

صبا راجپوت...... سدو جاسندھ

یہ میرا پہلا خط ہے کرن میں، کرن ڈائجسٹ کو بچپن سے ہی دیکھتی آئی ہوں بیٹھک کے دروازے کے پاس تین چار کتابیں رکھی رہتی تھیں جن میں صرف ایک کتاب کا سرورق صحیح حالت میں تھا۔ وہ "کرن" ہی تھی جس پر دانت اور دوپٹے کی نمائش کرتی لڑکی اور میں صرف دور ہی سے دیکھتی تھی۔ (کیونکہ وہاں میرا ہاتھ نہیں جاتا تھا) اور جب ہاتھ آیا صرف اسکیچ دیکھ کر واپس رکھ دیا۔ جتنی بے تاب تھی اس کو دیکھنے کے لیے سب ختم کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا بھئی نو دس سال کا بچہ ٹام جیری دیکھتا ہے ناول نہیں پڑھتا اور وہ بھی اتنے ہیوی الفاظ کے ساتھ۔ خیر میں نے تو دوبارہ اٹھایا ہی نہیں البتہ میری بہن نے اتنی بار اس ایک ڈائجسٹ کو پڑھا کہ میرے خیال سے حافظ تو بن گئی ہوگی (ہاہاہا) بے چاری پر دوسری کبھی ہی نہیں اور اسے لگا تھا یہ صرف کراچی میں ملتا ہے۔ پھر میں نے کچھ کچھ پڑھنا شروع کیا اور اس کو منگا کردی (جس کا تھینک یو بھی نہیں بولا) اب بھی میں ہی منگا کردیتی تو کیونکہ اب مجھے لت لگ چکی ہے بہن سے زیادہ کریز ہوگیا مجھے۔ مزا ہی نہیں آتا پاکٹ منی ملتے ہی حساب لگا کر رکھ دیتی ہوں۔ یہ اس ماہ کی ڈائجسٹ کے یہ آپ لوگوں سے آدھی ملاقات (خط) کے۔

"ٹائٹل" ماڈل کا چہرہ کچھ زیادہ ہی سفید تھا۔ اسے وہیں چھوڑ کر فہرست چیک کی اور "ناصے میرے نام" پر جمپ لگائی۔ سب بہنوں کے احوال اور رابطے جان کر مصباح علی سید کو جلد آنے کے لیے الوداع کہا۔ اینڈ کافی اداس تھا پر ٹاپک ایسا تھا تو اینڈ یہی ہونا چاہیے تھا۔ نا اور بدگمانی بے سکون و برباد کرکے ہی چھوڑتی ہے۔ زینب احمد سے ملاقات پہلے بھی شائع ہوا تھا میرے خیال سے "مقابل ہے آئینہ" عائشہ کیانی پہلے تو کچھ میں نہیں آیا، ہاہا ہی ہی۔ پھر دوبارہ پڑھا اور پھر مجھے بھی ہنسی آنے لگی آپ کے ساتھ ہمیشہ ایسے ہی مسکراتی کھلکھلاتی رہیں، آمین۔ ویسے یہ کھیل کون سا تھا (لکڑ چھو)۔

"آدم اور حوا" بھی اچھا تھا۔ آسیہ مرزا پلیز بابر کی طرح پہلے براو کھا کر اچھا مت بنایے گا اس بھوکڑ ارسلہ کو میرا بس چلے نا اس کو تینوں ٹائم کھانے کی جگہ پیسے کھلاؤں، چڑیل، جنی بال نوچ لوں اس کے۔ گولڈ بھی دیکھا نہیں تھا میڈم کو جڑاؤ بنانا ہے۔ تمہارے انجام کا مجھے بھی انتظار ہے تمہارے سدھرنے کی تو دعا ہی نہیں کرنی میں نے۔

"سیماب" پڑھ کے خیال آیا بہن بھائیوں میں ایسی دشمنی، اتنا غصہ وہ بھی سگے، تھوڑا بہت تو سب بہن بھائیوں میں ہوتا ہے پر اتنا اف یہ کچھ اور ہوگیا۔ "زندگی کے تجربے" ٹھیک تھا۔ "سدرہ آن ڈ اہیٹ" بھی ٹھیک لگا "کردار" ایسا خواتین میں شائع ہوا تھا پر مجھے یہ پسند آیا گڈ لیکن کردار بہت ضروری ہے آئی نو پر کیا دوسرے چیزیں اہم نہیں ہوتی احساسات، معاملات وغیرہ؟ "تم کافی نہیں ہو" اچھا چل رہا تھا پر اینڈ اچھا نہ لگا۔ ایسے لوگ پریشان کن ہوتے ہے ایک ایسے شخص کا مجھے بھی علم ہے۔ باقی افسانہ اتنے اچھے نہیں لگے (سوری)۔ "کچن اور آپ" اینلا سسٹر آپ تو مجھے اپنے جیسی لگی تھیں۔ فوڈی۔ "کرن کتاب" اتنا کمزور کیوں ہوگئی ہے بھئی۔ حرف کا پڑھا ہاں بھئی ہم تو اتنی ایسے ہیں الحمدللہ ہاہاہاہا۔

☆ صبا جی! "کرن" میں آپ کی آمد اچھی لگی۔ "کردار" افسانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ دوسری چیزوں کی اہمیت نہیں اس کا مقصد یہ تھا کہ ضروری نہیں کہ نماز پڑھنے والے اور ڈاڑھی رکھنے والے کردار کے بھی اچھے ہوں۔

کسی کے ظاہر سے اس کے باطن کا انداز نہیں لگا سکتے۔

فرحت جبین...... سحام راولپنڈی

سب سے پہلے تو جنوری کرن کی بات کرتے ہیں ٹائٹل بہت پیارا تھا۔ مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح شاندار ہے۔ "دامن سحاب" ابھی تو دوسری قسط ہے لیکن اچھا جا رہا ہے۔ امید ہے طوالت کا شکار نہیں ہوگا (نجانے کیوں فالتو کے کردار اور ڈائیلاگز کھینچ کر کہانی لمبی کرنا مجھے سخت ناگوار گزرتا ہے) پھر آتے ہیں۔ افسانوں کی طرف، سبھی افسانے اچھے رہے۔ خاص کر "ام اقصیٰ" کا۔ "کنار خواب جو" بھی بہت زبردست جا رہی ہے۔ اب لگتا ہے کہ مزید دو سے تین اقساط ہی رہ گئی ہیں۔ "کانچ سے سائبان" کا اینڈ اچھا رہا لیکن مجھے مصباح کا یہ ناول پہلوں کی طرح متاثر نہیں کر سکا۔ مکمل ناول "سیماب" اس بار ڈائجسٹ کی ٹاپ اسٹوری تھی۔ بہت پیاری کہانی اور کردار بہت ہی جاندار ام ہانی اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔ رائٹرز میں یہ اس ناول سے لگ رہا ہے۔ "آدم اور حوا" ہمیشہ کی طرح میمونہ جی کی شان دار کہانی تھی۔ بہت برجستہ انداز تحریر ہے ان کا خاص کر ڈائیلاگز تو بڑے ہی جان دار لکھتی ہیں کہ مزا آ جاتا۔ اب کوئی طویل ناول بھی لکھ دیں کب تک ناولٹ سے کام چلاتی رہیں گی۔ تبصرہ تو ہو گیا ڈائجسٹ پر۔

☆ فرحت جی! کہانیوں کو پسند کرنے کا شکریہ۔

سحر قاسم راجپوت...... لاہور

اس بار شمارہ مقررہ تاریخ پر ہی مل گیا تھا مگر طبیعت ناسازی کی وجہ سے پڑھنا دیر سے شروع کیا میاں صاحب کو لگتا ہے کہ میری نظر کمزور ہو گئی ہے جیسے ہی کچھ پڑھنے بیٹھوں تب سر میں درد اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ان کو لگتا ہے شاید نظر کمزور ہو گئی ہے رسالے پڑھ پڑھ کے۔ اب تمام بہنوں سے دعا کی گزارش ہے کہ اللہ پاک مجھے اس سر درد سے نجات دے شفایابی عطا کرے۔ آمین۔ اب آتے ہیں پہلے "کنار خواب جو" کی طرف اس بار کی قسط انکشاف سے بھری پڑی تھی۔ "آدم اور حوا" بھی اچھی کہانی تھی آخر مہروش کو اس کے صبر کا پھل مل گیا اور وہ بچی میں پیا کے دیس سدھار گئی۔ اور مہروز کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا۔ "کانچ سے سائبان" واؤ پہلی اینڈ زباج اور مہمل مل گئے اور ردا یہ ساری زندگی پچھتاوں کے چنگل سے آزاد نہیں ہو سکے گی۔ "میرے ہم نفس میرے ہم نوا" نادیہ یہ تم نے کیا کر دیا۔ حمزہ جیسے مخلص اور محبت کرنے والے کا دل توڑ دیا اب اپنے ٹوٹے دل کا بدلہ کسی ایسے شخص سے لینا جو آپ کو بے لوث محبت کرتا ہے کہاں کی عقل مندی ہے۔ ارسلہ کی بیوقوفیاں تو بڑھتی ہی جا رہی ہیں اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ سکندر تم ادیبہ کو ہم سفر بنا لو وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ "افسانے سارے ہی اچھے تھے "کردار" میں ام اقصیٰ نے بالکل ٹھیک کہا "انسان کی اصل پہچان عبادات نہیں معاملات ہیں" انسان صفت میں کنیز زہرا نے اچھا سبق دیا۔ "نیلم پری" میں تنویر کی بے حسی بے چاری نیلوفر کی جان ہی لے گئی پر اب پچھتائے کیا۔ ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ "سدرہ آن ڈائٹ" ہاہاہا سدرہ غم نہ کرو میرا ابھی یہی حال ہے ڈائٹنگ پر ہوتے ہوئے بھی یہی خیال آتا ہے آج کھا لوں بس آئندہ نہیں کھاؤں گی۔ ابھی 60 ہے وہ بھی شاکر نے کہہ دیا کہ ماما آپ کتنی موٹی ہو، تب سے ٹینشن لگ گئی ہے۔" تم کافی نہیں" بالکل جی زندگی میں بس شریک سفر ہی کافی نہیں سب رشتوں کی اپنی جگہ ہے رشتوں میں توازن ضروری ہے۔ "زندگی کے تجربے" رلا ہی دیا۔ انٹرویوز سب ہی اچھے تھے "زینب احمد" کی پہلی بھی سنی ہوئی ہے۔ "دامن سحاب" تین چار اقساط کے بارے میں تبصرہ کروں گی ویسے ناول کا مطلب کیا ہے۔ خوشی تم نے بہت ہی خوب صورت نعت تحریر کی خدا مجھے بھی توفیق دے۔" کرن کرن خوشبو" ثریا راجپوت اور زرینہ خانم لغاری کا انتخاب پسند آیا۔ "یادوں کے دریچے" ماریہ نذیر اور فائزہ بھٹی بازی لے گئیں" کچھ موتی چنے ہیں" اقصیٰ شہزاد کا موتی خوب صورت لگا۔ "نامے میرے نام" نئی قاری بہنوں کو سلام اور پرانی قاری بہنیں کہاں مصروف ہیں حسین سسٹرز، شاہ شہزاد، ماریہ نذیر بھی اپنے کھٹے میٹھے تبصرے کے ساتھ محفل میں دوبارہ تشریف لائیں۔ فائزہ بھٹی بھی منگنی شدہ ہونے کے بعد مصروف ہو گئی۔ کرن کتاب میں اس بار اس ماہ کا پھل غائب تھا اور فیشن کا مضمون بھی۔

☆ اقصیٰ جی! ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو سر درد

سے نجات دے اور ہمیشہ تمام بیماریوں سے دور رکھے آمین۔ "دامن سحاب" کے معنی "بادل کا کنارہ" ہے۔

حور العین اقبال...... کراچی

جنوری 2021 کا شمارہ جلد مل گیا ٹائٹل پسند آیا۔ سلسلے وار ناول میں کم ہی پڑھتی ہوں۔ ابن انشاء کی "جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل" بے حد پسند آئی۔ "کنار خواب جزو" تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے پڑھنے میں مزا آتا ہے۔ میمونہ صدف کی "آدم اور حوا" اچھی تحریر ہے۔ مصباح سید کی "کانچ سے سائبان" اپنے اینڈ کے ساتھ متاثر کن تحریر رہی کہ عورت کو کبھی بھی ہٹ دھرم نہیں بننا چاہیے اور ضد ہمیشہ نقصان پہنچاتی ہے، ام ہانی نے بہت اچھے ٹاپک پر لکھا اور بہت خوب لکھا۔

حور العین! آپ نے کچھ جلدی میں خط لکھا ہے۔ بہت ہی مختصر خط ہے۔ کہانیوں کو پسند کرنے کا شکریہ۔

انشراح ایمان...... حافظ آباد

السلام علیکم زندگی میں پہلی بار ارے ارے آخری بار نہیں ہاں پہلی بار کسی بھی رسالے میں کچھ لکھ رہی ہوں اب ہم یہ جگتیں تو نہیں مار سکتے کہ جب آنکھیں بھی نہیں کھلی تھی تب سے رسالے پڑھ رہے ہیں یا پھر یہ کہ ہمارا تو سارا خاندان ہی رسالے پڑھتا ہے۔ یہ تو مجھے ہی پتا ہے کتنی مشکل سے شعاع، کرن، خواتین منگوا کے پڑھتے ہیں میں کسی بھی اسٹوری پر تبصرہ نہیں کر سکتی کیونکہ آج پندرہ جنوری کو بھی خواتین، کرن نہیں ملے۔ خیر کرن کی سب اسٹوریز مزے کی ہوتی ہیں لیکن معذرت "کانچ سے سائبان" بالکل بھی ابھی نہیں لگی۔ میرے ہم نفس میرے ہمنوا کی ارسلہ زہر لگتی ہیں اور آبص شہید (ہی ہی ہی) اگر مجھے کرن مل جاتا تو اس کو چٹ کر کے تبصرہ کرتی (ہائے اماں پتہ نہیں کی کرے) یہ سب میں ماہلے (ماریہ نذیر) کے کہنے پر لکھ رہی ہوں اللہ کرے تم ہر وقت ہی ہی ہی کرتی رہو (مجھے کیا لوگ تمہیں پاگل کہیں گے) اور میرے دل کی ٹکڑی زرے۔

(زرناب خان) میرے جگر کی ٹکڑیاں آصفہ خان، صفیہ خالہ ارے بھئی میں ہی ہوں تم لوگوں کی انشراح شاہ، بلوچ سسٹرز کو گلاب جامنوں والا اسلام اور باقی تمام سسٹرز کو کھٹا میٹھا اسلام پلیز یہ خط شائع کر دیجیے گا نہیں تو میرا دل ٹوٹے گا تو نہیں ہاں دکھے گا ضرور۔ ہم تو پہلے ہی ہارٹ پیشنٹ ہیں بس اسی وجہ سے تعلیم بھی کچھ خاص نہیں رائٹنگ کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ رسالوں سے محبت ایسی ہے کہ لکھنے کو دل کرنے لگا زندگی میں بہت برا وقت آیا لیکن ان رسالوں کی جان پھر بھی نہیں چھوڑی۔ اگر یہ لیٹر کرن میں شائع ہو کر آٹھ چاند لگا دے تو ان شاء اللہ اگلے ماہ حاضری پکی کرن ڈائجسٹ کے حوالے سے۔ خیال رکھنا سب اپنا اپنا۔ خوش رہیں اپنے خرچے پر۔

☆ انشراح جی! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ آمین۔ کرن کی کہانیوں کو پسند کرنے کا شکریہ۔

زرتاشیہ نعمان...... ملتان

سردی اپنے جوبن پر ہے...... جاتے، جاتے اچھے سے سب کے دانت اور ہڈیاں کڑکڑا کے جائے گی۔ لیکن اس موسم کا اپنا ہی لطف ہے۔ گرم کافی...... چائے...... مونگ پھلیاں...... رضائی کی گرماہٹ...... نہاری پائے...... اور گرما گرم بھاپ اڑاتا سوپ...... سرما کی ہی سوغاتیں ہیں (کیوں سچ کہا نہ میں نے پیاری بہنوں؟) اب ذرا تبصرہ ہو جائے ماہ جنوری کے "کرن" پہ۔ "مقابل ہے آئینہ" میں عائشہ کیانی کے جوابات بس ٹھیک ہی لگے۔ ان کے جوابات سے اندازہ لگایا کہ وہ ابھی کافی امیچور ہیں۔ "ام ہانی" کی "سیماب" واہ واہ جناب کیا کہنے...... کیا تحریر تھی۔ سواد ہی آ گیا۔ بادشاہو! بھائی بہن کی نوک جھوک تو ازل سے مشہور ہے مگر اس حد تک حسد پہلی بار پڑھا۔ لیکن کہانی بہت پسند آئی۔ میمونہ صدف "کا ناولٹ "آدم اور حوا" زبردست۔ بے حد منفرد انداز بیاں۔ یہ سو فیصد حقیقت ہے۔ میاں بیوی نہ صرف ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ڈھارس بھی ہوتے ہیں۔ پھر سب سے اہم موقع جب عورت ماں بننے کے لمحوں سے گزرتی ہے۔ اسے پل، پل ہر قدم پر اپنے شریک حیات کی ضرورت تڑپاتی ہے۔ اور پھر اگر سسرال والے بھی اسے شوہر کی غیر موجودگی میں سپورٹ نہ کریں تو ظاہر ہے لڑکی مینٹلی ڈسٹرب تو ہوگی۔ "افسانے" اس بار "زارا مظہر" کا افسانہ...... "زندگی کے تجربے" بہت ہی اچھا لگا۔ زارا بہت عمدہ لکھتی ہیں۔ ان کی تحریریں مجھے پسند

ہیں۔ ''ام اقصیٰ'' کا افسانہ ''کردار'' سچ میں رونگٹے کھڑے کر دینے والی تحریر تھی...... ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ آیا؟ جو عبادت ہم اپنے رب کی کرتے ہیں وہ ہمارے کردار پہ بھی اثر انداز ہو رہی ہے یا محض ایک ربوٹ کی مانند ہم اسے پورا کرتے ہیں؟ اب بات ہو جائے میرے من پسند مکمل ناولز...... ''کنارِ خواب جو'' اور ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' کی اف بے چارہ سوار...... کیا قسمت ہے۔ مستقل شاطر عورتوں کے جنگل میں بڑی معصومیت سے پھنستا آ رہا ہے۔ پہلے شازمہ اور اب ثمامہ میڈم ہاہاہا۔ میں سوار کو ایک شریف بندہ سمجھتی رہی لیکن جب یہ پڑھنے کو ملا کہ یہ بھی شازمہ کے ساتھ برائی کے دلدل میں بہ خوشی اتر گیا تھا اپنے نفسانی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر تو اب جو ثمامہ نے اس کے ساتھ جو کیا تو ٹھیک کیا۔ اب لگ رہا ہے کہ سکندر ریا کو پرپوز کر ہی دے گا۔ اس معصوم سی لڑکی کے جذبوں کو پذیرائی۔ ملنی ہی چاہیے۔ ''دامنِ سحاب'' وڈیروں اور زمینداروں کے گرد گھومتی ہوئی کہانی لگ رہی ہے۔ دلچسپ ہے...... دھیرے، دھیرے ہی ہم، پڑھنے والوں کو اپنی گرفت میں لے گی۔ اب اجازت لینے کا وقت ہے...... سب بہنوں سے درخواست ہے مجھے اور میری فیملی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

☆ زرتاشیہ جی! زارا منجر اکی کہانی کا مقصد یہ تھا کہ بجائے ہم نئے سال پر خوشیاں منائیں ہمیں اپنے گزرے سال پر نظر ڈالنی چاہیے اور کچھ بھی غلط کیا ہو تو اسے آئندہ نہ کرنے کا عہد کرنا چاہیے۔

ساجدہ جاوید سندیلو...... ٹنڈو محمد خان

میں اور اسے بھول جاؤں کیسی باتیں کرتے ہو فراز
صورت تو صورت وہ نام بھی پیارا لگتا ہے

اس بار کرن تو صرف دیکھا پڑھا نہیں تھا۔ ''وجہ'' ہمارے خاندان میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور میں اکیلی معصوم جان ''ہاہاہا'' آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ بالکل نہیں۔ میرے جیٹھ کی بیٹی (مینا) جو میری بیسٹ فرینڈ بھی ہے اس کی شادی تھی میں رہی سب کی چہیتی چاچی، مامی، پھوپھو، یہ سب میرے لقب ہیں اور خاندان میں سب سے چھوٹی سسرال میں بھی میکے بھی، ایک ہفتہ شادی میں ہی گزر گیا پھر جیسے مصروفیات ختم ہوئیں۔ کرن اٹھایا'' پڑھتے ہی افسوس ہوا کہ یار اب تو خط پوسٹ نہیں کر سکتی کیونکہ تاریخ تو نکل چکی ہے۔ پھر بھی رہا نہیں گیا اور کاغذ قلم اٹھا کر دل کا حال لکھ رہی ہوں سب سے پہلے۔ ''کنارِ خواب جو'' فرح آپی اگر آپ میرے سامنے ہوتیں تو میں آپ کو گلے لگاتی اتنا زبردست نقشہ کھینچا ہے۔ سوار میں آ دی۔ لگا مال کا دھوکا لگایا پڑھنے والوں کو۔ وہ چالاک لومڑی شازمہ کافی اداکارہ نکلی۔ آپی پلیز سوار اور کہکشاں کو ہی ملا دینا (آئی [illegible] سو فرح آپی) ''دامنِ سحاب''، ''ہم نفس میرے ہم نوا'' بھی اس بار اے ون تھا۔ افسانے چھ تھے۔ مگر صرف چار ہی پڑھ سکی ہوں ابھی، کردار'' ام اقصیٰ'' جی کافی خوب صورت لکھا۔ ''صرف عبادت نہیں نیک سیرت ہونا بھی چاہیے'' ویل ڈن ام اقصیٰ''۔ حوریہ بتول ''تم کافی نہیں'' شاندار لکھا آپ نے۔ جو مرد عورت کو اپنی غلام سمجھتا ہے اس کے لیے سبق آموز تھا۔ ''نیلم پری'' ثمنی جمشید، عورت بے چاری صرف اپنے شوہر سے وفا چاہتی ہے۔ لیکن جوان کا گھر برباد کر رہی تھی وہ بھی تو ایک عورت ہے۔ مجھے وہ عورت ہی گھٹیا لگتی ہے جو شادی شدہ مرد کے پیچھے پڑتی ہے۔ ''سدرہ آن ڈائٹ...... '' خوش بخت نے بھی بہت ہنسایا جتنا بھی کرن پڑھا اس پر تبصرہ حاضر ہے۔ فروری میں میرے چھوٹے بھائی کی شادی ہے تو شاید کرن خط نہ لکھوں گی۔

☆ ساجدہ جی! ہم آپ کے مشکور ہیں کہ اتنی مصروفیات کے باوجود خط لکھا۔ آپ کو اپنے بھائی کی شادی کی پیشگی مبارک باد

اقصیٰ شہزاد...... ڈھوک اعوان سکھو

پہلے جب بھی کرن میں لکھتی تھی تو بہت خوش ہو کے لکھتی تھی اور اگر اپنا نام دیکھتی کرن میں تو اپنے بھائی جیلی (Jeeli) کو ضرور دکھاتی جب وہ پڑھتا تو کہتا کہ میرا نام تو لکھتی ہی نہیں ہو۔ ایک دن میں نے پڑھایا تو کہنے لگا۔ کہ میں بھی سوچ رہا تھا کہ کرن میں اپنے نام سے کچھ لکھوں۔ میں نے کہا لکھ دوں لیکن اپنے نام سے نہ لکھنا کیونکہ کرن میں لڑکے نہیں لکھتے تمہارا نام جمیل ہے تو تم جمیلہ کے نام سے لکھ لو۔ تو کہنے لگا نہیں اگر لکھنا ہے تو اپنے نام سے۔ میرا وہ بھائی اتنا اچھا تھا کہ میں کیا بتاؤں بھی

سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی جلدی ہمیں چھوڑ جائے گا۔ ابھی تک یقین ہی نہیں آتا کہ میرا بھائی جیلی مر گیا ہے۔ پتا نہیں کیوں (مرنے) لفظ سے دل مانتا ہی نہیں ہے۔

چونکہ میں آخری پہ تھی تو سب ہی بھائی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے لیکن ان سب میں بھائی جیلی مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔ کیونکہ باقی بہن بھائی تو بہت بڑے تھے اور میرے اور بھائی جیلی کی عمروں میں دو سال کا فرق تھا۔ ہم ایک ساتھ پلے بڑھے جو کام بھی کرنا ہوتا اکٹھے کرتے۔ بچپن میں جب اسکول سے واپس آتے چونکہ میرا اسکول نزدیک تھا تو پہلے میں آتی تھی گھر میں بھائی کا ویٹ کرتی پھر اکٹھے کھانا کھا کر مسجد چلے جاتے۔ وہاں سے بھی اکٹھے واپس آتے۔ بہت اچھا بچپن گزرا ہمارا اور اب بڑے ہو کر بھی ہم میں اتنا پیار تھا جو بھی بات ہوتی میں بھائی کو بتاتی بھائی بھی مجھ سے شیئر کرتا۔ مجھے میری فرینڈز کے گھر لے جاتا۔ کبھی بھی بھائی نے منع نہیں کیا اور نہ آگے سے کچھ کہا میں نے جہاں بھی کہا وہاں بھائی لے گیا۔ بھائی جیلی ہی میرے رسالے لے کر آتا وہی خط پوسٹ کرواتا۔ میں بھائی کی کیا بات بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں۔ جس جس نے بھی سنا کہ جیلی فوت ہو گیا ہے تو کسی کو یقین نہیں آیا اور سب نے یہی کہا کہ بہت اچھا لڑکا تھا۔ یاروں کا یار تھا۔ میرے ابو کے کزن ادھر ہماری ڈھوک پہ ہی رہتے ہیں ہم ان سے ناراض تھے لیکن ان کے بیٹوں سے میرے بھائی کی بہت دوستی تھی۔ اور بھائی نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم ناراض جو ہیں۔ پہلے جیسا ہی ان سے ملتا۔ لڈی کا بہت شوقین تھا اور کہیں بھی مہندی ہوتی تو بھائی جیلی، کامران اور محسن (میرے کزن ہیں) اور بھائی کے دوست تینوں اکٹھے جاتے۔ بہت مشہور تھی ان کی لڈی۔

4 دسمبر 2020 جمعہ کے بعد میں اور بھائی ماموں کے گھر گئے۔ کزن کی شادی تھی۔ اور اس دن مہندی تھی۔ رات ہو گئی تھی بھائی نے مجھے بہت بار کہا کہ عیشو گھر چلیں مجھے بہت سردی لگ رہی ہے اور میں ہر بار کہتی کہ جاتے ہیں نا۔ اتنی کیا جلدی ہے مہندی تو دیکھنے دو۔ اب سوچتی ہوں کہ اگر مہندی نہ دیکھتی تو مر تو نہ جاتی لیکن خیر جو اللہ کو منظور، ہم مہندی میں مصروف تھے اور بھائی جیلی کو کزن نے بھیجا ہوا تھا گوشت لینے کے لیے۔ ان کے مہمان آرہے تھے۔ اور سالن کوئی نہیں بچا تھا ان کے لیے۔ میرے کزن میں سے کوئی بھی نہیں جاتا تھا گوشت لینے تو بھائی چلا گیا۔ بلال آباد سے ملا نہیں تو تلہ گنگ چلا گیا۔ گوشت لے کر واپس آرہا تھا تو جہاز چوک میں بائیک کے ساتھ لگا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ دو دن بے ہوش رہا اور تیسرے دن فجر کے وقت اتوار کو فوت ہو گیا۔ ہمیں ایسا لگتا تھا جیسے قیامت آ گئی ہے۔ بائیک کو دیکھ کر تو لگتا ہی نہیں ہے کہ کسی چیز کے ساتھ لگی ہے بائیک بالکل ٹھیک۔ اور بھائی خود چلا گیا۔ حالانکہ کوئی کچھ بھی نہیں ہوا صرف سر لگا تھا۔ سر میں بھی کوئی زخم نہیں تھا۔ اندرونی چوٹ تھی۔ بھائی آنکھیں نہیں کھول سکتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا ویسے بھائی کو ہوش تھا۔ ہمیں تو امید لگ گئی تھی کہ بھائی ٹھیک ہو جائے گا ایمرجنسی سے نکال کر وارڈ میں لے گئے تھے پھر پتا نہیں بھائی کو کیا ہوا۔ ابھی تک یقین ہی نہیں آتا ایسے لگتا ہے جیسے بھائی ٹھیک ہو کے آجائے گا۔ پلیز، آپ سب سے درخواست ہے کہ میرے بھائی کے ایصال ثواب کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور ہمیں صبر و جمیل عطا فرمائے (آمین)

☆ قیصی جی! موت کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ جس کا جو وقت لکھا ہے اس کو اس وقت جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کو جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے، آمین۔

ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ

عرصہ بعد قلم اٹھایا سمجھ میں نہیں آرہا کیا کہوں کیا لکھوں کیسے آپ سے اپنا دکھ بانٹوں سب کچھ ختم ہو گیا جینے کو دل ہی نہیں کرتا نہ ہی کچھ کرنے کو۔ 6 نومبر کا دن زندگی میں خلا چھوڑ گیا جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ امی جان چھوڑ کر چلی گئیں۔ 5,4 نومبر کی راتیں اسپتال میں ان کے ساتھ گزاریں اک لمحہ بھی خیال نہ آیا کہ وہ یوں چھوڑ جائیں گی نہ کوئی بات کی نہ نصیحت نہ ڈانٹا۔ ابھی بھی ایسے لگتا ہے جیسے وہ کہیں گئی ہوئی ہوں اور جلد لوٹ آئیں گی گھر۔ صبر نہیں آتا۔ کیا کروں؟ ابو تو پہلے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ امی نے باپ بن کر پالا امی کی محنت کوششوں سے ہر بہن بھائی اچھی پوسٹ پر جاب کر رہا ہے۔ امی کو بہت

خواہش تھی کہ میری شہزادی (گھر میں مجھے شہزادی بولتے ہیں) نے خاندان بھر میں سے بس میری بچی نے ہی سائنس پڑھی ہے اس کی جاب لگتے دیکھ لوں۔ مگر ہائے رے قسمت 2 نومبر کو PPSC کا ٹیسٹ تھا۔ امی کی ٹینشن میں ٹیسٹ برا ہوا اور شاندار طریقے سے فیل ہو گئی۔ جو اللہ کی مرضی۔ سچ کہا کسی نے گھر کا جو چھوٹا بچہ سب سے لاڈلا ہوتا ہے زندگی اس کا امتحان لیتی ہے۔ فوزیہ ثمر بٹ آج سے میں بھی آپ کی لسٹ میں شامل ہو گئی آپ کو اور مجھے صبر دے مولا کریم (آمین)۔ سب قارئین ادارے والوں سے دعا کی درخواست ہے رسالے نہیں چھوڑیں ایک یہی تو آسرا ہے گھڑی دو گھڑی دکھوں سے نکلنے کا بہت بہت شکریہ سب بہنوں کا شعاع، خواتین کرن کا جو ہر دکھ میں حوصلہ دیتا ہے۔ صبر کرنا بھی ان کہانیوں میں موجود کرداروں سے سیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور ماں باپ کا سایہ ہمیشہ آپ پر قائم رکھے (آمین) اپنی امی کے لیے شعر!

صرف تصویر باقی رہ گئی ہے امی
جس میں ہم ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں

اب جس ترتیب سے کرن کا مطالعہ کیا ہے ویسے ہی تبصرہ کروں گی (نامے میرے نام) پہلا خط جاوید سندیلو تبصرہ شان دار۔ ارے واہ! اتنا کچھ کھلا کے مجھے موٹا کردیں پلیز میں تو بہت پتلی سی ہوں۔ بریانی آپ کے ہاتھ کی ضروری کھاؤں گی۔ اور جی بالکل آپ کی بیسٹ فرینڈ بنوں گی آپ میرے جواب کا انتظار کر رہی ہوں گی سو سوری لیٹ جواب دینے پر۔ فہمیدہ جاوید میں حاضر ہوں آپ نے بلایا دیکھیں میں آ گئی ہوں۔ فائزہ بھٹی منگنی کی مبارکباد شادی کا احوال بہت اچھا تھا اور افسانہ شائع ہونے پر بھی مبارکباد قبول کریں خوش رہیں۔ بشریٰ یامین ملک نگارشات پسند کرنے کا شکریہ۔ اقصیٰ شہزاد شکریے کی کوئی بات نہیں۔ آپ مجھے ہمیشہ ہی یاد رہتی ہیں۔ آپ کی دوستی مجھے دل و جان سے قبول ہے۔ آپ کا لکھا ہوا شعر بھی بہت بہت اچھا لگا۔ خط بہت کم تھے دسمبر میں کدھر غائب ہو بھئی بس جلدی سے آ جاؤ باقی جس جس نے دوستی کی آفر کی ہے مجھے قبول ہے۔ اگر کوئی بات کرنا چاہتی ہے تو بتا دینا میں ادارے والوں کو نمبر بھیج دوں گی یا پھر فیس بک پر ماہی خان (Mahii Khan) کے نام سے اکاؤنٹ ہے۔ اسپیلنگ ماہی کے یہی ہوں جو لکھے ہوئے اور نک نام (The Golden girl) لکھا ہوا ہے۔ جو بھی دوست ایف بی پر ہو گی وہ مجھے ڈھونڈ کر لازمی بات کرے۔ "کرن کتاب" بہت اچھی تھی۔ فلورل جیولری پیاری لگی۔ فائزہ بھٹی کی مہندی پر پہنوں گی۔ (آنسو نہ روکیں بہنے دیں) رو رو کے آنکھیں بنجر ہو گئی ہیں اب تو آنسو بھی نہیں آتے۔ عاصمہ یامین ملک کا باورچی خانہ اچھا لگا۔ (شکوہ) کس سے کریں جب اپنے ہی اپنے نہ رہیں۔ لوگ رنگ کیسے بدلتے ہیں ان دو ماہ میں اچھی طرح پتا چلا گیا ہے (کچھ موتی چنے ہیں) افشاں سیج، عابدہ غوری، اقصیٰ شہزاد، فائزہ بھٹی اور فوزیہ جی چھا گئیں (یادوں کے دریچے) میں مجھے شامل کرنے کا شکریہ (کرن کرن خوشبو) ہمیشہ کی طرح لاجواب اور پسندیدہ سلسلہ ہے۔ (اداریہ) "گزرا سال کچھ کے سپنے لے گیا اور کچھ کے اپنے" اللہ تعالیٰ نئے سال کو ہر پاکستانی کے لیے آسان بنائے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرے (آمین)۔ (مقابل ہے آئینہ) طوبیٰ ممتاز سے ملاقات اچھی رہی۔ شاید یہ میری دوست نہیں ہیں۔ کیوں طوبیٰ سہی کہا؟ (شادی مبارک)۔ (دامن سحاب) مہوش افتخار کا ناول اچھا لگا۔ طیبہ کی زندگی مشکل ہو گی اب۔ پہلی قسط میں ہی دکھ۔ خیر ایک دو قسط پڑھ کر ہی رائے دی جا سکتی ہے۔ (میرے ہم نفس میرے ہمنوا) ارسلہ جیسی لالچی عورت آج تک نہیں دیکھی۔ ایسی عورت کو تو اولاد کی خوشی دینی ہی نہیں چاہیے تھی۔ (چورنی) زارا ہجرا کا افسانہ حقیقت پر مبنی تھی۔ پتا نہیں بھابھی ایسی کیوں ہوتی ہے بھائی کی نظر میں بہن کو برا کرنے کے لیے خود اپنے سے ہی الٹی سیدھی باتیں بنا لیتی ہیں۔ اللہ ان عورتوں کے شر سے محفوظ رکھے (آمین)۔ (آخری کنارے پر) مکمل ناول اچھا تھا۔ جو لوگ قسمت میں نہ ہوں وہ مل کر بھی بچھڑ جاتے ہیں جیسے حاجرہ اور ولید۔ ویل ڈن سدرۃ المنتہٰی، (بابل) شمائلہ دلعباد کا افسانہ سبق آموز تھا۔ اولاد اولاد ہی ہوتی ہے ایسے ہی تو اولاد کو فتنہ نہیں کہا گیا۔ ہر ماں باپ کے لیے اولاد اول درجے پر ہوتی ہے۔ بھائی اور باپ میں ویسے بہت فرق ہوتا ہے۔ ماں باپ کی وفات کے

بعد نہ بڑا بھائی باپ بن سکتا ہے نہ بڑی بہن ماں (میرا ذاتی تجربہ ہے)۔ (کنار خواب جو) فرح بخاری دل کرتا ہے آپ کے ہاتھ چوم لوں۔ اب کنعان اور سوار کی شادی کروادیں۔ سوار کا ماضی کھول دیں۔ (ملن سے ذرا پہلے) فرح طاہر کا افسانہ آج کل کی اٹل حقیقت جس سے کوئی منہ نہیں موڑ سکتا۔ فرح طاہر ویلڈن۔ دعا ہے یہ افسانہ ہر لڑکے کی ماں پڑھ لے تو کچھ عقل آجائے (آمین)۔ (کالج سے سائبان) مصباح علی سید کے ہاتھوں میں تو کوئی جادو ہے شاید کوئی اتنا اچھا بھی لکھ سکتا ہے؟؟ مصباح یہ میں تعریف کررہی ہوں۔ (میرے چارہ گر) مکمل ناول بہت بہت اچھا تھا مجھے سب سے زیادہ یہی پسند آیا۔ ڈاکٹر افنان کا کردار بے حد مضبوط تھا۔ اہل نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا۔ پھپھو ماہین اور اس کے بیٹے کا بھی یہی انجام ہونا تھا۔ ویلڈن نوشین فیاض۔ (ہائے میری ساس) صبا بہار کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ بزرگ جب چلے جائیں تب ان کی قدر ہوتی ہے جیسے میری بھابھی کو میری امی کی۔ بہت اچھا افسانہ (جو گاہک پھولوں جیسا ہو) تو انسان خود کو بیچ دیتا ہے۔ شبانہ شوکت کا ناولٹ اچھا تھا۔ برے کام کا برا انجام۔ انسان اپنی غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے۔ ہلکا پھلکا سبق آموز ناولٹ اچھا رہا۔ (وہ ایک اردو داں) نوین سلیم کا ہلکا پھلکا افسانہ اچھا لگا۔ اردو ہماری قومی زبان ہے ہمیں اس پر فخر کرنا چاہیے۔ دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنی زبان کو فروغ دیتی ہیں۔ زینب کا کردار بہت اچھا لگا (افسانہ حقیقت) کیمرا سرفراز کے افسانہ نے رلا دیا۔ ویسے بالکل صحیح بات ہے جو کہانیوں میں ہوتا ہے وہ اصل زندگی میں نہیں ہوتا کہانیوں میں تو شہزادے بھی آجاتے ہیں حقیقی زندگی میں تو کوئی "جن" بھی نہیں آتا (ہاہاہا)

بشریٰ یامین ملک، دریا خان ضلع بھکر

دسمبر کے شمارے کا ٹائٹل بغور دیکھا، ماڈل صاحبہ جدید طریقے سے کان پکڑ کر معافی مانگ رہی تھی مجھ سے (جا تجھے معاف کیا کان پکڑ کر معافی مانگنے والی) نزہت جبیں ضیاء نے شادی کا احوال لکھا خوشی ہوئی۔ "دامن سحاب" کی یہ قسط بھی اچھی لگی (مطلب پہلی) افسانے سب پسند آئے "آخری کنارے پر" ایک دم بکواس ناولٹ اور نام؟ عیدن؟ اللہ اللہ شکر ہے بقرن نام نہیں رکھا ورنہ بقرہ عید کا بیڑا غرق ہوجاتا۔ "جو گاہک پھولوں جیسا" بہت اچھے۔ "میرے چارہ گر" مزیدار ناول۔ "کچھ موتی چنے ہیں" حریم سلمان، فائزہ بھٹی اور فوزیہ ثمر بٹ کے "موتی" بہت پسند آئے جنہیں میں ساجدہ جاوید سندیلو کے نئے دوپٹے پر ٹانکنا چاہ رہی تھی لیکن یہ کیا؟ ان کا دوپٹا موتیوں سے اتنا لدا پھندا تھا کہ فوراً منہ سے نکلا ہائے اللہ! دیکھ کر ایسے محسوس ہوا جیسے دوپٹے پہ موتی نہیں بلکہ موتیوں پہ دوپٹا لگایا ہوا ہے ہاہاہا۔ "ناے میرے نام" میرا نام تو بہت چمک رہا تھا شاید آپ میرے لیے اسپیشل لائٹنگ کا اہتمام کرتی ہیں تھینک یو۔ سب کے خط اے ون تھے "کیا آپ پھٹی ایڑیوں سے پریشان ہیں؟" جی ہاں میں نہیں میری امی جان، ٹپس پسند آئیں "فلورل جیولری" من کو بھا گئی ویسے سوچنے کی بات ہے کہ یہ من کون ہے کہیں دومن کی بہنیں تو نہیں؟ ہاہاہا۔ "اپنے گھر کو دیمک سے بچائیں" کیوں ہمارا گھر لکڑی کا ہے کیا؟ وری گڈ اب دیکھتے جائیں میں دیمک کی بینڈ کب اور کیسے بجاتی ہوں۔ "آنسو نہ روکیں بہنے دیں" تاکہ ناک بھی بہنے لگ جائے واہ کتنے انٹیلی جنٹ ہیں آپ لوگ "کچن اور آپ" عاصمہ یامین ملک (میری بہن دل، گردہ، معدہ سب تھام لو) آپ کے جواب بہت پسند آئے مزید تعریف نسخہ مزالیونے (پین کی سیاہی ختم ہوجائے گی) "شکوہ ضرور کریں مگر پیار سے" (اچھا آآآ؟) آنٹی میرا مقابل ہے آئینہ جلد شائع کریں ناں اتنا پیار سے کافی ہے؟ منعم ملک! آپ کا لکھا "روپ کے شیدائی" بہت پسند آیا زبردست کیا بات ہے "بوکس" اوہ آپ کی (مجھے آپ کا پین جس سے روپ کے شیدائی لکھا تھا اچھا لگنے لگا ہے) اب تبصرہ ہوجائے سال نو نمبر پر، ماڈل بہت خوش ہورہی ہے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ وہ بالکل اچھی نہیں لگ رہی اچھا بھئی اب مجھے تو دیکھ لو (پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی) زینب احمد! آپ رو کیوں رہی ہیں؟ دیکھیں میں آپ کو سن رہی ہوں ناں یار۔ زینب احمد کے بعد "مقابل ہے آئینہ" نے توجہ لی آپ کے (عائشہ کیانی کے) جوابات

پسند آئے لیکن پرس میں کچرا نہ ڈالا کریں اچھے بچے ڈسٹ بن یوز کرتے ہیں (اب یہ ثانی لو اور ناراضی ختم کرو) "دامن سحاب" پسند آ رہا ہے افسانوں میں "زندگی کے شجر سے" (ایک پھل...... صرف ایک پھل مجھ ندیدی کو دے دو) بہت اعلیٰ، باقی افسانے بھی اچھے لگے "کرن کرن خوشبو" ذرا بھی خوشبو نہیں آئی کیونکہ میرا ناک جو بند تھا سب لوگوں نے میرا دل جیت لیا زرتاشیہ نعمان! دعاؤں کے لیے بہت شکریہ جی ہم دونوں سسٹرز ہیں عاصمہ مجھ سے دو سال بڑی ہے آمنہ، فاطمہ، واعظہ شاہد اور عاصمہ شبیر! نا ے میرے نام میں ویلکم، مسکان نور! دیکھ لیں، فرینڈ شپ آفر آپ کر رہی ہیں یہ نہ ہو کہ فرینڈ شپ اینڈ بھی آپ ہی کر رہی ہوں ہاہاہا۔ میں فرینڈز کا سر بہت کھاتی ہوں، ان سے نخرے نکلواتی ہوں، پاکٹ منی سے سموسے اور دہی بڑے ٹھونستی ہوں مطلب یہ کہ میں فرینڈز کی جیب ہلکی نہیں بلکہ خالی کرواتی ہوں۔ آج سے بشریٰ یامین ملک آپ کی دوست ہے۔ ثانیہ بلال اور ان کی والدہ کے لیے دعائیں، اس کے بعد "کرن کتاب" میں انگلش حروف اور شخصیت پر اثر، یہ آجائیں ذرا۔ B والا بالکل جھوٹ، سچ میں میں تو ایسی نہیں ہوں (خول میں بند رہنے والی) بلکہ میں خول میں بند رہنے والے لوگوں کے خول توڑنا خوب جانتی ہوں۔ "ادرک کی چائے، کون بنا کر پلائے" واہ بہترین "انا" شادی شدہ زندگی کی دشمن اوہ تو یہ بات ہے میں تو شادی کے بعد انا نامی لڑکی سے ایک میل دور رہوں گی بھئی دشمن سے ایک میل دور رہنا ہی اچھا ہے۔ "مونگ پھلی کی چکی" ریسپی پڑھ کر فوراً تہیہ کیا کہ اپنی کوکنگ کے جوہر دکھا کر رہوں گی اور چکی کو حلوے میں بدل دوں گی ہاہاہا۔

اقراء سرور فرام ڈی جی خان آپ کی کزن صغراں کے بارے میں پڑھا بہت بہت زیادہ افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ صغراں کے تمام گھر والے اور قریبی رشتہ داروں، دوستوں اور عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور صغراں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

ج: بشریٰ جی! اتنا دلچسپ اور تفصیلی خط لکھنے کا بہت شکریہ۔

عاصمہ یامین ملک، دریا خان ضلع بھکر

برتنوں کے ایک بڑے ڈھیر سے نبرد آزما ہونے کے بعد بجائے ٹوٹی کمر کو آرام دینے کے تبصرہ لکھنے بیٹھ گئی۔ بشریٰ کا لیٹر پڑھا اس کے بعد (حسب معمول) سب سے پہلے فائزہ بھٹی کا لیٹر پڑھا اور فائزہ آپ مجھے بہت پسند ہیں اور آپ کا برجستہ انداز تحریر بھی، مجھ سے دوستی کریں گی۔ ثریا راجپوت، طوبیٰ ممتاز آپ کے بارے میں جان کر اچھا لگا فائزہ بھٹی کی شادی کا احوال، (سوری غلطی ہو گئی) بہت اچھا لگا خاص طور پر ماریہ کی ساس کی نشاندہی ہاہاہا

"روپ کے شیدائی" بہترین تحریر تھی "کنار خواب جو" تعریف کریں تو کیسے اب چاند کو لائٹر دکھانا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے؟ عطیہ خالد بہترین افسانہ نگار ہیں اور آپ لوگوں نے شاعری کیوں ختم کی میں آپ سے ناراض ہوں، سوتی تو سب ہی زبردست تھے تو تمام ہی چن لیے اب ای ناراض ہوں گی کہ اتنے موتیوں کا کیا کروں گی؟ ہاہاہا۔ اس بات پر میرے لیے تالیاں۔ میرا ایمان ہے کہ اللہ ہر ایک کو سب کچھ نہ دے مگر کچھ نہ کچھ ضرور دیتا ہے تو میرے الفاظ بے شک قابل تعریف نہ ہوں مگر الحمد للہ میری آواز کی ایک دنیا دیوانی ہے۔ اب اس ماہ کا تبصرہ "کنار خواب جو" بہترین لو اسٹوری میرے چارہ گر، آیت کا کردار زبردست۔ "آخری کنارے پر" ٹھیک تھا "کانچ سے سائبان" ویلڈن، بانل، علاج، چوری، بلن سے ذرا پہلے سب کے سب زبردست تھے ہساس، اردو دان اور افسانہ حقیقت بھی بہت اچھے تھے۔ "کچن اور آپ" میں میرا نام اف ڈائجسٹ ہاتھ میں تھا اور چیخیں چھت پر اور اس ماہ نام دیکھ کر خوشی سے بے حال (نا ے میرے نام میں) مسکان نور تھینکس فار کمنٹس۔ آپ کی خواہش سر آنکھوں پر آپ تو مجھے پہلے ہی پسند ہیں۔ زرتاشیہ نعمان تھینکس فار لائکس اور جی ہاں میں اور بشریٰ دونوں بہنیں ہیں دو سال کے فرق سے پر لوگ کہتے ہیں

جڑواں ہو کسی شادی وغیرہ پر کپڑے اور میک اپ سیم ہو تو لوگ پوچھتے ہیں میں پہلے کس سے ملی تھی؟ اور زری آپی یہ آپ نے کیسی غیروں والی بات کر دی ریسپی چھوڑیں آپ ایڈریس دیں اسی کے لڈو، گڑ کے چاول، دال کا حلوہ اور کریلا آپ کے گھر بھجوا دیتی ہوں۔ صدف، مقدس اینڈ طوبیٰ جی خاص لوگ سوچ میں نہیں پڑتے تو جناب آئی نو دی آر سو اسپیشل اینڈ گریٹ (آہم آہم) ساجدہ جاوید جی میں نے امی سے آپ کی کہی ہوئی قیمے والی بات کہی تو امی کہنے لگیں "اچھا اب تمہاری مائیں تمہیں یوں باتیں سکھائیں گی؟ (ارے سیریسلی نہیں بھئی مذاق) اقراء سرور 3 ماہ پہلے آپ کا خط پڑھا دل چاہا ایسا رکھ کر آپ کو لگائیں کہ آپ کا رخ روشن دائیں سے بائیں مڑ جائے ابھی تو بنت سحر کو میں ڈھونڈ نہ پائی آپ کا گم ہونا میں افورڈ نہیں کر سکتی۔ "کرن کتاب" بھی زبردست ہے اور جنوری کا کرن ابھی پورا نہیں پڑھا تبصرہ ادھار ہے اور جناب آپ لوگ بہت چالاک ہو ماڈل کو دو دو ہار پہنا دیے اور ہاں فلورل جیولری ایسی بھائی کہ میری کزن کی 9 جنوری کو تھی میں اس کے لیے مہندی کی رات کے لیے فلورل جیولری لے کر گئی تھی جو سب کو بے حد پسند آئی۔ عائشہ کیانی، مقابل ہے آئینہ" میں آپ کے مہمانوں اور کھانے میں پسند پڑھ کر میں نے چونک کر اوپر دیکھا کہیں بشریٰ تو نہیں ہے مگر...... خیر آپ کا انٹرویو اچھا لگا بہت اور آخری بات تو بہت زیادہ پسند آئی۔ ماریہ نذیر بھاگ گئتا تو الہ کہاں ہو بھئی؟ آئی مس یو۔

"دامن سحاب" طلیل صاحب کی بیماری بہت تکلیف میں مبتلا کر گئی۔ اور فائزہ بھٹی آپ کے کزن کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا تھا عقیلہ بھابھی کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے اور صبر جمیل بھی ابھی بھی حور العین کی فیملی اور آپ کے کزن کے بارے میں بات کرتے ہوئے حلق میں آنسو اکٹھے ہو کر بولنا دشوار کر دیتے ہیں۔

ج: عاصمہ جی! ہماری خوشی کی انتہا نہیں ہے کہ آپ کو کرن سارے کا سارا بہت پسند آیا۔ اس کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔

آمنہ یامین ملک، دریا خان ضلع بھکر

میں عاصمہ اور بشریٰ یامین ملک کی سسٹر ہوں، میری شادی کو تین سال ہو چکے ہیں اس تمام عرصے میں کرن اور میرا ساتھ میرے شوہر کی بدولت رہا، میرے شوہر ملک فرحان علی بہت کمپرومائز کرنے والے ہیں۔ میری ایک بہت خوب صورت سی بیٹی حریم فاطمہ بھی ہے جو چار ماہ کی ہے میرے بڑے بہنوئی ملک کامران علی (جو میرے جیٹھ بھی ہیں) نے مجھے بیٹی پیدا ہونے کے بعد چالیس دن تک مطالعہ کرنے سے سختی سے منع کیا تھا لیکن اٹھارویں دن میں رسالہ پڑھ رہی تھی میری بڑی بہن ثوبیہ کمرے میں آگئی مجھے رسالہ پڑھتے دیکھ کر اس نے مجھ سے رسالہ چھینا، پھر میرے سر پہ مار کر رسالہ اپنے ہمراہ لے گئی۔ (یہ ہے ہماری محبت رسالوں کے ساتھ) میری بہن ثوبیہ اور میری ایک ہی گھر میں (دو بھائیوں کے ساتھ) شادی ہوئی ہے۔ میری عمر تئیس سال ہے کرن کے ٹائٹل اچھے ہوتے ہیں۔ جس رائٹر نے مجھے انسپائر کیا وہ ہیں منعم ملک، یہ بہت زبردست رائٹر ہیں ان کی ہر تحریر میں مضبوطی ہوتی ہے "روپ کے شیدائی"، "بالو شے" اور پھر "اسی راہ گزر پر" بیسٹ تحاریر ہیں اور مجھے بہت پسند آئی ہیں ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے باقی تمام رائٹرز بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ہم سب بہنیں بہت شوق سے خواتین، کرن اور شعاع پڑھتی ہیں "کرن کتاب" بہت اچھا اضافہ ہے بیوٹی بکس، فیشن اور اسٹائل، اس ماہ کا پھل، صحت، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل، کچن اور آپ اور کرن کا دستر خوان بیسٹ سلسلے ہیں۔ مستقل سلسلے بھی قابل تعریف ہیں۔ تفصیلی تبصرہ پھر کبھی، آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ اور ہاں عاصمہ یامین ملک کا کچن اور آپ بہت پسند آیا۔ جوابات بہت اچھے لگے اور گزشتہ ماہ (جنوری میں) انیلا طالب کے جوابات بھی بہت اچھے تھے "مقابل ہے آئینہ" بھی بہت زبردست سلسلہ ہے۔

ج: آمنہ جی! کرن کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

☆☆

بیوٹی باکس

ناریل کا تیل — حسن و آرائش کے لیے منفرد استعمال

ناریل کا تیل ایک عام سا تیل ہے جیسے کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جسمانی خوب صورتی بڑھانے کے لیے بھی اسے لگایا جاسکتا ہے ناریل کے تیل کی مہک جتنی بہترین ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ فوائد بھی۔

☆ ناریل کا تیل ہاتھوں کی جلد کو مرطوب رکھتا ہے۔ اس میں وٹامن اے اور ای کے علاوہ اینٹی ایکسیڈنٹس پائے جاتے ہیں۔ چند قطرے ناریل کا تیل لے کر اپنے دونوں ہاتھوں پر مساج کریں۔ اس سے فوری نتیجہ سامنے آئے گا۔

☆ ناریل کا تیل فیٹی ایسڈ سے بھرپور ہوتا ہے، یہ آنکھوں کو سرخ ہونے اور پپوٹوں کو سوج جانے سے روکتا ہے۔ چند قطرے ناریل کا تیل تھوڑے سے روغن بادام کے ساتھ ملا کر آنکھوں کے گرد لگانے سے سیاہ حلقوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

☆ ناریل کا تیل پلکوں اور بھنوؤں کے بالوں کو غذا فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس کو مسکارے کے کسی صاف برش کے ذریعے سونے سے قبل پلکوں اور بھنوؤں پر لگالیں تاکہ سونے کے دوران یہ تازہ دم ہوجائیں۔

☆ ناریل کا تیل خون کی گردش کو فعال بناتا ہے اس کے علاوہ جلد کی تہ میں جمع ہونے والی چربیوں سے بھی چھٹکارا دیتا ہے جس سے جلد نرم و ملائم ہوجاتی ہے۔ ناریل کے تیل کو روزانہ جسم کے ان مقامات پر لگائیے جہاں پر چکنن یا چربی کا جماؤ ظاہر ہوتا ہو۔ اس کے بعد کچھ دیر مساج کیجیے تاکہ تیل جلد کی گہرائی میں پہنچ جائے۔ کچھ ہی عرصے میں آپ کو نمایاں بہتری نظر آئے گی۔

☆ ناریل کا تیل بالوں کے لیے کنڈیشنر کا کام کرتا ہے۔ ہفتے میں دو بار ناریل کا تیل بالوں پر لگانے سے ان کی چمک برقرار رہتی اور بال تیزی سے لمبے ہوتے ہیں۔

اگر آپ سر میں جوؤں کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ناریل کا تیل استعمال کریں۔ اکثر بالوں پر ہیئر کلر لگوانے کی وجہ سے بال بے جان ہوجاتے ہیں۔ ناریل کا تیل اس مشکل کو بھی دور کرتا ہے۔

☆ سردیوں میں ہونٹوں کا خشک ہونا اہم مسئلہ ہے جس کے لیے بازاروں میں نت نئی ادویات و لپ بام موجود ہیں لیکن ناریل کے تیل سے تیار کیا جانے والا لپ بام خشک ہونٹوں کے لیے انتہائی مفید ہے۔

☆ ناریل کا تیل ونٹر باڈی اسکرب کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ آدھا کپ ناریل کے تیل کو دو کھانے کے چمچے نمک کے ساتھ مکس کریں اور جسم پر لگائیں کیونکہ نمک آپ کی جلد سے ڈیڈ سیلز کو ختم کرتا ہے اور ایکسفولی ایٹ کرتا ہے۔

☆ خشکی کی وجہ سے ہونے والے زخم کو بھی ناریل کے تیل سے ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔

☆ ناریل کے تیل کو بائی کاربونیٹ سوڈے کی کچھ مقدار کے ساتھ ملالیں تاکہ دانتوں کو ایک قدرتی منجن فراہم ہوجائے جو ہفتے میں ایک یا دو بار استعمال کے نتیجے میں آپ کو سفید دانتوں کا مالک بنادے گا۔

☆ ناریل کے تیل کو فاؤنڈیشن میں ملائیں۔ فاؤنڈیشن تھوڑا پتلا ہوجائے گا اور آسانی سے چہرے پر لگ جائے گا۔

تصاویر ڈیلیٹ ہوگئی ہیں......؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسمارٹ فون یا ڈیجیٹل کیمرے پر آپ کی اچانک غلطی سے کوئی ایسی تصویر یا اہم فائل ڈیلیٹ ہو جاتی ہے اور آپ اسے دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ ایسا نہیں کر پاتے۔

اگر آپ کے اسمارٹ فون سے تصاویر ڈیلیٹ ہو جائیں تو فوری طور پر وائی فائی منقطع کردیں اور اسے ایئرپلین موڈ پر منتقل کردیں یا پھر اوراسے ایئر پلین موڈ پر منتقل کردیں یا پھر سلیپ موڈ پر ڈال دیں۔ اگر کیمرے میں ایسا ہوا ہے تو اسے بند کر کے کارڈ کو باہر نکال لیں۔ ایسا کرنے سے دو فائدے ہوتے ہیں پہلی تو یہ کہ ڈیلیٹ ہونے کا عمل مکمل ہونے سے پہلے تھم جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے ڈیوائس کو ڈیلیٹ فائلز کے ڈیٹا پر اوور رائٹنگ سے روکا جا سکتا ہے۔ ڈیلیٹ شدہ تصویر کو واپس لانے کے لیے ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔

انٹرنیٹ پر ایسی متعدد ایپلی کیشنز دستیاب ہیں جو ڈیلیٹ ہو جانے والی تصاویر واپس لانے کا دعوا کر کے پریشان لوگوں کو اپنی جانب کھینچتی اور فری ٹرائل کے نام پر آزمانے کی دعوت دیتی ہیں۔ تاہم ان کے ذریعے تصاویر کو واپس لانے کے لیے کافی پیسے خرچ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایپس مکمل طور پر فراڈ تو نہیں ہوتیں مگر بیشتر مفت کام نہیں کرتیں۔

اینڈرو ئیڈفون

اینڈرو ئیڈ فون پر ڈیلیٹ ہو جانے والی تصویر کی ریکوری کے لیے ایک بہترین مفت ٹول دستیاب ہے جسے کا نام Disk Digger ہے۔ اس کا بیسک فوٹو اسکین کافی موثر ثابت ہوتا ہے اور ڈیوائس کے Code میں موجود تصاویر کو باہر نکالتا ہے۔ تاہم تصویر کا ریزولوشن ضرور متاثر ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر یہ کام نہ کریں تو Dr.Fone for Android نامی ایپلی کیشن ضرور کارآمد ثابت ہوگی۔

آئی فون

گزشتہ سال آئی ایس او ایس میں ایک آپشن Recently Deleted کا اضافہ کیا گیا تھا جہاں ڈیلیٹ ہو جانے والی تصاویر تیس دن تک موجود رہتی ہیں۔ اس مدت کے دوران آپ وہاں سے تصاویر کو واپس فون کا حصہ بناتے ہیں۔ یہ فیچر آپ کو اس کے البم کے آپشن میں ملے گا۔

میموری کارڈ میں موجود تصویر

میموری کارڈ سے ڈیلیٹ ہو جانے والی تصاویر کو واپس لانے کے لیے بہترین ایپ Recuva ہے جو ونڈوز 10 پر مفت موجود ہے۔ اسے ڈاؤن لوڈ کر کے اوپن کریں اور اپنے کارڈ کو کمپیوٹر سے منسلک کر کے سامنے آنے والی ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ اس ایپ کے ذریعے آپ اپنے میموری کارڈ کا ڈیٹا حاصل کر سکتے ہیں۔

صحت

وٹامن ڈی سرد موسم کے لیے ضروری

سردموسم میں جسم کو قوت مدافعت میں اضافہ کرنے اور اس کی طاقت کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری کہ ہم دیسی نسخہ جات پر مشتمل اشیاء کا استعمال کریں یا ایسی دواؤں یا سپلی منٹ کو اپنائیں۔ ماہرین کے نزدیک وٹامن ڈی اس معاملے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اور اسے سردیوں کا بہت ہی موثر اور کارآمد وٹامن تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا عنصر ہے جو ہماری جلد میں پیدا ہوتا ہے اور گردے اور جگر کو فعال رکھتا ہے۔ اور ہماری قوت مدافعت اور ہارمونل ایکٹیویٹی پر بھی خاص اثرات مرتب کرتا ہے۔ سردیوں میں اس کی ضرورت اور اس کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس موسم میں دھوپ میں شدت نہیں ہوتی اور یہی عمل قدرتی طور پر انسانی جلد میں وٹامن ڈی کو پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ ہماری قوت مدافعت میں اضافہ کرتا ہے اور ہمیں ان بیماریوں سے بچاتا ہے جو متعدی کہلاتے ہیں۔ مثلاً تپ دق، انفلوئنزا اور اسی طرح دوسری لگنے والی بیماریاں۔ مجموعی صحت کے لیے بھی اس کا کردار قابل ذکر ہے۔ یہ کیلشیم اور میگنیشیم کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ پروٹین اور کاربوہائیڈریٹس کو فعال کرتا ہے اور ہڈیوں کی بوسیدگی، جوڑوں کا درد اور ہڈیوں سے متعلق دیگر بیماریوں کے امکانات کو کم سے کم کرتا ہے۔

وٹامن ڈی میں جو طاقت ور اجزا ہوتے ہیں وہ اپنے اندر معجزاتی فوائد رکھتے ہیں۔ یہ خواتین کی صحت کے لیے بہت مفید ہے اور اس کی تولیدی طاقت اور صلاحیت میں بہتری اور توانائی لانے کے ساتھ ساتھ اس کو فطری انداز میں فعال رکھتا ہے۔

ماہرین کے مطابق ایک فرد کو روزانہ پانچ سے دس مائکروگرام (Mcg) وٹامن ڈی کا استعمال کرنا چاہیے۔ لیکن اگر ایک دن میں اسے چالیس مائکروگرام استعمال کیا جائے تو اس کے غیر ضروری منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نے اپنے جسم میں کیلشیم کی مقدار میں اضافہ کیا ہے یا آپ کسی ایسے عارضہ میں مبتلا ہیں جس کا تعلق جگر سے بنتا ہے تو ضروری ہے کہ وٹامن ڈی کی مقدار کو کنٹرول میں رکھیں۔

وٹامن ڈی کی کمی اور علامات: ماہرین کے مطابق وٹامن ڈی کی کمی کی تشخیص آسان نہیں کیونکہ اس کے اثرات طبیعت کی خرابی کا سبب نہیں بنتے اگر یہ علامات ہوں تو آپ وٹامن ڈی کا ٹیسٹ کروا کر معلوم کر سکتے ہیں۔

کمزور مدافعتی نظام مثلاً کسی انفیکشن یا وائرس کے ہو جانے کے بعد صحت یابی میں کافی وقت لگنا۔ یا پھر چوٹ لگنے کے بعد دیر سے ٹھیک ہوتا ہے۔ کمر اور جوڑوں میں درد، مستقل تھکاوٹ، جسم میں درد اور سستی کا غالب رہنا۔ ڈپریشن اکتاہٹ اور چڑچڑاپن پسینے کی زیادتی، کمزور مسلز وغیرہ۔

وٹامن ڈی کے حصول کے قدرتی ذرائع: ہم اپنی خوراک میں درج ذیل غذائیں شامل کر کے وٹامن ڈی کی کمی سے بچ سکتے ہیں۔ سردیوں میں دیسی گھی سے مساج کر کے دو سے تین گھنٹے دھوپ میں گزارنا شروع کر دیں تو وٹامن ڈی کی کمی کے اثرات سے بچیں رہیں گے۔ اس کے علاوہ اپنی غذا میں مچھلی، مشروم، جھینگا دیسی انڈے کی زردی انڈا ابال کر یا کچے دودھ میں حل کر کے پینے سے یہ مقدار اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ روز مرہ غذا میں گائے اور بکری کا خالص دودھ، دہی، مکھن، پنیر، خوبانی، پستہ، آڑو، پپیتا، گاجر، پالک، بند گوبھی، گندم اور جو کا دلیہ اور بیج جوس، کالے سفید تل، مغز، بادام، اناج اور ساگ وغیرہ میں وٹامن ڈی قدرتی طور پر پایا جاتا ہے۔ دو کھجوروں میں سفید تل بھر کر دن میں تین دفعہ کھانے سے بھی بھرپور وٹامن ڈی حاصل ہوتا ہے۔

وٹامن ڈی کی کمی کا سب سے بڑا سبب پراسڈ فوڈز فاسٹ فوڈز، فارمولا دودھ، کولا مشروبات بیکری کے آئٹمز وغیرہ ہیں۔

نفسیاتی اور معاشرتی مسائل

ذہنی دباؤ... آپ کی صحت اور سکون کا دشمن

دباؤ (Stress) ہماری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ ہم سب دن میں کئی بار اس کا شکار ہوتے ہیں۔ اگرچہ دباؤ انسانی معاشرے میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے لیکن انسانوں کے مشینوں کا غلام بننے کے اس دور میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب اسے باقاعدہ ایک مرض کا درجہ دیا جانے لگا ہے۔ گھر سے بروقت نکلنا ہو، بس اسٹاپ پر ہجوم ہو، اسکول کالج کے معاملات، دفتری کام عارضی ملازمت غرض قدم قدم پر ہمیں دباؤ کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ قواعد وضوابط ۔ رسم ورواج ، ذمے داریاں، تعلقات میں بگاڑ، بیماری، روپے پیسے کا لین دین اور دیگر معاملات دباؤ کا اہم سبب ہیں۔

ماہرین نفسیات کے خیال میں دباؤ اگر ایک حد میں ہو تو اس کے بہتر نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہ انسان میں مقابلے کے رجحان کو فروغ دیتا ہے اور اسے دوسروں سے آگے بڑھ جانے پر اکساتا ہے۔ یہ غور وخوض اور سوچے سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے اور آدمی کو زیادہ باعمل بناتا ہے تاہم یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اگر دباؤ نارمل اور ایک حد میں ہو۔ اگر یہ ضرورت سے زیادہ بڑھ جائے تو مایوسی، بیماری اور بعض اوقات خودکشی تک کی نوبت آجاتی ہے اور انسان زندگی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ذہنی دباؤ آپ کو زندگی کے اس مقام پر آپ کو اپنا شکار بنا سکتا ہے اگر کچھ معنی رکھتا ہے تو وہ یہ کہ آپ اس کا مقابلہ کیسے کرتے ہیں اس تناؤ کے دور میں آپ جتنے بہترین طریقے سے خود کو مینج کریں گے آپ کا اسٹریس کم ہوتا جائے گا۔

"آمدنی اور اخراجات میں توازن رکھیں کیونکہ معاشی اور مالی استحکام بہت سے معاملات میں پریشانی سے بچالیتا ہے۔"

☆ جب بھی آپ محسوس کر رہے ہوں کہ آپ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔ تو کوئی ایسا کام کریں جس میں آپ فرحت محسوس کریں۔ کوئی دلچسپ مشغلہ اختیار کیجیے ہلکی پھلکی ورزش، چہل قدمی، یا کسی پرانے دوست سے گپ شپ کا اہتمام کیجیے۔

☆ صحت پر توجہ دیں کیونکہ زندگی کی تمام تر رونقیں اور رعنائیاں اچھی صحت ہی سے ہیں۔ اس کے لیے متوازن خوراک اور خوش گوار ماحول کے ساتھ زندہ رہنا سیکھیں۔

☆ اپنا دکھ کہہ دینے سے انسان بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے اور بعض دکھ ایسے بھی ہیں جو انسان کو اللہ رب العزت سے مانگنے کا سلیقہ سکھا دیتے ہیں۔ جب بھی محسوس ہو کہ کچھ چیزیں آپ کی دسترس سے باہر ہیں تو اس ذات کی جانب رخ کریں جو ہر مشکل سے نکالنے کی طاقت رکھتی ہے۔

☆ فیصلہ کرتے وقت عجلت کا مظاہرہ نہ کریں۔ اکثر اوقات عجلت اور جلد بازی میں کیے گئے فیصلے دباؤ کا سبب بن جاتے ہیں۔

☆ با اعتماد دوستوں کا حلقہ وسیع کریں۔ خود کو اپنی ذات کے حصار میں قید کرنے والے لوگ اکثر مایوس اور پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ ایسے افراد جن کا حلقہ احباب وسیع ہوتا ہے وہ زندگی کو زیادہ خوش اور بھرپور گزارتے ہیں۔

☆ حاصل اور لاحاصل علیحدہ کریں۔ ہم زندگی کا بیشتر حصہ ان چیزوں کی خواہش میں صرف کر دیتے ہیں جو ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ یہی خواہش ہمیں ایک نہ ختم ہونے والے ذہنی دباؤ اور مایوسی میں گھیرے رکھتی ہے۔ وہ کام پہلے کریں جو آپ کے اختیار میں ہیں۔ آپ جس قدر حقیقت پسند بنیں گے اس قدر با اعتماد زندگی گزاریں گے۔

فہمیدہ جاوید

س: ''آپ کیا سمجھتی ہیں کہ کھانے کے لیے جیا جاتا ہے یا جینے کے لیے کھایا جاتا ہے؟''

ج: ''میرے خیال سے سوال کا دوسرا حصہ درست ہے یعنی کہ کھایا جاتا ہے کہ ہم اس دنیا میں ایک مقصد کے تحت آئے ہیں اور ہر انسان کی زندگی کا مقصد اطاعت الٰہی ہی ہے اور دوسرے معاملات کو سنوارنے کے لیے اپنی ذہنی اور جسمانی نشوونما کے لیے خوراک بھی ضروری ہے۔ اگر ہم اچھی نیتوں کے ساتھ کھانا تناول کریں گے تو ثواب بھی ملے گا۔ جتنی ضرورت ہو اتنا کھا لیا جائے اور چلو کبھی کبھی ذائقے کی وجہ سے زیادہ کھانے کو دل کرتا ہے کہ میں بھی کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ کھا لیتی ہوں۔ کبھی کبھار بے حد ذائقے دار چیزوں کے ساتھ کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے ناں جبکہ ذائقہ صرف حلق تک ہی ہے۔''

س: ''گھر کا کام کاج خاص کر کچن میں آپ کو کس حد تک دلچسپی ہے یا پڑھنے کا شوق آپ کو ان بکھیڑوں سے دور رکھتا ہے؟''

ج: ''میری شادی کو تیس سال ہو چکے ہیں تو اب تو دلچسپی ہو یا نہ ہو کچن اور میں لازم و ملزوم ہیں۔ مگر یہ مطلب نہیں کہ شوق نہیں۔ اچھا لگتا ہے نئے نئے کھانے بنانا اور خود بھی کھانا اور اپنی فیملی مطلب فیملی کو بھی کھلانا۔ زیادہ تر وقت کچن میں ہی گزرتا ہے ہاں اگر شادی سے پہلے کی بات کی جائے تو میں چونکہ پڑھتی تھی تو کچن کا کام کم کرتی تھی۔ میری والدہ، میری بڑی باجی، میری بھابھی ہی کچن کے کام سرانجام دیتی تھیں، اور میں کچن سے ذرا دور دور رہتی تھی۔ مگر میٹرک کے امتحانات کے بعد امی نے کام سکھانا شروع کیا اور آج ان کی ہی تمام باتیں میرے کام آ رہی ہیں۔''

س: ''ضروری نہیں کہ کھانا اچھا ہی بنے، کبھی نتائج برعکس ہوتے ہیں تو گھر والوں کا کیا تبصرہ ہوتا ہے؟''

ج: ''ٹھیک کہا مجھے بھی بہت کچھ کبھی کبھی سننا پڑتا ہے جیسا کہ ''شوگر کروانی ہے تو اتنی چینی ڈال دی۔ اف! اتنی مرچیں ڈال دیں کہ معدے میں جلن ہو رہی ہے۔ سیون اپ پینے سے ختم ہو گی۔ لگتا ہے آنکھیں بند کر کے کھانا بنایا ہے۔ بنتا کم ہے خرچ زیادہ ہوتا ہے۔'' یہ جملے سننے کو مل ہی جاتے ہیں۔ چلیں کوئی بات نہیں غلطی ہی سے انسان کامیابی کی سیڑھی چڑھتا ہے اور میں منزل پر شاید پہنچنے ہی والی ہوں۔''

س: ''کبھی کسی رائٹر کو پڑھتے ہوئے کھانا دھواں دھواں ہوا؟''

ج: ''ایسا کہوں کہ سچ میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ وجہ میری Controling of mind ہے۔ جی ہاں، رائٹر پوری پوری کوشش کرتی ہیں کہ ہمارا

کھانا جل کر بھسم ہو جائے مطلب کہ اتنی پیاری اور ایسی دلچسپ تحریر لاتی ہیں ہماری رائٹرز کہ کہانیوں کی وادیوں میں انسان کہیں دور آگے تک چلا جاتا ہے اور ان وادیوں کے تمام باغات یعنی کرداروں کی سیر کرتے ہیں ہم۔ اور منظر نگاری اور الفاظ کے چناؤ پھولوں کی خوشبو کی مانند ہمارے قلوب و اذہان کو منور کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی بڑی یا چھوٹی سی گول مٹول پتیلی میں موجود کھانے کا بھی خیال رکھنا ہی پڑے گا ورنہ ساس اور میاں جی کے پیار بھرے الفاظ گوش گزار کرنے ہوں گے۔"

س: "عام طور پر ان کے معدے سے گزرنے کا مرحلہ ضروری ہے دل کی رسائی کے لیے۔ آپ کتنا اتفاق کرتی ہیں اس بات سے؟"

ج: "جی تو ناظرین اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہاں درست کہا کہ معدے کی نالیاں ہی دل تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہیں تو ان نالیوں میں لذیذ اور مزیدار کھانا بحفاظت پہنچانا ہی ہوگا تو وہاں خوراک کی توڑ پھوڑ ہوگی۔ پھر سیلز دماغ کو پیغام ارسال کریں گے کہ کھانا اچھا ہے اور یہ عورت اچھا کھانا بناتی ہے۔ دماغ کے حتمی فیصلے کے بعد دل پر دماغ کا فیصلہ نقش ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ کے پیارے، کھڑوس، موڈی، خوش مزاج شوہر، ساس شاید آپ کی تعریف کر ہی لیں اور ہو سکتا ہے کہ دلی طور پر تسلیم کر کے زبان سے اقرار نہ بھی کریں کہ بقول ان کے "ہم سر پر نہ چڑھ جائیں۔ ہاہاہا۔"

س: "لوگ آپ سے کس چیز کی فرمائش کرتے ہیں؟ اس کی ہمیں ترکیب بھی بتائیں؟"

ج: "میرے بچے تو میرے سے میتھی، اروی کے پتے، مچھلی، میکرونی، چنے کی دال اور ٹنڈے، شامی کباب، کوفتے اور میٹھے میں حلوے، کسٹرڈ کی فرمائش کرتے ہیں۔ تمام اولاد کے اجتماعی فرمائشی کھانے تقریباً یہ ہی ہیں تو میں تو یہ ہی بناتی ہوں اور ان عام سے کھانوں کی ترکیب میری تمام پیاری اور شرمیلی سی بہنوں کو آتی ہی ہوگی۔ ہمم۔ یہ چیزیں شاید بقول بچوں کے میں اچھی بناتی ہوں ہاں مہمانوں کی فرمائش میں قورمہ، اچار گوشت اور بریانی شامل ہے۔"

س: "آپ کی بنائی ہوئی پہلی ڈش جس پر گھر والوں نے تعریف کے پل باندھے؟"

ج: "ہائے کیا پوچھ ڈالا، جواب یہ ہے کہ اب عمر ہی کچھ ایسی ہوگئی کہ یاد ہی نہیں تقریباً چالیس سال کی ہوں گی اور عمر کا تقاضا نہ بھی ہو تو پھر بھی یہ بات یاد نہیں۔ اب دماغ میں تھا ہی نہیں کہ اس بات پر فوکس کرنا ہے کہ کرن کے سلسلے میں یہ سوال آئے گا۔"

س: "گھر والوں کی پسندیدہ ڈش جسے پکانا ناگوار گزرتا ہے؟"

ج: "بس جس چیز میں بہت ہی زیادہ محنت کرنا پڑتی ہو اور پھر تیار ہونے پر معدے میں جانے کے بعد بھی کوئی تعریفی الفاظ میرے کان نہ سنیں تو پھر مجھے ناگوار گزرتا ہے کہ اتنی محنت سے بنائی اور کوئی تعریف نہ ہوئی۔ میرے خیال سے انسان کو حوصلہ افزائی کے لیے بھی جھوٹی تعریف بھی کر دینی چاہیے۔"

س: "ایسے مہمان جن کی آمد ناگوار گزرتی ہو تو ان کی خاطر داری کیسے کرتی ہیں؟"

ج: "کچھ مہمانوں کی آمد واقعی ہی ناگوار گزرتی ہے مگر محسوس نہیں ہونے دیتی اور نہ ہی بچے۔ ہم اچھے سے خدمت خلق کرتے ہیں ہاہاہا۔ ہاں یہ ہے کہ شاید دل سے نہیں ہوتی۔ ویسے اکثر تو دل سے ہی ہوتی ہے مگر کبھی کبھار بے دلی سے کرتی ہوں۔"

س: "سسرال میں کون سی ڈش بنائی اور کیا تعریف ہوئی؟"

ج: "اس سوال کا جواب بھی وہی ہے جو اس سے پہلے گزشتہ سوال اسی موضوع پر تھا۔"

بہنوں جی کیسی لگی "کچن اور آپ" میں میری آمد۔ خطوط میں لازمی بتانا چاہے برائی ہی کرنا مگر کرنا ضرور کچھ کہ میں برا نہیں مانتی۔ چلیں اب میں کچن سے نکل کر کمرے میں جا رہی ہوں کہ بچے آوازیں دے رہے ہیں کہ مما اتنی دیر سے کھانا بنا رہی ہو۔ جلد دو کھانا کہ آج اسکول کے لیے لنچ بھی نہیں دیا تھا۔"

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

مایو گارلک چکن

اجزاء:

مرغی کا گوشت	ایک سے ڈیڑھ کلو
کچا پپیتا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
دہی (پھینٹ لیں)	چار کھانے کے چمچے
ہری مرچ (پس لیں)	چھ عدد
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
مایونیز	ایک کپ
لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
لہسن کے جوے	دس عدد (موٹا پیس کر مکھن میں بھون کر مایونیز میں ملا دیں)
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

گوشت دھو کر اس میں کچا پپیتا پیسٹ اور نمک لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک بڑی بڑی میں گوشت دہی، پسی ہوئی مرچیں اور لہسن پیسٹ ملا دیں اور تیل بھی شامل کر کے مزید آدھے گھنٹے کے لیے میرینیٹ کر لیں۔ گوشت کو پتیلی میں ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ آنچ درمیانی رکھیں۔ تمام پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں۔ اوون کو 180C پر گرم کریں۔ ایک بیکنگ ٹرے کو مکھن سے اچھی طرح چکنا کر لیں اور گوشت کو اس میں رکھ لیں۔ سیاہ مرچ پاؤڈر اور مایو گارلک ساس گوشت کے اوپر ڈال دیں۔ پانچ سے دس منٹ تک بیک کر لیں۔ گولڈن براؤن ہو جائے تو سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

کھوپرا مچھلی کڑاہی

اجزاء:

مچھلی	650 گرم
لیموں کا جوس	دو چائے کے چمچے
سونف	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا کھوپرا	آدھا کپ
ادرک	دو سینٹی میٹر کا ٹکڑا (باریک باریک کاٹ لیں)
لال مرچیں	دو عدد (گرم پانی میں پندرہ منٹ کے لیے بھگو دیں)
لہسن	دو جوے
پیاز	(درمیانی) ایک عدد
املی	تین سے چار چائے کے چمچے
مکھن	دو کھانے کے چمچے
پانی	ڈیڑھ کپ

ترکیب:

مچھلی میں سے کانٹا نکال کر لیموں لگا کر ایک طرف رکھ دیں۔ کھوپرا، سونف اور زیرہ کو توے پر بھون کر گرائنڈ کر لیں، ادرک، لہسن، لال مرچ اور پیاز کو گرینڈر میں ڈال کر پیسٹ بنا لیں۔ اب اس پیسٹ میں تمام مصالحے اور املی شامل کر دیں۔ ایک پین میں مکھن لے کر اس میں گرائنڈ کیا ہوا پیسٹ ڈال کر ڈیڑھ سے دو منٹ کے لیے پکائیں۔ اب اس میں پانی ڈال کر چھ منٹ مزید پکائیں۔ آخر میں اس مسالے میں مچھلی ڈال کر اس وقت تک پکائیں جب تک کہ مچھلی نہ گل جائے۔ گرم گرم چاولوں کے ساتھ اس دلفریب مچھلی کا مزا لیں۔

ہنٹ:

اگر املی دستیاب نہ ہو تو اس کی جگہ لیموں کا استعمال کر سکتے ہیں۔

نورتن قورمہ ◆ السی کی پنیاں

نورتن قورمہ

اشیاء:

آلو	تین عدد
گاجر	دو عدد
پھول گوبھی	آدھا کلو
مٹر کے دانے	ایک پیالی
شلجم	تین سے چار عدد
شملہ مرچ	دو عدد
تلی ہوئی پیاز	آدھی پیالی
پسا لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
دہی	ایک پاؤ
پسی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
پسا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
قورمہ ایسنس	تین سے چار قطرے
تیز پات	دو سے تین پتے
چھوٹی الائچی	دو سے تین عدد
آئل	ایک کپ

ترکیب:

آلو اور شلجم کے چار ٹکڑے کرلیں۔ گاجر کے درمیانے سائز کے ٹکڑے کاٹ لیں اور پھول گوبھی کے پھول علیحدہ کرلیں۔ ایک دیگچی تین سے پانچ منٹ تیل گرم کریں پھر شملہ مرچ کے علاوہ تمام سبزیاں فرائی کر کے نکال لیں۔ دہی میں تلی پیاز اور تمام مسالے ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ دیگچی میں ہلکی آنچ تک لہسن فرائی کریں۔ پھر مسالا ملی ہوئی دہی ڈال کر بھون لیں۔ پھر تمام سبزیاں اور شملہ مرچ ملائیں اور آدھی پیالی پانی ڈال دیں، پسا گرم مسالا ڈال کر ایک سے دو منٹ پکالیں اور قورمہ ایسنس ڈال کر اتار لیں۔ ادرک سے سجا کر پیش کریں۔

السی کی پنیاں

اشیاء

السی	آدھا کلو
گندم	آدھا کلو
گوند	سو گرام
دیسی گھی	تین پاؤ
گڑ/شکر	تین پاؤ
سفید اور کالے تل	پچاس گرام
پستہ بادام	سو گرام
چھوٹی الائچی	گیارہ عدد
دیسی کشمش	سو گرام
مونگ پھلی کے دانے	سوا گرام

ترکیب:

گوند کو ہلکی آنچ پر بھون کر پھلا لیں۔ کچی گندم اور السی کو الگ الگ ہلکا سا بھون لیں دونوں کو ملا کر پیس لیں۔ گوند کو چورا کرلیں۔ پھر کڑاہی میں ڈال کر دیسی گھی ملائیں اور مزید بھونیں کہ خوشبو آنے لگے۔ اب گڑ/شکر کا شیرا بنا کر اس میں پستے، بادام، الائچی، کشمش، مونگ پھلی، سفید اور کالے تل اور زردہ کا رنگ شامل کریں۔ اچھی طرح سے ملائیں اور السی گندم اور گوند کا آمیزہ اس میں شامل کرکے اچھی طرح سے یکجان کرلیں۔ اور گرم گرم ہو تو لڈو بنالیں۔

اس ماہ کا مضمون

السی
سردیوں کی سوغات

اس کے بیج کو انگریزی زبان میں Flaxseeds کہا جاتا ہے۔ غذائیت سے بھرپور ہونے کے سبب السی کو سپر فوڈ قرار دیا جاتا ہے اور اس کے استعمال کے بے شمار فوائد بھی ہیں جنہیں نظر انداز کرنا بے وقوفی ہے۔ السی کی تاثیر گرم ہونے کے سبب اس سے بنی موسم سرما کی السی کی پنیوں (لڈو) کا استعمال صحت پر حیران کن فوائد مرتب کرتا ہے۔

السی کا استعمال کھانسی، نزلہ، زکام، بلغم، جوڑوں کے درد کینسر سے بچاؤ، موٹاپا، گردے میں پتھری، بواسیر، خواتین کے رحم کی رسولیاں، جلد کی بیماریاں۔ دل کے امراض، تھکن، سستی وغیرہ کے لیے بہترین ہے۔

السی کے بیج میں نباتات میں پائے جانے والا انتہائی مفید اومیگا تھری فیٹی ایسڈ پایا جاتا ہے جسے ایلفا لائنوک لک ایسڈ یا اے ایل اے بھی کہا جاتا ہے۔ یہ انسان میں خون کی گردش بہتر کرتا ہے۔ یہ بیج آپ کو سوزش سے بچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ السی کے بیجوں کا روزانہ استعمال آپ کے جسم میں کولیسٹرول کی سطح کو کم کرنے کے حوالے سے مدد فراہم کرتا ہے۔

السی مچھلی کے تیل کا ایک بہترین متبادل ہے چونکہ اس میں نشاستہ نہیں۔

السی کے بیج نہ صرف نظام ہضم کے مسائل کو دور کرتے ہیں بلکہ اس سے بہتر بھی بناتے ہیں۔ یہ متعدد بیماریوں سے بچانے کے علاوہ کئی ایسے جراثیموں کا خاتمہ بھی کر دیتے ہیں جو بیماریوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ السی کے بیج متعدد اقسام کے فائبر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جو کہ نظام ہضم اور آنتوں کی صحت کو بہتر بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہاضمے کے نظام کی صفائی بھی کرتے ہیں۔ اس کے بیج قبض رفع کرتے ہیں۔

السی کے بیج پیس کر تل کے تیل کے ساتھ ملا کر لگانے سے ہر قسم کے ورم کو نفع دیتے ہیں۔ درد اور سوزش دفع ہو جاتی ہے۔ گرم پانی میں پیس کر درد سر دائمی میں لگانا مفید ہے۔ تین بار لگانے سے درد سر بالکل جاتا رہتا ہے۔ اس کی دھونی سے گرم زکام جاتا رہتا ہے۔

ڈاکٹر السی کے بیجوں کا جو شاندہ کھانسی، زکام، دستوں اور پیچش کے لیے مفید بتاتے ہیں۔ السی سے پیشاب، پسینہ دودھ اور حیض جاری ہو جاتا ہے۔

السی کے بیج بالوں اور جلد کو صحت مند اور معیاری بنانے کے حوالے سے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ السی کے بیجوں میں موجود چکنائی بالوں، ناخنوں اور جلد کی نشوونما کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ناخنوں میں خشکی آجائے اور پھٹنے اور چھلکے اترنے لگیں تو ان کو پیس کر شہد کے ساتھ لگانا چاہیے۔

طب مشرق میں السی کے بیج کو توے پر بھون کر کھانے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں تاہم السی کے بیج کو پیس کر رائتے اور سلاد پر بھی چھڑک کر کھایا جا سکتا ہے۔ یاد رکھیں کسی بھی طرح بیج کو مکمل طور پر نہ کھائیں کیونکہ فائدے کے بغیر یہ نظام ہاضمہ سے گزر جاتے ہیں اس لیے انہیں باریک پیس کر ہی کھانا بہتر ہے۔

دوران حیض السی کا تیل استعمال نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح دودھ پلانے والی ماؤں کو بھی اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔